سِلسِلۂ مطبُوعات نمبر ۱۴۱

بقولِ زرُدشت

ایک کتاب جو سب کے لیے ہی اور کسی کے لیے نہیں

از

فریدرش نیتشے

ڈاکٹر ابوالحسن منصور احمد صاحب پروفیسر مُسلِم یونیورسٹی علی گڑھ

نے

اصل جرمن زبان سے اُردُو میں ترجمہ کیا

شائع کردہ

انجمن ترقّیِ اُردُو (ہند) دہلی

سنہ ۱۹۴۰ء

نئی مطبوعات

اضافیت یہ کتاب ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی صاحب پروف[illegible] ریاضیات جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد دکن کی، جنھیں اس سال نوبل پرائز ملا ہ[illegible] تصنیف ہی۔ اِس میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے آئن شٹائن کے نظریۂ اضافیت کو عام فہم زبان میں بیان کیا ہی۔ جس نظریہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہی کہ اس کے سمجھنے والے دنیا میں صرف دو چار ہیں، اس کی تشریح ایسی سلیس زبان میں کی گئی ہی کہ معمولی ریاضی جاننے والا آسانی سے سمجھ سکتا ہی۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ تصنیف اُردو ادب میں بیش بہا اضافہ ہی۔ قیمت مجلد عہ غیر مجلد ۱۲ر

معمارِ اعظم - یہ یورپ کے بلند پایہ ڈراما نگار ابسن کے نہایت ممتاز ڈرامے "ماسٹر بلڈر" کا ترجمہ ہی جس میں مصنف نے نفسیاتی نکات کے بیان کرنے میں بڑا کمال دکھایا ہی اور جو بقول پروفیسر فرانسس بُل جہ[illegible] تک بنیادی امور، اس کے مقصد اور بنی نوعِ انسان کے متعلق اس تصور کا تعلق ہی یہ ڈراما وقت اور مقام کی قیود سے آزاد ہی۔ اور [illegible] کے دور دراز حصے میں بھی جہاں انسان بستے ہیں یہ سب کی سمجھ میں آسکتا ہ[illegible] عزیز احمد صاحب بی۔ اے۔ آنرز (لندن) نے ایسی خوبی سے ترجمہ کیا ہی کہ اصل لُطف آجاتا ہی۔ قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنے عہ غیر مجلد بارہ آنے ۱۲ر

ملنے کا پتہ

انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی

سلسلۂ مطبوعات نمبر ۱۴۱

بقولِ زردشت

ایک کتاب جو سب کے لیے ہی اور کسی کے لیے نہیں

از

فریدرش نیتشے

ڈاکٹر ابوالحسن منصور احمد صاحب پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

نے

اصل جرمن زبان سے اُردو میں ترجمہ کیا

شائع کردۂ

انجمن ترقیِ اُردو (ہند) دہلی

۱۹۴۰ء

خاں صاحب عبداللطیف نے لطیفی پریس لمیٹڈ دہلی میں چھاپا
اور
منیجر انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) نے دہلی سے شائع کیا
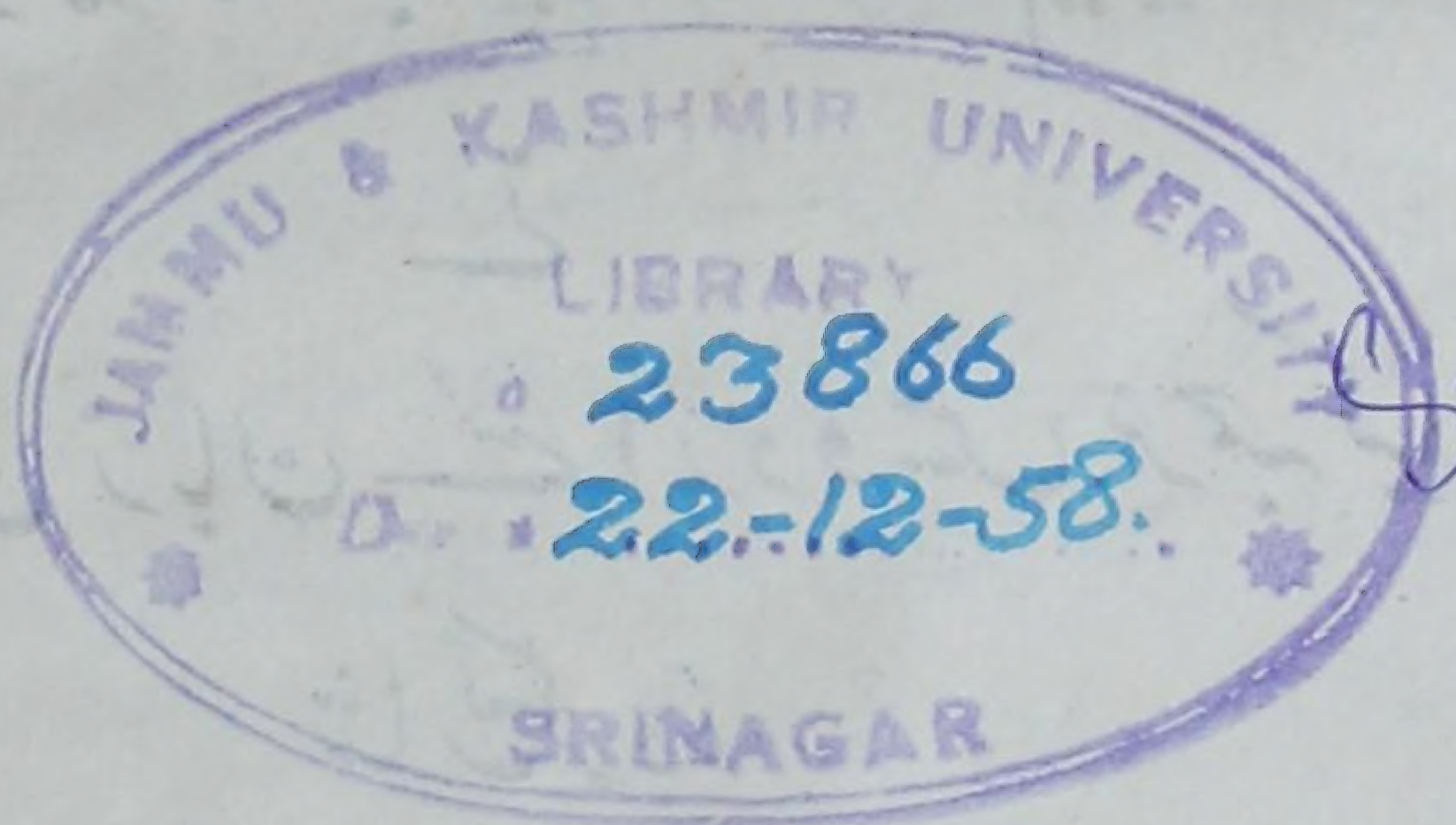
فہرست مضامین بقول زردشت

پہلا دفتر

دوسرا دفتر

تیسرا دفتر

چوتھا (آخری) دفتر

دیباچہ "زرُدشت"

اگر کسی کتاب کا دیباچہ لکھا جائے تو یہ بات از حد ضروری ہے کہ پہلے اس کتاب کے مصنّف یا موٌلف کی زندگی کے حالات کسی قدر تفصیل سے بتائے جائیں اور اس کی دیگر تصانیف پر بھی ایک سرسری نظر ڈالی جائے بغیر ان دو باتوں کے کتاب کا سمجھنا دشوار ہے۔ اس کی ضرورت سب سے زیادہ "زردشت" کے دیباچے میں پڑتی ہے کیوں کہ یہ کتاب نیتشے کی ساری زندگی کا آئینہ ہے اور اس کی تمام تعلیمات کا لبِّ لباب۔

اس کتاب کے نام "بقول زرُدشت" سے یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ وہ ایرانی فلسفی اور بانی مذہب زردشت کی تعلیم ہے یا اس کے مقولے یا کسی نہ کسی طرح سے وہ زردشت سے تعلّق رکھتی ہے۔ بلکہ وہ محض نیتشے کی تعلیم اور اس کا فلسفہ ہے جو وہ زردشت کی زبان سے بیان کرتا ہے۔

نیتشے کی پیدائش اور بچپن

پیدائش | پرشیا میں، جو جرمنی کا سب سے بڑا ملک ہے اور جس کے بادشاہ گزشتہ جنگِ عظیم تک کل جرمنی کے قیصر کہلاتے تھے، ایک صوبہ ہے جس کا نام Sachsen زَکسن (انگریزی: Saxony) ہے اسی نام کا جرمنی میں ایک ملک بھی ہے جس کا دارالسلطنت Dresden ڈرسڈن ہے۔ لہٰذا ان دونوں کو مخلوط نہ کرنا چاہیے۔ اس صوبہ زکسن میں Lutzen لوتسن نامی

ایک شہر ہی۔ اس شہر کے قریب ایک قصبہ ہی جس کا نام Rocken روے کن ہی
اسی قصبے میں ۱۵؍اکتوبر ۱۸۴۴ء کو ہمارا مصنّف اور فلسفی فریدرِش ولہلم نیتشے
(Friedrich Wilhelm Nietzsche) پیدا ہوا۔ اس کا باپ اسی قصبے کا
بہن کی پیدایش | پادری تھا اور فریدرش کی پیدایش کے تقریبًا تین سال بعد اس کے
ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی جس کا نام Elizabeth تھا۔ مگر بیٹے کی عمر ابھی پورے
پانچ سال کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ۲۸ ؍جولائی ۱۸۴۹ء کو باپ کا انتقال ہوگیا
باپ کا انتقال | اگرچہ اس کی عمر ابھی ۳۶ سال ہی کی تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد
اس کی ماں اپنے دونوں بچّوں کو لے کر اپنی سسرال Naumburg a/s
چلی گئی اور اپنی ساس اور دو نندوں کے ساتھ رہنے لگی۔

چوں کہ یہاں بھی خاندان کا خاندان پروٹسٹنٹ پادریوں کا تھا لہٰذا ہمارے
عیسائیت میں تربیت اور عیسائیت سے مخالفت | نیتشے کی ابتدائی تعلیم و تربیت عیسائیت اور کلیسائیت
کے ماحول میں ہوئی۔ اس نقطے کو یہاں خوب سمجھ لینا چاہیے
کیوں کہ آگے چل کر نیتشے ان کے سخت خلاف ہوگیا ہی اور اپنی تمام تصانیف
میں ان کی سخت مخالفت کی ہی۔ دیکھو "زردشت" باب "پادری"، بالخصوص اور
ساری کتاب بالعموم۔

سرکاری اور غیر سرکاری مدارس | آج سے سَو سال پہلے جرمنی میں بھی ہندوستان کی
طرح سرکاری اور غیر سرکاری مدارس ہوتے تھے۔ ایسا ہی ایک غیر سرکاری مدرسہ
ناؤمبرگ میں بھی تھا اور نیتشے نے اپنی ابتدائی تعلیم اسی مدرسے میں حاصل کی۔
تین قسم کی تعلیم گاہیں | جرمنی میں تعلیم گاہیں تین حصّوں میں منقسم ہیں: اوّل ابتدائی
تعلیم گاہیں جو تقریبًا میٹرکولیشن تک تعلیم دیتی ہیں اور جن کو Volks-Schule
فولکس شولے کہتے ہیں۔ دوم وسطی تعلیم گاہیں جو تقریبًا ایف اے اور بی اے

کی تعلیم دیتی ہیں اور جنھیں Gymnasium گمنازیم سے تعبیر کرتے ہیں۔ سوم انتہائی تعلیم گاہیں جو یونیورسٹی (Universitat اُونی ورزی ہَیت) کہلاتی ہیں اور جن میں تین چار، پانچ سال کے بعد ڈاکٹری کی ڈگری ملتی ہے۔ ہندوستان کے خلاف ابتدائی اور وسطی تعلیم گاہیں یونیورسٹی کا جز نہیں خیال کی جاتیں۔

داخلہ گمنازیم | دس سال کی عمر میں نیتشے شُول پفورتا Schulpforta کے گمنازیم میں داخل ہوا جو ناؤمبرگ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے اور ۱۸۶۴ء تک وہیں پڑھتا رہا۔

خاموش طبعی | بچپن ہی سے نیتشے بہت خاموش طبع واقع ہوا تھا اور قواعد و احکام کی پابندی خوب کیا کرتا تھا۔ اس کی خاموشی طبع کی وجہ سے وہ اپنے ساتھیوں

چھوٹا پادری | میں "چھوٹے پادری" کے نام سے مشہور تھا۔ ایک بار جب اس کی ماں نے اُس پر بہت سنجیدہ ہونے کا الزام لگایا تو اس نے جواب دیا کہ اسکول کے قواعد میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اسکول چھوڑتے وقت لڑکوں کو اُچھلنا کودنا نہ چاہیے بلکہ سکون و آہستگی کے ساتھ گھر جانا چاہیے۔

مذہبی راگ | مذہبی ماحول کا اُس پر اتنا اثر پڑا کہ بچپن ہی میں وہ مذہبی راگ اور انجیل کی آیتیں اس دردناک آواز سے گایا کرتا تھا کہ سُننے والے آب دیدہ ہو جاتے تھے۔

سچ بولنا | سچ بولنے کی عادت اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی اور اس کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ وہ اپنے آبا و اجداد کی خاندانی شرافت پر بہت نازاں تھا جو ایک زمانے میں پولینڈ کے نوابوں میں شمار ہوتے تھے اور اٹھارھویں صدی کے اواخر میں پروٹسٹنٹ ہونے کی وجہ سے پولینڈ سے بھاگ کر جرمنی میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ اس کی بہن الیزبت ہمیشہ کہا کرتی تھی کہ جھوٹ بولنا ہم نواب زادگان

کے شایانِ شان نہیں۔

بہن کی تعلیم وتربیت میں حصہ لینا | نیتشے کو بچپن ہی سے اپنی بہن سے بڑی محبت تھی اور وہ اس کی تعلیم و تربیت میں کافی حصہ لیتا تھا۔ بالخصوص خود داری کی تعلیم پر وہ بہت زور دیتا تھا۔ اس کا مقولہ تھا کہ روحانی اور جسمانی تکالیف اور ظلم کو ہنسی خوشی برداشت کرنا چاہیے۔ وہ اپنی بہن سے کہا کرتا تھا کہ: لیبز بہت، جو اپنے نفس پر قابو پا گیا وہ

لاما | دوسروں پر بھی حکومت کر سکتا ہے۔ اس نے اپنی بہن کو پیار سے لاما کا لقب دے رکھا تھا اور بڑے ہونے پر بھی وہ اسے اکثر اسی نام سے پکارتا تھا۔ اس کی ابتدا اس طرح سے ہوئی کہ اس نے کسی کتاب حیوانات میں ایک بار مذکورۂ ذیل جملہ پڑھا تھا: "لاما عجیب و غریب جانور ہے۔ وہ بخوشی بھاری بھاری بوجھ اُٹھاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس پر ظلم کرے تو وہ کھانے پینے سے انکار کر دیتا ہے اور مرنے کی خاطر زمین پر لیٹ جاتا ہے۔"

کھلونے ایجاد کرنا | اس کی قوتِ تخیلہ اس قدر تیز تھی کہ وہ بچپن ہی میں طرح طرح کے

شاعر، پیانو کا شوقین | کھلونے ایجاد کیا کرتا تھا اور اس کے ابتدائی اشعار سے بھی اس کا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔ وہ شاعر تھا اور اسے پیانو بجانے کا شوق تھا اور اس میں اس نے کافی مہارت حاصل کی تھی۔

دوستی کا پاس | اسے دوستی برتنے کا بڑا شوق تھا اور اُس نے اسے مرتے دم تک نبھایا۔

عنفوانِ شباب

گرمانیا کی بنا | سنہ ۱۸۶۰ء میں اُس نے اپنے دو ہم جماعتوں کے ساتھ ایک ادبی مجلس کی بنا ڈالی جس کا نام گرمانیا Germania تھا۔ چوں کہ وہ ماہر موسیقی

رِشَرڈ واگنر Richard Wagner کا دلدادہ تھا اس لیے گرمانیا کی طرف سے "موسیقی رسالہ" Zeitschrift für Musik بھی منگایا جاتا تھا جو بر خلاف اور تمام موسیقی رسالوں کے واگنر کا طرف دار اور موافق تھا۔

اسی زمانے میں موسیقی کے ساتھ ساتھ اس کا رجحانِ طبع علوم کی طرف بھی ہوتا جاتا تھا۔ گمنازیم ہی کے زمانے میں اُسے یونانی اور لاطینی پڑھنے کا بے حد شوق پیدا ہو گیا تھا اور یہ شوق اس حد تک بڑھتا گیا کہ جب ۱۸۶۴ء میں وہ Boun یونیورسٹی میں داخل ہوا تو اس کی توجہ انھیں زبانوں کی طرف مائل ہوئی۔ چوں کہ وہ ہنوز فضائے مذہبیت سے آزاد نہ ہوا تھا جس میں اُس کی تعلیم و تربیت بچپن سے ہوئی تھی، اس لیے اس نے اپنا نام دینیات میں بھی لکھوایا لیکن آگے چل کر اُس نے اس کی ہمیشہ سخت مخالفت کی Boun یونیورسٹی میں نیتشے پر ماہرِ لسانیاتِ یونانی و لاطینی وِلہلم رِتشل Wilhelm Ritschl کا بہت گہرا اثر پڑا، اس لیے جب رِتشل ۱۸۶۵ء میں Boun سے Leipzig یونیورسٹی بلایا گیا تو نیتشے بھی Boun۔ یونیورسٹی سے نام کٹوا کر Leipzig یونیورسٹی میں داخل ہو گیا۔

یونانی اور لاطینی کا شوق

Boun سے Leipzig جانا

اس وقت تک نیتشے تین چیزوں کے زیر اثر تھا: پروٹسٹنٹ عیسائیت، قدیمیاتِ یونانی و لاطینی اور موسیقی بالخصوص واگنر کی موسیقی لیکن خود نیتشے کے خطوط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ Boun کے زمانہ تعلیم میں ہی اس کا دل عیسائیت کی طرف سے ہٹنا شروع ہو گیا تھا۔ اور جب وہ Leipzig پہنچا اور دہری فلسفی شوپن ہاؤر Schopenhauer کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو رہی سہی مذہبیت بھی اس کے دل و دماغ سے نکل گئی۔ اس نے ۱۸۶۷ء میں اپنے Leipzig کے زمانہ تعلیم یعنی ۱۸۶۵-۶۷ء کے متعلق اپنے روزنامچے میں لکھا ہے

تین چیزوں کے زیر اثر

عیسائیت سے برگشتگی کی ابتدا

جس کا ماحصل یہ ہی :

شوپن ہاؤر کی کتاب کا مطالعہ

"ایک روز ایک کتب فروش کی دکان پر Schopenhauer کی ایک کتاب میری نظر سے گزری۔ چوں کہ میں اُس کتاب سے بالکل واقف نہ تھا اس لیے میں نے اس کی ورق گردانی شروع کردی۔ معلوم نہیں کس شیطان نے میرے کان میں یہ پھونک دیا کہ تو اس کتاب کو اپنے ساتھ لیتا جا! میں نے خلافِ عادت اس کتاب کو فوراً خرید لیا۔ گھر پہنچ کر میں نے اُسے پڑھنا شروع کیا اور اس کی تاریک اور بھیانک قوتیں میرے اوپر اثر کرتی گئیں۔ اِس کتاب کی سطر سطر سے تظلّم، نفی اور دنیا سے دست برداری ٹپکتی تھی۔ وہ کتاب ایک آئینہ تھی جس میں دنیا اور زندگی عجیب بھیانک شکلوں میں نظر آتی تھیں۔ اس میں مَیں نے جلاوطنی اور جائے پناہ، دوزخ اور جنّت، بیماری اور علاج کو ساتھ ساتھ دیکھا۔ اس سے میرا دل چور چور ہوگیا۔ اس کے گواہ اب تک اُس زمانے کے روزنامچے کے پریشان اور گراں طبع اوراق ہیں جو میری اپنی بے سود شکایت اور بنی نوعِ انسان کے علاج اور اصلاح کے مایوسانہ تخیلات سے لبریز ہیں۔ جب میں نے اپنی تمام کیفیتوں اور کوششوں کو اپنی نفرتِ ذاتی کی ترازو میں تولا تو میں خود بے حد ناانصاف اور بے لگام نفرت کا معرض بن گیا اور میرے دل میں میٹھا میٹھا درد ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں برابر دو ہفتے تک رات کے دو بجے سوتا اور چھ بجے پھر اُٹھ بیٹھتا تھا۔ کم زوریٔ اعصاب نے غلبہ پکڑا۔ نہ معلوم میرا جنون کس قدر اور ترقی کر گیا ہوتا اگر اس کے مقابلے میں مسرتِ زندگی اور خودداری اور باقاعدہ تعلیم کی مجبوری نے آکر مجھے روک نہ لیا ہوتا۔"

جس چیز نے اُسے اِس خودکشی سے بچایا وہ یونانی اور لاطینی لسانیات تھیں جنھیں اُس نے اِس محویت اور انہماک سے پڑھا کہ تھوڑی ہی مدّت میں وہ

ان کا ماہر ہو گیا۔

ادبی لکچر اور مضامین | اسی زمانے میں اس کے متعدد ادبی مضامین بھی رسالوں میں چھپے اور ایک مجلسِ لسانیاتِ تلامذہ میں جو رِتشل کے کہنے پر خود نیتشے نے ۱۸۶۵ء میں مرتب کی تھی اس نے کئی ادبی لکچر بھی دیے۔ نیتشے اور اس کے دوست روڈے Rohde سے تمام ہم درس مرعوب رہتے تھے اور ان میں سے ایک نے ایک بار نیتشے کی بہن سے یہ بیان کیا کہ ان دونوں نے گھوڑے کی سواری اور پستول چلانے میں بڑی مہارت حاصل کی تھی اور جب وہ رتشل کے درس میں آتے تھے تو تندرستی اور جوانی ان کے چہروں پر برستی تھی، وہ سواری کی پوشاک میں اور ہاتھ میں کوڑے لیے ہوئے آتے تھے اور دوسرے ہم جماعت ان کو اس طرح تعجب کی نگاہ سے دیکھتے تھے جیسے دو نوجوان دیوتاؤں کو۔

رتشل کا بیان | اس کے ۲۲ سال بعد خود رتشل نے اپنے شاگرد نیتشے کے بارے میں یہ الفاظ کہے ہیں: "کیا شاندار انسان تھا، گویا فطرتِ انسانی کی ایک نئی وحی!"

یکسالہ خدمتِ فوجی | اسی تندرستی کی حالت میں نیتشے نے ۶۸-۱۸۶۷ء میں یکسالہ خدمتِ فوجی ادا کی۔ ایک بار اپنے گھوڑے پر کود کر چڑھنے کی وجہ سے اس کا سینہ زخمی ہو گیا جس کی وجہ سے اسے کئی مہینے تک صاحبِ فراش رہنا پڑا۔

ڈاکٹری تھیس | اسی زمانے میں وہ دوبارہ تحقیقات و تفتیشات لسانیات کی طرف متوجہ ہوا اور اپنے ڈاکٹری تھیس کے لکھنے میں مشغول ہوا اور ساتھ ساتھ عالم کے بامقصد ہونے پر ایک کتاب کا خاکہ تیار کرنے لگا۔ یہ

علم کے بامقصد ہونے پر ایک کتاب

خیال اس کے دل میں فریدرِش اَلبرٹ لنگے Friedrich Albert Lange کی کتاب "تاریخ مادیت" سے پیدا ہوا جو ۱۸۶۶ء میں شائع ہوئی تھی اس کتاب کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ نسبتاً اور مقابلتاً تو مادیت ایک حیثیت رکھتی ہے، مگر وہ

ایک خاص حد سے تجاوز نہیں کرتی - مادیت کا مقصد یہ ہی کہ وہ انسان کو مثل دیگر غیر ذوی العقول کائنات کے تصور کرے اور جو فوقیت کہ انسان بربنائے خلاقیت دوسری کائنات پر رکھنا چاہتا ہی اسے تسلیم نہ کرے - نیتشے پر اس طبیعیات کا اثر بہت گہرا پڑا تھا۔ اس کا ایک خط ۹ر اپریل ۱۸۶۶ء کا لکھا ہؤا موجود ہی جس میں وہ ایک سخت بارش کے بیان کے بعد یہ لکھتا ہی :

مادیت کا اثر

"میں اپنے دل میں ایک عظیم الشان رفعت محسوس کرتا ہوں اور میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہم کارخانہ قدرت کو اس وقت کما حقہٗ سمجھ سکتے ہیں جب کہ ہم اپنے روزانہ تفکرات اور آلات سے بالا ہو کر ان کی طرف رجوع کریں - میرے آگے انسان اور اس کی غیر مطمئن خواہشات کی کچھ حقیقت نہیں - میرے خیال میں "تجھے یہ کرنا چاہیے" اور "تجھے یہ نہ کرنا چاہیے" کا دائمی جھگڑا بیکار ہی - ان میں اور بجلی آندھی اور اولوں میں جو قدرت کی آزاد قوتیں بغیر اخلاقیات کے ہیں کتنا فرق ہی ! وہ کس قدر خوش وقت اور طاقت ور ہیں !"

شوپن ہاوئر (Schopenhauer) کی دلی تمنا یہ ہی کہ انسان اپنی قدرتی خواہشات یعنی "عزم حیات" سے کنارہ کشی کرلے اور بجائے اُس کے زاہدانہ اور راہبانہ زندگی اختیار کرے - اگرچہ نیتشے کی ابتدائی زندگی پر اس کا گہرا اثر پڑا ہی تاہم مرقومہ بالا اثرات وجذبات سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ خالص قدرتی اشیا کی عزت و حرمت اس کے دل میں جاگزیں ہو چکی ہی اور اُس کی یہ خواہش ہی کہ وہ ادراک اور شعور اور اخلاقیات سے مبرّا ہو جائے - اگر یہ اثرات وجذبات اُس پر اسی وقت حاوی ہو گئے ہوتے تو وہ شوپن ہاوئر سے اسی وقت الگ تھلگ ہو گیا ہوتا - لیکن اس وقت نیتشے کی اندرونی حسیات نے اس درجہ ترقی نہیں کی تھی، اور اس سے زیادہ

نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے جراثیم داخل ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ اور اس پر طرّہ یہ ہوا

شوپن ہاؤیر کا اثر

کہ واگنر کی صحبت کی وجہ سے شوپن ہاؤ تر کا اثر نیتشے پر بہت قوی ہو گیا تھا، کیوں کہ خود واگنر شوپن ہاؤیر کے بہت زیادہ زیر اثر تھا۔ اس کا ثبوت نیتشے کے اُس خط سے ملتا ہے جو اس نے واگنر کی پہلی ملاقات کے بعد ۹ نومبر ۱۸۶۸ء کو اپنے دوست روڈے کے نام لکھا تھا اور جس کا کچھ حصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-

واگنر سے پہلی ملاقات

"اب میں آج کی روداد مجملاً تم سے بیان کرتا ہوں۔ واقعی اس ملاقات میں عجیب و غریب لطف حاصل ہوا اور میں بغیر اُس کا ذکر کیے نہیں رہ سکتا۔ کھانے کے پہلے اور بعد واگنر نے Meistersinger "اُستاد گویے" کے تمام اہم مقامات کو پیانو پر بجایا۔ واگنر بے انتہا جوشیلا شخص ہے۔ وہ بہت جلد باتیں کرتا ہے، اس کی طبیعت میں مزاح اور شگفتگی ہے۔ اسی صحبت میں میں نے واگنر سے شوپن ہاؤیر کے متعلق گفتگو کی اور تم اندازہ کر سکتے ہو کہ مجھے کتنا لطف آیا ہو گا جب وہ شوپن ہاؤیر کے متعلق نہایت جوش سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ وہ شوپن ہاؤیر کا کس قدر مرہونِ منت ہے اور یہ کہ وہی ایک فلاسفر ہے جو موسیقی کی کنہ تک پہنچا ہے۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے یہ دریافت کیا کہ یونیورسٹی کے پروفیسروں کا اب اس کی طرف سے کیا خیال ہے (یہاں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یونیورسٹیوں کے پروفیسر ایک زمانہ دراز تک واگنر کا محض مضحکہ اڑاتے تھے اور اس کو بالکل دھیان میں نہ لاتے تھے۔ یہی حالت بعد کو نیتشے کی بھی ہوئی)۔"

قدیم لسانیات کا شوق

۱۸۶۸ء میں جب کہ وہ بیمار پڑا ہوا تھا اس نے یہ فیصلہ کیا کہ یونیورسٹی میں قدیم لسانیات کی تعلیم حاصل کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ اُس نے

بالکل ٹھنڈے دل سے نہ کیا ہوگا، کیوں کہ ایک طرف تو اُس کے دل میں عالمِ یک فنی ہونے کا ولولہ تو ضرور تھا مگر دوسری طرف وہ پیدایشی فلاسفر بھی تھا۔ لسانیات کی طرف رجوع کرنے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو محض اخباری قابلیت سے بلند کرلے اور ایک خاص فن میں ماہر ہوجائے۔ منجملہ ان خاص فنوں کے بالخصوص لسانیات کی طرف اس کی توجہ ہونے کا باعث یہ تھا کہ اس کا انداز نہایت دشوار گزار ہی اور اس میں وہ گہرائی اور سوکھاپن پایا جاتا ہی جس کی وجہ سے وہ بالعموم لوگوں میں مرغوبِ خاطر نہیں۔ اور جب وہ لسانیات کی طرف رجوع ہؤا تو یہ اس کی فطرت سے بعید تھا کہ وہ محض ایک متوسط درجے کا صاحبِ فن ہوکر رہ جائے، بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ آیندہ آنے والی ماہرینِ لسانیات کی نسل کی اصلاح کرے۔ ایک خط میں وہ اپنے دوست کو مندرجہ ذیل جملے لکھتا ہی:۔

> "آخر ہمارا تو یہ فرض ہی کہ ہم محض اپنے لیے نہ زندہ رہیں ہم پر واجب ہی کہ ہم ماہرینِ لسانیات کی آیندہ پود کو اس خیالِ خام سے روکیں کہ محض اُن کا فن بزرگ ترین فن ہی"

نیتشے کا زندگی میں قدم رکھنا

نیتشے کو پروفیسری آسانی سے حاصل ہوگئی۔ ابھی اس نے ڈگری بھی نہیں لی تھی کہ سوئٹزرلینڈ کی Basel بازل یونیورسٹی میں ایک جگہ خالی ہوئی اور اس کا پُر کرنا وہاں کے پروفیسر (Vischer) فِشر کے ہاتھ میں تھا۔ فِشر نے نیتشے کے متعدد مضامین رسالہ Rheinisches Museum راینِش مُزیئم میں پڑھے تھے جن کا اثر اس پر بہت اچھّا پڑا تھا۔ لہٰذا اس نے نیتشے کے متعلق رِتشل سے دریافت کیا۔ یہ وہی رِتشل ہی جو نیتشے کا استاد Boun اور

بازل یونیورسٹی کی پروفسری

Leipzig میں رہا تھا اور اس نے نیتشے کی زبردست سفارش کی۔ اس طرح
سے ۱۸۶۹ء میں جب کہ وہ صرف چوبیس سال کا تھا بازل یونیورسٹی میں ڈھائی
سو فرانک ماہوار پر غیر معمولی[1] پروفیسر مقرر ہو گیا۔
بازل میں منجملہ اور پروفیسروں کے جن سے نیتشے کے گہرے تعلقات تھے
دینیات کا پروفیسر Franz Overbeck (۱۸۳۷-۱۹۰۵ء) بھی تھا جس کا نظریہ
یہ تھا کہ قدیم عیسائیت کو جو دنیا سے بالکل الگ تھلگ ایک چیز ہے تمدن اور تہذیب
سے تطبیق دینا سخت غلطی ہے (دیکھو اس کی کتاب "عیسائیت اور موجودہ دینیات"
۱۸۷۳ء اور ۱۹۰۳ء)
واگنر کی صحبت کا نیتشے پر بڑا اثر پڑا۔ اس کے متعلق جو اس نے ۱۸۶۹ء
میں اپنے دوست فن گرسڈرف Von Gersdorf کو لکھا ہے وہ قابل غور ہے:

"جس کو شوپن ہاؤر نے "بلا کے شخص" سے تعبیر کیا ہے اس کا
مجسمہ میرے خیال میں یہی واگنر ہے۔ اس کے متعلق تجھے کسی اس رائے
کو نہ ماننا چاہیے جو اخباروں یا موسیقی رسالوں میں ظاہر کی گئی ہے۔
کوئی شخص اب تک اس کی کنہ کو نہیں پہنچا اور کسی کو اس پر رائے زنی
کا حق نہیں، کیوں کہ تمام لوگ ایک دوسری دنیا میں رہتے ہیں اور
واگنر کے ماحول سے واقفیت نہیں رکھتے۔ اس کی انسانیت اتنی
سنجیدہ اور اس کی شخصیت اتنی اعلیٰ ہے کہ میں اس کے قرب کو

---

[1] جرمن یونیورسٹیوں میں معلمین تین حصوں میں منقسم ہوتے ہیں۔ اوّل Privat Dozent
یعنی غیر رسمی لکچرار۔ ان کو تنخواہ نہیں ملتی۔ دوم نمبر پر Ausserordentlicher Professor
یعنی غیر معمولی پروفیسر یہ تنخواہ دار ہوتے ہیں۔ سوم Ordentlicher Professor یعنی
معمولی پروفیسر تنخواہ دار اور عہدہ اعلیٰ۔

قُربِ الوہیت سمجھتا ہوں۔"

سنہ ۱۸۷۰ء میں وہ بازل میں غیر معمولی پروفیسر سے معمولی پروفیسر ہوگیا۔ اسی

جنگ جرمنی و فرانس میں بحیثیت بیماردار کے شرکت

سال جرمنوں اور فرانسیسیوں میں لڑائی چھڑ گئی۔ بلحاظ سوئٹزرلینڈ کی رعایا ہونے کے وہ لڑائی میں شریک نہیں ہوسکتا تھا، تاہم وہ چھٹی لے کر بحیثیت بیماردار کے شامل ہوگیا۔ یہ کام اس نے نہایت تندہی سے کیا مگر خود مرض پیچش میں مبتلا ہوگیا۔ جب اس مرض سے ذرا افاقہ ہوا تو وہ پھر بازل یونیورسٹی پہنچا۔ اور وہ گرسڈرف کو ایک خط میں لکھتا ہے کہ میں پھر دل و جان سے تعلیم کی طرف مشغول ہوگیا ہوں، لیکن کاشکے میں تندرست ہوتا۔ مگر اس کے بعد یہ قوی الجثہ شخص آئے دن بیمار ہوتا رہا۔ تاہم وہ اپنے فرضِ منصبی کے ساتھ ساتھ تصنیف میں بھی مشغول رہا۔

نیتشے کی تصانیف

"غمناک ناٹک کی ابتدا"

اواخر ۱۸۷۱ء میں نیتشے کی کتاب "غمناک ناٹک کی ابتدا"[۱] شائع ہوئی۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ یونانی فنون اور بالخصوص غمناک ناٹکوں کی کنہ کو پہلے سے زیادہ پہنچا جائے، اور یہ شوپن ہاؤئر کے فلسفے کے ذریعے سے ہوسکتا ہے۔ سے یہ امید تھی کہ واگنر اپنی صنعت کے ذریعے سے اس قسم کے موسیقی ناٹکوں و از سرِ نو زندہ کرے گا، اور اسے یقین تھا کہ شہر Bayreuth بائے رؤیت سے جہاں واگنر نے اپنی تخلیقی سرگرمیاں شروع کر دی تھیں جرمن تہذیب و تمدن کی تجدید ہوگی۔

---

[۱] پورا نام جرمن میں DieGeburt.der Tragodie aus demGeiste der Musik جس کا ترجمہ ہے "روح موسیقی سے غمناک ناٹک کی ابتدا"

۱۸۷۰-۷۱ء کی جنگ کا اثر جرمن تہذیب پر

نیتشے کا یہ خیال تھا کہ جو فتوحات جرمنوں کو ۱۸۷۰-۷۱ء میں فرانسیسیوں کے خلاف حاصل ہوئی ہیں ان کی وجہ سے جرمنوں کی تہذیب سطحی اور کھردری ہو جائے گی۔ لہٰذا اس کی آیندہ تصانیف کا یہ مقصد ہو کہ وہ تہذیب کی چھان کرے اور بنی نوع انسان کو اصلی تہذیب و تمدن کی طرف ہدایت کرے۔ لیکن اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے اس کا بھی وہی اصول تھا جو شوپن ہاوئر کا، یعنی عوام سے قطع نظر کر کے محض خواص کا خیال رکھا جائے۔ اس کے عندیے میں انسان کا آخری مقصد یہ ہو کہ اعلیٰ قسم کے لوگ پیدا ہوں، نہ یہ کہ زیادہ سے زیادہ تعداد کو زیادہ سے زیادہ خوش وقتی بہم پہنچائی جائے، جس کا اظہار اس نے بار بار "زردشت" میں بھی کیا ہو۔ اس زمانے میں انگریزی اخلاقیات کا مقصد جو جرمنی میں بہت مقبول تھی یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ تعداد کو زیادہ سے زیادہ خوش وقتی بہم پہنچائی جائے۔ نیتشے کے ذہن میں اگر

عوام الناس کی تین اہمیتیں

عوام الناس کی کچھ اہمیت ہو تو محض تین حیثیتوں سے: "ایک تو یہ کہ وہ بڑے لوگوں کی مٹی ہوئی تصویریں ہیں جو بوسیدہ تختیوں سے خراب کاغذ پر اتاری گئی ہیں۔ دوم بحیثیت بڑے لوگوں کی مخالفت کے اور سوم بلحاظ بڑے لوگوں کے اسلحہ ہونے کے۔ اس کے علاوہ ان کی جگہ محض شیطان کے پاس ہو یا مردم شماری کے دفتر میں۔"

ہمارے مدارس کا مستقبل

جو لکچر اُس نے ۱۸۷۱-۷۲ء میں بازل میں "ہمارے مدارس کے مستقبل" کے موضوع پر دیے ہیں ان سے بھی یہی طرف داریِ خواص پائی جاتی ہو۔ اس کے خیال میں وہ اعلیٰ مدارس، جن کی تعداد آئے دن بڑھ رہی ہو اور جن میں حکومت ہر ما و شما کو جھونکتی چلی جاتی ہو، تعلیم گاہیں ہی نہیں اس کے خیال میں یہ بھی تعلیم کی سخت غلطی ہو کہ نوجوانوں کو تاریخی مواد حد سے زیادہ

گھول کر پلا دیا جائے اور اس قماش کے تعلیم یافتہ لوگوں کو، جو اپنے علم پر مغرور ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو کُل ماضی سے اعلیٰ وارفع تصوّر کرتے ہیں، نیتشے "عالمِ خشک" کے طنز آمیز نام سے یاد کرتا ہو۔ لہٰذا نیتشے اپنے آپ کو دن دونا رات سوایا اپنے زمانے اور اس کے جمہوری میلان وطرزِ تعلیم وتربیت کے مخالف اور متضاد پاتا ہو۔ چنانچہ اس کی تصانیف Darid Strauss داوِید شتراؤس" فائدہ ونقصان علم التاریخ برائے حیات[۱]"، "شوپن ہاؤر بحیثیت تربیت دہندہ[۲]" "رشرد واگنر بارے روٗیت ہیں[۳]" اسی نظریے پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۸۷۶ء میں بوجہ علالت کے وہ اس بات پر مجبور ہوا کہ ایک سال کی چھٹی لے۔ لیکن اس کی بیماری روز بروز بڑھتی گئی، اس لیے دوسرے سال اس نے پنشن لے لی، اور بازل یونیورسٹی اسے مرتے دم تک تین ہزار فرانک سالانہ پنشن دیتی رہی، اگرچہ وہ اس بات کے لیے مجبور نہ تھی، کیوں کہ نیتشے نے قبل از وقت ملازمت سے دشت کشی کی تھی۔ جرمنی اور سوئٹزرلینڈ میں اب تک یہ دستور ہو کہ معلّمین کو زمانہ معلّمیت کے ختم ہونے کے بعد بھی مرتے وقت تک پوری تنخواہ دی جاتی ہو۔ پنشن یعنی تنخواہ کا ایک جز نہیں دیا جاتا اور ان کا عہدہ بھی وہی لکھا جاتا ہو جو درس وتدریس کے وقت تھا۔ اس پنشن کے ملنے کی وجہ سے نیتشے کو طلب معاش کی طرف سے اطمینان ہو گیا اور اس نے اپنا وقت ان کتابوں کی تصنیف میں گزارا جس سے اس وقت تک دنیا کو بے حد وحساب فائدہ پہنچ چکا اور پہنچ رہا ہو اور پہنچے گا۔

---

[۱] Vom Nutzen und Nachteil der Historie für das Leben

[۲] Schopenhauer als Erzieher

[۳] Richard Wagner in Bayreuth

گزارا۔

نیتشے اٹلی میں | بازل چھوڑنے کے بعد اس نے قریب قریب سارا وقت اٹلی میں گزارا۔
جوں ہی اس نے لسانیات سے علیحدگی اختیار کی اور فلسفے کی طرف مائل ہوا

شوپن ہاوئر اور واگنر سے کنارہ کشی | اسی وقت سے شوپن ہاوئر اور واگنر سے قطع تعلق
ہوتا ہے۔ اور یہاں سے اس کی زندگی کا دورِ اوّل ختم ہوتا ہے اور دورِ دوم

دورِ دوم | شروع ہوتا ہے۔ اور دورِ سوم "زردشت" سے شروع ہوگا۔ اس کا ذکر آئندہ
چل کر آئے گا۔

اگرچہ نیتشے میں دوستی کا پاس بہت زیادہ تھا اور اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ حقِ دوستی آخری دم تک ادا کیا، تاہم چوں کہ اس کی عزلت گزینی روز بروز بڑھتی جاتی تھی اس کے دوستوں کو بھی اس کی دماغی ترقی اور عروج کا اندازہ ذاتی طور پر نہ ہو سکتا تھا، اگرچہ باہم خط و کتابت کافی تھی۔

اس اندرونی تغیر کا کتابی ثبوت ہمیں اس کی کتاب "انسانیت، بے حد انسانیت (آزاد خیالوں کے لیے ایک کتاب)" "Meuschliches, Allzumeuschliches (Ein Buch für freie Geister)" سے ملتا ہے جو ۱۸۷۸ء میں شائع ہوتی۔ دورِ اوّل میں نیتشے اس بات کو تسلیم کرتا تھا کہ ماورائے عالمِ ادراک کوئی سببِ مطلق ہے اور اس کو وہ شوپن ہاوئر کے "عزم" سے مرادف سمجھتا تھا، لیکن دورِ اوّل کے بعد وہ اس قسم کے کسی "مطلق" کا قائل نہ رہا۔ اس کے خیال میں اگر کوئی چیز واقعہ ہے تو وہ Kant کا "عالمِ تجربہ" اور "عالمِ مظہرات" یا شوپن ہاوئر کا "عالمِ تصوّر" اور بس۔ اسی وجہ سے مذہبِ عیسوی جو ماورائے عالمِ تجربہ حکومت کرنے والی الوہیت پر اور حیاتِ ابدی پر اور آخرت پر اعتقاد رکھتا ہے اس کے ذہن میں خام خیالی ہے۔ اور جب وہ اس مذہب سے دل برداشتہ ہوا تو وہ عیسوی اخلاق کو بھی جس کا اس مذہب سے چولی دامن کا ساتھ ہے، بے حد

شک کی نظر سے دیکھنے لگا۔ ان باتوں کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اس کا جو خیال دورِ

ادراکی اور اخلاقی نقطۂ نظر

اوّل میں قدرتی چیزوں کے متعلق تھا وہ اور پختہ ہوتا گیا ادراکی نقطۂ نظر کا جو اخلاقی نقطۂ نظر کے منافی ہی یہ اثر ہی کہ وہ انسان کو بھی اخلاق سے علیحدہ کرکے دیکھتا ہی اور زندگی کی قدرتی رفتار کو اہم ترین درجہ عطا کرتا ہی۔ اس قدرتی رفتار کو اہم ترین درجہ دینے کا یہ نتیجہ ہوتا ہی کہ انسان کو جبر و قدر کا قائل ہونا پڑتا ہی اور اس اختیار، یعنی آزادیٔ عزم کا مخالف بننا پڑتا ہی جو عام طور سے انسان کی طرف منسوب کیا جاتا ہی۔ دورِ اوّل میں نیتشے کے دماغ میں صاحبِ علم اور صاحبِ فن علیحدہ علیحدہ اپنی اہمیت رکھتے تھے۔ مگر اب اس دورِ ثانی میں وہ دونوں کو لازم و ملزوم کر دیتا ہی۔ اس کا یہ جملہ قابلِ غور ہی :۔

"صاحبِ علم محض ترقی یافتہ صاحبِ فن ہی"

"انسانیت بے حد انسانیت" کا دفتر دوم

سنہ ۱۸۷۸-۷۹ء میں جب کہ وہ بہت بیمار تھا اس نے اپنی کتاب "انسانیت، بے حد انسانیت" کا دوسرا دفتر شایع کیا۔ اس کے بعد اس کی تندرستی بہتر ہوتی گئی، جسمانی بھی اور روحانی بھی۔ اور اس تندرستی کے ساتھ ساتھ اس کا نظریۂ نفی اثبات سے بدل گیا۔ اس کے بعد جو کتاب اس

"شفقِ صبح"

نے سنہ ۱۸۸۱ء میں شایع کی اور جس کا نام اس نے "شفقِ صبح" (Morgenrote) رکھا ہی اس کے نام ہی سے اس کے تبدیلِ خیالات کا پتا چلتا ہی۔ اس کتاب کے متعلق خود نیتشے لکھتا ہی: "یہ ایک فیصلہ کن کتاب ہی ایک قائلِ اثبات کتاب، گہری مگر روشن اور مہربان"۔

یہی حالت اس کی دوسری کتاب کی ہی جو "شفقِ صبح" کے بعد سنہ ۱۸۸۲ء میں چھپی اور در اصل اسی کا دوسرا دفتر ہی، مگر نیتشے نے اُس کا نام "علومِ دل خوش کن" Die frohliche Wissenschaft رکھا۔ ان

کتابوں میں اس نے ان تمام کوششوں کی سخت تردید کی ہے جو دوسرے لوگوں نے اخلاق کو مذہباً ثابت کرنے یا اس کو ایک ایسا قانون ماننے کی ہے جو کسی ماورائے ادراک ہستی نے ہمارے اوپر نافذ کیا ہے۔ نیتشے نے اپنا یہ اصول قایم کیا ہے کہ یونانی فلاسفر ایپکیور Epikur کی طرح بنی نوعِ انسان کو مافوق الادراک عالم کے اعتقاد کے بوجھ سے سبک دوش کرے۔ اس کے خیال میں مذہبی اعتقادات عالمِ ادراک ہی کے تصورات کا مجسمہ ہیں، لیکن وہ دنیاوی زندگی کی مسرت کو زہر آلود کر دیتے ہیں اور اپنے وجود کو گناہ اور عذابِ آخرت کے تخیلات کی وجہ سے بھیانک بنا دیتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کو بھی اچھی طرح محسوس کرتا ہے کہ نفسِ انسانی کا مذہبی اخلاق کے تصور سے عہدہ برا ہونا کس قدر مشکل کام ہے، کیوں کہ وہ اس جماعت کے رگ وپے میں پیوست ہو چکا ہے جس میں ہم بڑھے پلے ہیں اور جس کے اثرات نے ہمارے ضمیر کی نشو ونما میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ لہٰذا ہر فردِ بشر کے لیے یہ مرحلہ بہت مشکل ہو گیا ہے کہ وہ اپنے لیے ایک نیا راستا نکالے۔

اس آخری کتاب میں بھی علوم کا احترام وہی پایا جاتا ہے جو "انسانیت، بے حد انسانیت" میں ہے۔ نیتشے علوم کی مشکل پسندی کی مدح سرائی کرتا ہے اور یہ تسلیم کرتا ہے کہ جو شخص اس کا عادی ہو جائے اس کے لیے کسی اور فضا میں زندگی بسر کرنا ممکن نہیں "بجز اس روشن شفّاف قوی اور برق آلود ہوا کے، جو معرفت انسانی کی مردانہ ہوا ہے"۔ لیکن نیتشے کا یہ مسلک نہیں کہ وہ حیات میں ذریعۂ معرفت تلاش کرے بلکہ معرفت میں ذریعۂ حیات۔ اس کتاب میں وہ علیسویت کے خلاف جنگ کو قایم ودایم رکھتا ہے اور اسے وہ فنوبن ہاوئر کی آنکھ سے بحیثیت ایک ہمدرد، کم زور اور منافیِ حیات مذہب کے دیکھتا ہے لیکن

یہاں بھی اُسے ایسے لمحات پیش آتے ہیں جس طرح اخلاق کے خلاف جنگ میں آئے ہیں اور جن میں وہ قدیم ترین اور قوی ترین طاقتوں کے خلاف اپنی بہادری اور جرأت کو دیکھ کر خود کانپنے لگتا ہے۔ لہٰذا وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس واقعے کی اہمیت کہ "خدا فوت ہو چکا ہے" ایک متوسّط درجے کے دہریے کے خواب و خیال میں بھی نہیں آتی۔ لیکن وہ اس بات سے مایوس نہیں ہوا ہے کہ جوں جوں مذہب برباد ہوتا جائے گا انسان برتر ہوتا جائے گا۔

"بقول زرُدشت"

اب ہم اس کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کے لیے یہ دیباچہ لکھا گیا اور جو نیٹشے کے تمام انکشافات اور تجربات اور تعلیمات کا نچوڑ ہے، جس کی تمہید وہ ساری کتابیں ہیں جو اس نے اس سے پہلے لکھی ہیں اور جس کی تشریح و تفسیر اس کی تمام بعد کی تصنیفات ہیں۔ "بقول زردشت" محض بلحاظ ایک فلسفی کتاب ہونے ہی کے اعلیٰ رتبہ نہیں رکھتی بلکہ اگر جرمن ادب کی معدودے چند کتابیں انتخاب کی جائیں جو فلکِ رفعت پر نورانی ستارے بن کر لوگوں کی آنکھوں کو چکا چوند کرتی ہیں تو ان میں سے ایک "بقول زردشت" بھی ہوگی۔ مشکل سے کوئی کتاب ایسی ملے گی جس میں شروع سے لے کر آخر تک وہ زورِ بیان اور قدرتِ کلام پایا جائے جو اس کتاب میں ہے۔

بہترین فلسفی اور ادبی کتاب

اگرچہ نیٹشے نے تمام اخلاقیات کا قلع قمع کر دیا اور آخر دم تک ان کے خلاف برسرِ پیکار رہا لیکن اس کے معنے یہ نہیں ہیں کہ اس نے بنی نوعِ انسان کو بدچلنی کی تعلیم دی یا خود اوباشانہ زندگی بسر کی۔ برخلاف اس کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس کی زندگی پاک و صاف

ردِّ اخلاقیات عیسوی بدچلنی کی تعلیم نہیں

نیتشے کا اعلیٰ اخلاق

اور شریفانہ اور اعلیٰ درجے کی گزری ہی۔ اس کا مقصد یہ ہو کہ جو اخلاقیات مذہبِ عیسوی اور تمدن نے صدہا سال سے قایم کر رکھی ہیں وہ انسان کو بجائے بلندی کی طرف لے جانے کے پستی میں گراتی ہیں اور بجائے اشرافانہ ذہنیت قایم کرنے کے غلامانہ ذہنیت پیدا کرتی ہیں۔ لہٰذا اُن قیمتوں پر جو اخلاقیات کی جدول پر مرقوم ہیں نظرِ ثانی کرنے، بلکہ ان کو بالکل بدل دینے کی ضرورت ہو۔ ان تبدلات کے بعد جس منزل پر انسان پہنچے گا اس کو نیتشے نے "فوق البشر" سے تعبیر کیا ہو اور اس کتاب میں اسی "فوق البشر" کے وجود میں آنے کا فلسفہ زیرِ بحث ہی۔

نظریۂ ڈاروِن پر اضافہ فوق البشر

نیتشے کا یہ نظریہ ڈاروِن Darwin کے نظریے کا تسلسل اور اس کی تکمیل ہو۔ ڈاروِن یہ کہتا ہو کہ ہر حیوان نے اپنے سے بڑھکر ایک جنس پیدا کی ہو۔ وہ درجۂ اسفل کے حیوانات سے شروع کرتا ہو اور انسان پر پہنچ کر ختم کر دیتا ہو۔ نیتشے نے اس پر اضافہ یا تکمیل یا ترمیم یہ کی ہو کہ "لہٰذا انسان کو بھی اپنے سے بڑھکر ایک جنس پیدا کرنی چاہیے" جس کو وہ "فوق البشر" کے نام سے موسوم کرتا ہو۔ اور اس سارے فلسفے کو نیتشے زردشت کے منہ سے بیان کرتا ہو۔ یہ زردشت خود نیتشے ہو اور "فوق البشر" خود نیتشے کا مقصدِ زندگی۔

زردشت نیتشے ہی

"زردشت" کے چار دفتر

"بقول زردشت" میں چار دفتر ہیں۔ پہلے نیتشے نے اسے تین دفتروں میں ختم کر دیا تھا۔ مگر بعد کو اس نے چوتھے دفتر کا اضافہ کیا، جس کو اُس نے اگست ۱۸۸۴ء میں شروع کیا اور کئی وقفوں کے بعد فروری ۱۸۸۵ء میں ختم کیا۔ اس کے دفترِ اوّل کی تصنیف کے متعلق خود نیتشے کے الفاظ یہ ہیں:

"۱۸۸۲-۸۳ء کی سردیوں میں مَیں اٹلی میں تھا اور ریالو Rapallo کی

زردشت کے دفترِ اوّل کی تصنیف | خلیج میں مقیم تھا۔ میری تندرستی اچھی نہ تھی۔
سردی سخت تھی اور بارش بجید۔ رات کو نیند نہیں آتی تھی۔ غرض کہ
ساری باتیں ناموافقِ طبیعت تھیں۔ باوجود اس کے، بلکہ شاید اسی
وجہ سے، اور میرے اس مقولے کے ثبوت میں کہ ہر فیصلہ کن امر
"باوجود اِن تمام باتوں کے" ظہور میں آتا ہو، یہی سردیاں تھیں
اور یہی ناموافق سامان تھے جب کہ میرے "زردشت" کی بنیاد پڑی۔
صبح کے وقت میں اس سڑک پر جنوب کی جانب سیر کیا کرتا تھا جو
Zoagli کو جاتی ہو اور سہ پہر کے وقت جب کبھی میری تندرستی
مجھے اجازت دیتی تھی تو میں Santa Margherita سنتا مارجرِیتا
کی خلیج میں چہل قدمی کیا کرتا تھا یہاں تک کہ میں پورٹو فینو
Portofino پہنچ جاتا تھا۔ قیصر فریڈرِچِ ثالث کو اس مقام
اور اس سبزہ زار سے بڑی محبّت تھی، اسی لیے میں بھی ان کو دل سے
عزیز رکھتا تھا۔ اتفاقاً ۱۸۸۶ء کے موسمِ خزاں میں میں دوبارہ
اسی ساحل پر تھا جب قیصرِ موصوف نے خوش وقتی کی اس
فراموش شدہ چھوٹی سی دُنیا کی آخری بار سیر کی تھی۔ یہی وہ راستے
تھے جن میں "زردشت" کے دفترِ اوّل کے مضامین میرے دل میں
آئے تھے اور خود زردشت بھی۔ اور اُسی نے مجھے وہاں آدبوچا
تھا۔"

اس کے بعد وہ نہایت جوشیلے الفاظ میں بیان کرتا ہو کہ اسی کی تصنیف
کے وقت اُسے الہام کا بارِ اوّل تجربہ ہوا، اسے یہ محسوس ہوا کہ "میں خود کچھ نہیں
بلکہ بجید قوی طاقتوں کا محض اوتار یا زبان یا آلہ ہوں۔"

باقی دفتروں کی بھی کم و بیش یہی حالت ہی۔ چنانچہ وہ اپنے ایک دوست گسٹ Gast کو ۱۳ جولائی ۱۸۸۳ء کے خط میں حسب ذیل لکھتا ہی:۔

"جب میں گرمیوں میں اس پاک جگہ پر پہنچا جہاں زردشت کا تصور پہلے پہل مجھے ہوا تھا (یعنی بمقام زِلتس ماریا Silz-maria ۱۸۸۱ء کے اگست میں) تو وہیں میں نے دوسرا زردشت بھی پایا۔ دس دن کافی تھے۔ اس سے زیادہ نہ پہلے دفتر میں لگے اور نہ تیسرے اور آخری میں۔"

اس سے یہ بھی پتا لگتا تھا کہ بارِ اوّل نیتشے نے اس کتاب کو تیسرے دفتر پر ختم کر دیا تھا۔ چوتھے دفتر کے اضافہ کرنے کا خیال اسے بعد میں آیا ہو جیسا کہ اوپر مذکور ہی۔

تناسخِ مسلسل نیتشے نے زردشت کو محض "فوق البشر" ہی کا مبلّغ نہیں قرار دیا بلکہ "تناسخِ مسلسل" کا بھی معلّم ٹھیرایا ہی۔ فلسفہ قدیم کو پڑھکر اسے اس بات کا علم تو ہوگا کہ نظامِ عالم بجد و حساب طویل مدّت کے بعد بار بار لوٹ کر آیا کرے گا۔ مگر اس کی بے انتہا اہمیت کا علم اسے "زردشت" کی تصنیف کے زمانے میں ہوا۔ نیتشے اس خیال پر پہنچا ہی کہ زمانہ ایک مدّت کے بعد، خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، اپنی تمام ممکن ترتیبیں ختم کر چکا ہوگا اور اس کے بعد پھر وہی گزشتہ ترتیبیں ازسرِنو شروع ہوں گی۔ اور اس نظام کا اعادہ بجد و حساب بار بار ہوتا رہے گا۔

جس وقت وہ "فوق البشر" کے نظریے کا جوڑ توڑ کر رہا تھا اس وقت سے اس مسئلہ تناسخ کی وجہ سے سخت مشکل درپیش ہوئی ہوگی۔ یہاں اس مسئلے کی تحقیق کا موقع نہیں ہی کہ زردشت کے یہ دونوں نظریے کہاں تک ایک دوسرے سے موافقت کھاتے ہیں۔ لیکن یہ ضروری ہی کہ نیتشے کے عقیدے

ہیں ان دونوں نظریوں میں ایک قسم کی یگانگیت ضرور تھی۔

یہ ضرور ہو کہ جو لوگ "فوق البشر" کو سمجھتے اور اس کے مطابق عمل کر سکتے ہیں ان کے لیے "تناسخ مسلسل" کا مسئلہ نہایت دل سوز و جانکاہ ہو، کیوں کہ اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ دنیا کے تمام آلام و تکالیف اور اذیتیں اور مصیبتیں بار بار آتی رہیں گی، اور "چھوٹا انسان" بھی ہر پھر کر پھر پہنچ جائے گا۔ لہٰذا انسان میں بڑی ہمت اور بہادری درکار ہو تاکہ ان مصیبتوں کا سامنا کرنے کے لیے وہ آمادہ رہے۔ اور نیتشے کا یہ خیال ہو کہ کم اور اور بزدل روحیں اس بھاری بوجھ کے نیچے دب کر پس جائیں گی۔ اسی وجہ سے زردشت کی بھی ہمت نہیں پڑتی کہ وہ اس نظریے کو صاف صاف اور کھلم کھلا اپنے شاگردوں کے سامنے پیش کرتا ہے، اگرچہ ابتدا میں اس نے اسے بڑے زور شور سے شروع کیا تھا۔

تناسخ مسلسل عیسویت کا نعم البدل | نیتشے کے خیال میں تناسخ مسلسل عیسویت کے بھی دائمی ہونے کا نعم البدل ہو، کیوں کہ وہ بھی مع اپنے غلامانہ اخلاق کے بار بار دنیا میں آتی رہے گی۔ اس کے متعلق نیتشے ایک بار یوں لکھتا ہو :-

"اگر تم اس لاکھ خیالوں کے ایک خیال کو اپنے اندر جذب کر لو، تو وہ تمھیں کچھ کا کچھ بنا دے گا۔ ہر بات کے متعلق یہ سوال کہ کیا میں اس کو بے شمار مرتبہ کرتا رہوں گا بڑی بھاری بھر کم چیز ہو ہمیں چاہیے کہ ہمیشگی کے خیال کی تصویر ہم اپنے دماغ پر اُتار لیں۔ اس خیال کے اندر وہ اہم بات ہو جو تمام مذاہب میں مل کر بھی نہیں ہو، یعنی ان مذاہب میں۔ جو اس زندگی کو سطحی اور سرسری سمجھ کر نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور سرسری موہوم زندگی کو نظرِ اشتیاق سے دیکھنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ نامعلوم اور بعید از قیاس برکتوں اور رحمتوں اور ثوابوں کی طرف نہ دیکھنا چاہیے، بلکہ اس طرح زندگی بسر کرنا چاہیے کہ گویا ہم دوبارہ بھی اسی زندگی کو بسر

کرنا چاہتے ہیں اور اسی طرح ابدالآباد تک زندگی بسر کرتے رہیں گے۔"

نیتشے کہتا ہے کہ عیسویت کا یہ اعتقاد کہ ابدالآباد دوسری دنیا میں ہے اس زندگی کی اہمیت کو زائل کر دیتا ہے اور ساری قوت اور اہمیت دوسری دنیا کی طرف مبذول کر دیتا ہے۔ اس کی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ دوسری دنیا کی بہ نسبت اخلاقیات کا تعلق اس موجودہ زندگی سے بدرجہ اعلیٰ وارفع ہے: "یہ زندگی، تیری دائمی زندگی!"

فلسفی خیالات شاعرانہ جامہ

"بقول زردشت" میں اس نے فلسفی خیالات کو شاعرانہ جامہ پہنایا ہے اور کتب الہامی کا طرزِ تحریر اختیار کیا ہے۔ اگر ایک جملے میں بربنائے اختصار دو چار لفظ حذف کیے جا سکتے ہیں تو کر دیے گئے ہیں اور قارئین پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ باقی ماندہ الفاظ سے کل مفہوم سمجھیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس اگر ایک مضمون کے ادا کرنے کے لیے دس پانچ جملوں کی ضرورت پڑتی ہے، مگر دو چار جملے کم کر دینے سے بھی وہ مضمون مصنف کے خیال میں ادا ہو جانا چاہیے، خواہ پڑھنے والوں کو اس کے سمجھنے میں کسی قدر دقت کا سامنا کیوں نہ ہو، تو وہ دو چار جملے بھی چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ یہ بھی بعض الہامی کتابوں کا خاصّہ ہے کہ بعض مضامین کے ادا کرتے وقت خوبصورتی کے لیے کسی خاص جملے کا بار بار اعادہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن میں "فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَان"، وغیرہ۔ "زردشت" میں بھی کئی جگہ اس قسم کی تکرار موجود ہے مثلاً ملاحظہ ہو دفتر سوم میں "واپسی وطن" کے باب کے تحت میں اس فقرے کا بار بار اعادہ کیا گیا ہے "ان کے یہاں ہر چیز بک بک کرتی ہے" اور اس تکرار سے ادائگیِ مضمون میں جان پڑ گئی ہے۔ خواہ یہ امر قصداً ہو یا بلا قصد، لیکن زردشت میں قرآن کے طرزِ بیان کی تقلید پائی جاتی ہے۔

تقلید قرآن

اوپر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ نیتشے کی زندگی یا یوں کہیے کہ اس کے خیالات کے طرزِ ادا کی بنا پر اس کی تحریریں تین زمانوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں، اور یہ تیسرا دور اسی کتاب "بقول زردشت" سے شروع ہوتا اور آخر عمر تک قایم رہتا ہے۔

تینوں دوروں کی تفصیل، دورِ اوّل | دورِ اوّل، جیسا کہ مجملاً بیان کیا جا چکا ہے، "غمناک ناٹک کی ابتدا" سے شروع ہوتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں نیٹشے نے سرِ تسلیم شوپن ہاؤئر اور رِچرڈ واگنر کے آگے خم کیا ہے اور ان دونوں کو اپنا روحانی استاد مانا ہے۔ اس دورِ اوّل میں وہ اپنے خیالات کو اپنے ہم عصروں کی حالت سے مطابقت دیتا ہے۔ وہ بازار میں جاکر کھڑا ہوتا ہے اور اپنے خیالات کو ان چیزوں سے وابستہ کرتا ہے جو اس کے آس پاس ہیں۔ وہ اپنے تصوّر میں اپنے سامعین پیدا کرتا ہے جو درحقیقت معدوم ہیں۔ اس کا جو اثر سامعین پر پڑتا ہے وہ اس کے لیے اطمینان بخش نہیں، لہٰذا وہ ان سے دل برداشتہ ہو جاتا ہے، اپنا منہ ان کی طرف سے پھیر لیتا ہے اور مثل زردشت کے وہ اپنے دل سے کہتا ہے: "میں ساری قوم کو اپنی باتیں نہیں سناتا، بلکہ مخصوص ساتھیوں کو، ایسے ساتھیوں کو جو تیری فرماں برداری کریں، کیوں کہ وہ خود اپنی فرماں برداری کرنا چاہتے ہیں!" یہ دور تقریباً ۱۸۷۶ء تک جاری رہتا ہے۔

دورِ دوم | دوسرا دور تقریباً چھ سال کا ہے۔ وہ "انسانیت۔ بے حد انسانیت" سے لے کر "دل خوش کن علوم" تک گیا ہے اور ۱۸۸۲ء میں ختم ہوتا ہے۔ اس کی اس دور کی تصانیف خود اس کے لیے مخصوص ہیں۔ وہ اس کی پروا نہیں کرتا کہ روزانہ کے پڑھنے والے کن کن ادبی صنعتوں کو پسند کرتے ہیں۔ وہ گنتی کے عدیم المثال لوگوں کو اپنے تصوّر میں ایجاد کرتا ہے اور ان کو اپنا سامعین بناتا ہے۔ وہ ان خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنا دیتا ہے جو اس کے غیر متناہی علم اور تجربہ کی بنا پر اس کے دماغ میں آتے ہیں اور جن کی تکمیل کا شوق اس کے دل میں اک آگ سی لگا دیتا ہے۔ اس کا مقصد کتابوں کی تعمیر نہیں۔ وہ کہاوتیں اور مقولے تحریر کرتا ہے جو ایسے شاہکار ہیں جن کا جواب زبان اور طرزِ تحریر کے لحاظ سے ناپید ہے۔ ان ٹکڑوں کو وہ چھاپے خانے کے حوالے کر دیتا ہے، نہ اس مقصد سے کہ وہ اپنے لیے پڑھنے والے تلاش کریں بلکہ اس لیے کہ اس کا پیچھا ان سے

چھوٹے، وہ اس کے دماغ سے نکل جائیں اور نئے خیالات کے لیے جگہ دیں، تاکہ اس کا
وقت اس میں ضایع نہ ہو کہ گزشتہ تحریروں میں اور کیا گھٹانا بڑھانا چاہیے۔ اس نے
اپنی پرانی تحریروں کو بہت کم دوبارہ پڑھا ہی۔ ہر بات میں اس کا عقیدہ یہی رہا ہی کہ آگے
نظر دوڑاؤ، پیچھے پھر کر نہ دیکھو!

دورِ سوم | تیسرا دور زردشت کے تخیل و تصوّر کا زمانہ ہی جو "بقول زردشت" سے
شروع ہوتا ہی اور آخر وقت تک قایم رہتا ہی اور دور زردشتیت سے موسوم کیا جا سکتا
ہی۔ اس دور کی روحِ رواں "بقول زردشت" ہی اور اس کے بعد کی جتنی کتابیں ہیں وہ
اسی کی تشریح و تفسیر ہیں۔ محض یہی نہیں بلکہ "زردشت" سے پہلے کی تصانیف بھی ایک
زینہ ہیں جو اسی زردشتیت کی طرف لے جاتی ہیں۔ اور یہی اہمیت ہی "زردشت" کی
کہ وہ نیتشے کے سارے فلسفے کا لبِ لباب ہی، اور وہ لب لباب یہ ہی: ایک "فوق البشر"
دوسرا "تناسخ مسلسل" تیسرا عیسویت کی مخالفت اور چوتھا جمہوریت کے خلاف
اشراقیت کی تائید۔ اس دور کی پہچان یہ ہی کہ اس میں نیتشے کا اعتماد اپنے اوپر مکمل
ہو چکا ہی اور اس نے اپنا تمدّن علیحدہ سے قایم کر چھوڑا ہی جس کا علم اب تک محض معدودے
چند آدمیوں کو تھا۔

جمہوریت کے خلاف اشراقیت کی تائید تینوں دوروں میں پائی جاتی ہی۔ اور
جہاں کہیں بھی اسے یہ جمہوریت نظر آتی ہی، خواہ اخلاق عیسویت میں جو آج کل برسرِ اقتدار
ہی، یا معاشرتی زندگی میں، یا ادبیات اور فنیات میں، وہیں وہ اسے

جمہوریت کی تردید اور اشرافیت کی تائید | اپنی مخالفت کا نشانہ بنا لیتا ہی۔ جمہوریت میں اسے قوم کے تنزل کی
نشانیاں دکھائی دیتی ہیں بالخصوص اعلیٰ خیالات اور راہبر لوگوں کے مفقود ہونے کی
نشانیاں۔ اس کے خیال میں بجائے طبقۂ اوّل کے طبقہ سوم یا چہارم کے ذریعے سے قوم
کی اصلاح کرنا، یا آزادیِ نسواں کے ذریعے سے مردوں کو ترقی یافتہ بنانے کی کوشش

کرنا سخت نقصان دہ خبط الحواسی ہے۔ طبقۂ اسفل کی خاطر طبقہ اعلیٰ کی بے حرمتی کرنے سے طبقہ اسفل کو کوئی عروج حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ ان کے لیے اور زیادہ انحطاط کا باعث ہوتا ہے۔ یہ انسانِ اعلیٰ کا کام ہے کہ وہ اپنے زمانے کے لیے مواد روحانی و دماغی بہم پہنچائے۔ اگر ایسے لوگ موجود نہیں ہیں تو قوم کی قوم بے سر و بے مقصد ہو جائے گی۔ عوام کے لیے یہ امکان نہیں ہے کہ وہ از خود اعلیٰ قوانین ایجاد کریں۔ دس بیوقوف مل کر ایک عقلمند نہیں بن سکتے۔ ان کا دائرۂ خیالات محض اس حد تک محدود رہتا ہے کہ وہ زندگی کے لیے سامانِ عیش و آرام مہیا کریں۔ مگر اس کے آگے دماغی اور روحانی ارتقا کے اسباب پیدا کرنے سے وہ قاصر ہیں۔ وہ چیز جو آج کل اقوام کے جذبات کو متحرک کر سکتی ہے محض جنگ ہے۔ مگر سامانِ جنگ اور دیگر اسلحہ وہی نہیں جو آج کل مروج ہیں، بلکہ ان کے علاوہ اور اعلیٰ و ارفع سامان بھی ہیں جو نیتشے نے "زردشت" اور دیگر تصانیف میں دکھائے ہیں۔

عام تعلیم کی مضرت نیتشے نہ تو عوام الناس کو مخاطب کرتا ہے اور نہ فی الحال ان کو چھیڑ کر درہم برہم کرنا چاہتا ہے، حتّٰی کہ وہ موجودہ زمانے کے اس جنون کو کہ عوام اپنی قابلیت اور ضرورت سے زیادہ تعلیم حاصل کریں نقصان دہ تصوّر کرتا ہے، کیوں کہ ایسا فعل قوم کی قوّت کو زائل کر دیتا ہے۔ ان خیالات کو وہ خاص کر "زردشت" کے باب "لکھنا پڑھنا" میں پیش کرتا ہے۔

طبقہ اعلیٰ کی تخلیق نیتشے کا مقصد خاص کر یہ ہے کہ قوم کے اوپر ایک ایسا طبقہ پیدا کیا جائے جن کی دماغی اور روحانی قوّت اس درجہ عروج یافتہ ہو کہ محض ان کا وجود ہمارے زمانے کی مایوسانہ اور عامیانہ ذہنیت کو معدوم کر دے۔ وہ ایسا راہبر اور راہنما طبقہ ہو جس کا مقصدِ حیات تکمیل عیش و آرام نہ ہو اور جس کا مطمحِ نظر پڑھا لکھا آدمی نہ ہو بلکہ ایک ٹھوس صاحبِ عمل و عزم ہو، الغرض یہ کہ ایک سورما طبقہ پیدا کیا جائے، نئے قسم کے اشراف۔ اس کا بہترین نمونہ زردشت کی تعلیم "فوق البشر" میں پایا جاتا ہے۔ مگر اس کو اچھی طرح

سمجھ لینا چاہیے کہ یہ " فوق البشر " محض ایک رمز اور استعارہ ہی، جس کو مختلف استعداد کے لوگ مختلف معنے دے سکتے ہیں، جس طرح کہ لفظ " خدا " کا اطلاق مختلف اعتقاد والوں کے لیے مختلف ہی۔

زردشت خود نیتشے ہی

نیتشے کے خیال میں زردشت کا تصور ہمیشہ سے تھا۔ ہاں ، وہ بذاتِ خود زردشت ہی۔ تاہم اس امر کے لیے اسے ایک زمانہ لگا کہ وہ اس خیال کو کس صورت میں پیش کرے۔ بہت غور وخوض کے بعد اسے موجودہ شکل خاطر خواہ نظر آئی کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتا ہی اسے صیغہ غائب میں ادا کرے۔

زردشتیت کی ابتدا

زردشتیت کی ابتدا خود اس کی اولین تصانیف مثلاً " غمناک ناٹک کی ابتدا " وغیرہ میں پائی جاتی ہی۔ مگر یہ کتابیں جب پہلی بار شایع ہوئیں تو ان کا سمجھنا دشوار تھا بلکہ ناممکن۔ لیکن جب دوسری کتابیں یعنی " بقول زردشت " وغیرہ نکلیں تو اس وقت لوگوں کی سمجھ میں آیا کہ پرانی کتابیں کن خیالات کی حامل ہیں۔ اب ہماری سمجھ میں آتا ہی کہ اس وقت بھی نیتشے کے خیالات اور دماغ میں کس قدر وسعت اور گہرائی تھی اور یہ اس کا خیال کس قدر غلط تھا کہ وہ اس قدر وسیع اور عمیق خیالات کو محض اشارتاً کنایتاً بیان کرکے لوگوں کو سمجھا سکتا ہی۔ مثلاً اس کی تصنیف " شوپن ہاؤر بحیثیت مربی Schopenhauer als Erzieher ملاحظہ ہو۔ اس کتاب کا سارا مفہوم محض نیتشے کی زندگی ہی جیسی کہ وہ ہونی چاہیے اور بہت کم مقامات پر شوپن ہاؤر کی تصویر ہی جیسی کہ وہ فی الواقعہ تھی۔ شوپن ہاؤر کی ذات میں وہ کیفیات ہیں ہی نہیں جو نیتشے نے اس کی طرف منسوب کی ہیں۔ شوپن ہاؤر کا سب سے بڑا

" شوپن ہاؤر بحیثیت مربی

شوپن ہاؤر کا بڑا کارنامہ

کارنامہ یہ ہی کہ اس نے دنیا کی قوتِ محرکہ کو اہمیت دے کر محض دماغی اور علمی فلسفے کی قدر و منزلت بہت کم کر دی ہی لیکن اخلاقیات کا پہلو اس پر اتنا غالب ہی کہ وہ مذکورہ خیالات کی توسیع کرنے سے بالکل قاصر ہی۔ نیتشے کا مرکزِ نظر زندگی

کے متعلق بالکل جداگانہ ہے۔ وہ شوپن ہاوئر کی تنگی خیالات سے بالکل آزاد ہے اور نہ وہ اس کی اس لاپروائی اور مایوسی کا حامی ہے جس کے آگے کوئی مستقبل ہی نہیں اور جس سے کوئی نئی چیز تخلیق نہیں ہو سکتی۔ برخلاف اس کے "شوپن ہاوئر بحیثیت مربّی" میں نیتشے انتہا درجے کی زرخیزی کا ثبوت دیتا ہے اور یہ کتاب زردشتیت کی کان ہے جس میں اس کی معدنیات ابھی صاف ہو کر نکھری نہیں۔ خود "فوق البشر" کا ذکر بھی اس میں آیا ہے۔

نظامِ فلسفہ

بعض لوگ، جن کا خیال ہے کہ ہر فلسفی کا ایک نظام ہوتا ہے، نیتشے پر عدمِ نظام کا الزام دیتے ہیں۔ اس "نظام" کے متعلق نیتشے کا خیال ہے کہ وہ محض بے ایمانی ہے۔ جب وہ شوپن ہاوئر کے "نظام" اور شوپن ہاوئر کی "زندگی" کو پہلو بہ پہلو رکھ کر ان پر نظر ڈالتا ہے تو وہ اس پر ہنستا ہے۔ شوپن ہاوئر کے "نظام" کا اقتضا پارسائی ہے۔ مگر اس کی "زندگی"

"معاشی دانشمندی کے مقولے"

اخلاقِ پارسائی کے مخالف، جیسا کہ اس کی کتاب "معاشی دانشمندی کے مقولے" Maximen zur Lebensweisheit سے ثابت ہوتا ہے۔ یہاں یہ مغالطہ نہ ہونا چاہیے کہ نیتشے شوپن ہاوئر کے نظام کا مذاق اڑاتا ہے یا اس کی زندگی کا۔ بلکہ مذاق اڑانے کی وجہ دونوں کے درمیان عدمِ مطابقت ہے۔ نیتشے کی

نیتشے کی زندگی اور تعلیم میں یگانگت

زندگی اور اس کی تعلیم دونوں ایک ہیں۔ نظام جو اس کے عالمِ خیالات کی یگانگت کا نام ہے۔ اس کی جڑ اس کی فطرت و جبلت میں ہے۔ جس طرح سے کہ اس کا لفظ لفظ اس کی کیفیتِ روحانی کا آئینہ ہے اور اس کے خیالات کی جولانی اسی اعلیٰ روح کی حرکت کو جامہ پہناتی ہے، اسی طرح وہ ہر انسان میں اس کے اندرونی جذبات کو تلاش کرتا ہے۔ وہ محض دماغوں کو نہیں ڈھونڈتا بلکہ انسان کو۔ اس کا رجحان طبع اس طرف نہیں کہ وہ دنیا کو یوں یا یوں سمجھنے کی کوشش کرے بلکہ اس طرف کہ

فلسفہ محض علم نہیں

وہ دنیا کو یوں یا یوں بنائے۔ اس کے نزدیک فلسفہ ایک علم نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ ایک معاملۂ دماغی ہے اور اس کا تعلق بہادرانہ جذبات

سے ہے۔ فلسفی وہ نہیں جو محض دیکھتا غور کرتا اور قاعدے اختراع کرتا ہو، بلکہ اس کا کام فرد اور قوم کے ہر شعبے میں قانون سازی اور فرماں روائی ہے۔ یہ ہے نیتشے کا عقیدہ۔

دہریت میں اخلاقی پہلو

نیتشے پہلا شخص ہے جس نے دہریت میں اخلاقی پہلو نکالا اور اس نئے اخلاق کی تعلیم دی۔ خود شوپن ہاؤر جو ممتاز اور ایک بڑے پائے کا دہریہ تھا اس کے خواب و خیال میں بھی یہ باتیں نہیں آئیں۔ اس کی تعلیم کا لب لباب محض یہ ہے کہ اس نے عیسوی اخلاقیات کو عیسوی مذہب سے جدا کر کے دہریت کے ساتھ وابستہ کر دیا تھا۔ اس کا بہترین نمونہ انسانیت دہریت ولی اللہ ہے جو روز بروز کھلاتا چلا جاتا ہے۔ اس

دہریہ ولی اللہ

کا دماغ دہریت میں اور دل عیسائیت میں تھا۔ اس کے خیال میں اخلاق ہر زمانے اور ہر مقام کے لیے یکساں ہونا چاہیے۔ اسی وجہ سے اس میں یہ کمی رہ گئی کہ بلحاظ دہریہ ہونے کے اس نے کوئی نئی چیز پیدا نہیں کی۔ اس کے اس مقولے سے کہ "اخلاق کی تعلیم اور چیز ہے اور اخلاق کا ثبوت اور چیز" یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے فلسفے کے بنیادی والدین یعنی موجودہ دہریت اور قدیم غیر اہم اخلاقیات اس قابل نہیں کہ وہ کسی تیسری چیز کو پیدا کر سکیں۔

محض یہ ہی نہیں کہ اس نے اخلاقِ دہریت کی تعلیم نہیں دی بلکہ اس نے عیسوی اخلاقیات کو بھی قیافہ اور تاریخ کی بنا پر ثابت نہیں کیا۔ انسانِ مستقبل کی بلند

انسانِ مستقبل کی بلند تر قسمت

تر قسمت کو اپنی ذات کے ساتھ وابستہ کرنا نہ اس کے خیال میں گزرا اور نہ کسی اور دہریے کے خیال میں، بلکہ اکثر دوسرے دہریوں نے تو دہریت کی مٹی ہی پلید کر دی ہے۔ شوپن ہاؤر کی زندگی میں کم از کم پرانا چال چلن تو پایا جاتا ہے، وہ سر تا پا اپنے فلسفے میں محو ہے، زاہدانہ اور آزادانہ زندگی اور نفس کشی کا عامل ہے۔

دوسرے دہریے

برخلاف اس کے دوسرے دہریے تو بالکل مسخ ہو گئے ہیں۔ ان کی ریڑھ کی ہڈی اتنی مضبوط نہیں کہ وہ مایوسی کے طوفان کا مقابلہ کر سکیں یا کم از کم

اس کی وجہ سے خود روئیں تن ہو جائیں۔ اور جب وہ امیدوں کے خیالی پلاؤ پکاتے ہیں تو وہ محض انھیں کا عکس ہوتے ہیں، اور بالآخران کی عدمِ زرخیزی اس درجہ پست ہو جاتی

امرکین ڈریپر

ہو کہ ان کو انسانی بلندیوں اور بڑائیوں میں سے کچھ بھی نظر نہیں آتا اور وہ بچوں کی سی باتیں کرنے لگتے ہیں مثلاً J. W. Draper کا مقولہ ہو کہ انسانی برتری کا

شتراؤس

خاتمہ ہو چکا! بڑے انسان نہ اب پیدا ہو سکتے ہیں اور نہ ان کو پیدا ہونے کا حق ہو۔ اور Strauss کہتا ہو کہ دہریت کے ساتھ آرام و آسائش کی جنت کا افتتاح ہوتا ہو۔ ان کا جواب نیٹشے ان الفاظ میں دیتا ہو:۔

انسان چھوٹا ہوتا جا رہا ہے

نا اہلوں کے لیے سامان خوشوقتی۔ تکلیف اور خوشی کی کمی

"کیا؟ انسان ہمیشہ چھوٹا ہوتا جاتا ہو! مردِ زنانہ ہوتا جاتا ہو! تمام لوگوں کی یہی خواہش ہو کہ وہ کاہلوں اور نا اہلوں کے لیے خوش وقتی اور آسائش کا سامان مہیا کریں، بجائے اس کے کہ وہ اپنی قوت سے بہترین کام لیں اور نفس کشی کریں! تکلیف (اور نیز اس کا مدمقابل: خوشی) کم کی جائیں اور اگر ممکن ہو تو دونوں بالکل معدوم کر دی جائیں! الغرض: دوَر دوَرہ ہو سستی اور بے پروائی کا، دوَر دوَرہ ہو کن گھسنوں اور اپاہجوں کا، ناقابلیتی اور عدمِ زرخیزی کا، یعنی مہیا ہو جائے ایسا ملک جہاں بیہودہ اور حد سے زیادہ لوگوں کو بے کام کیے کھانے کو ملے، یعنی کمزوری کی حکومت ہو!"

یہ باتیں زردشت اپنے سامعین سے کرتا ہو، مگر وہ لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور نیز اس کے "فوق البشر" کا۔ لیکن زردشت ان سے کہتا ہو:

"جو تمھارا مطمحِ نظر ہو وہ ناداری ہو اور گندگی اور قابلِ رحم مسرّت۔

تمھارا نمونۂ بشریت

تمھارے نمونۂ بشریت کو "آخری انسان" کے نام سے موسوم

کرنا چاہیے، کیوں کہ وہ رو بانحطاط ہے، بندر کی طرف بلکہ پست تر، مچھلی اور کیڑے مکوڑے کی طرف۔ تمہارا انسانی نمونہ ایک ایسی چیز ہے جو کوشش اور دوڑ دھوپ نہیں کرتی اور جس سے گزر جانا چاہیے! میں تمھیں اس انسان کی تعلیم دیتا ہوں جو تمہارے انسان سے بالاتر ہے، بلکہ جو بڑے لوگوں میں سے اب تک سب سے بڑے سے بھی بالاتر ہے، کیوں کہ یہ سب بھی تم سے بعید مشابہت رکھتے تھے۔ میں اس انسان کی تعلیم دیتا ہوں جس کی روح امیر

مذہبی کون ہے | ترین، جس کا دماغ عمیق ترین اور جس کی مذہبیت بالاترین ہے۔ مذہبی وہی شخص ہو سکتا ہے جو چیزوں کے باہمی تعلّقاتِ عظیم کو پہچانے۔ محض وہ شخص، جو سبب اور نتیجے کی لمبی زنجیروں کو دیکھ سکے، کم و بیش اس قابل ہے کہ انسان کے فائدے اور نقصان کو جان سکے اور اچھے اور بُرے کی تمیز کر سکے۔ کوتاہ

مذہبی کون نہیں | نظر، توہم پرست اور خوش عقیدہ انسان مذہبی نہیں ہو سکتا، مگر شرط یہ ہے کہ مذہبیت کے معنے آہ و بکا کرنا اور میٹھی میٹھی باتیں کرنا نہ سمجھے جائیں۔ کوتاہ بیں ہر چیز کے متعلّق بک بک کرتا ہے، ہر چیز کو بگاڑ دیتا ہے، ہر چیز کو جس

انسان کی تقدیر خدا کے ہاتھ میں | طرح وہ چلتی ہے چلنے دیتا ہے۔ اس کے خیال میں انسان کی تقدیر خدا کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا اب تک انسان کی تقدیر بے دھیانی اور اتّفاق پر چھوڑ دی گئی تھی۔ جو اس کا نتیجہ ہے وہ تمہارے چہرے سے ظاہر ہے: تمہاری زندگی کتنی ہی مشغول کیوں نہ ہو، تاہم اس کا کوئی مقصد اور

زندگی کا مقصد | مفہوم نہیں۔ اگر تم سے پوچھا جائے کہ تمہاری زندگی کا مقصد کیا ہے تو تم بجز اس کے اور کوئی جواب نہ دو گے: "ہم خوش وقتی حاصل کرنے کی تگ و دو میں ہیں، سب کے لیے آرام و آسایش بہم پہنچانے میں!"، مگر یہ بھی کوئی مقصد ہے؟ ایسا مقصد جو انسان کے شایانِ شان ہو؟ اس کے

معنے تو محض یہ ہوتے ہیں کہ تمھارا دائرۂ نظر جانور کے دائرۂ نظر سے ابھی آگے نہیں بڑھا ہو!"

یہ ایک فطری امر ہو کہ معدودے چند لوگوں کے سوا باقی سب اس شخص کے خلاف متّفق و متّحد ہو جاتے ہیں جو سنجیدہ ترین اور پاک ترین ہو اور یہ تلخ ترین سوال پیش کرتا ہو کہ "علاوہ اپنی جنس کے قایم رکھنے کے جو حیوانات میں بھی پایا جاتا ہو، تمھاری زندگی اور تمھارے تمدن کا اور کیا مقصد ہو؟" اس کا جواب کوئی بھی نہیں دیتا، بالخصوص وہ جن سے بدرجہ اولیٰ جواب کی امید کی جاتی ہو یعنی ہمارے اشتراکی (سوشلسٹ) ان کا مقصد محض اتنا ہو کہ کس طرح طبقۂ اسفل کو نرم تر بستر پر سلایا جائے۔ اور مقبوضات کو آپس میں کس طرح تقسیم کیا جائے کہ حسد کا امکان تقریباً معدوم ہو جائے

اشتراکی

موجودہ تمدن کا مقصد

نیتشے بار بار یہ سوال کرتا ہو کہ آخر موجودہ تمدن کے اس عالیشان نظام کا مقصد کیا ہو؟ اور انسان کی منزلِ مقصود کون سی ہو؟ اس سوال کا جواب جو عیسویت دیتی ہو، یعنی نجاتِ آخرت، اس سے اختلاف کرتے ہوئے نیتشے کہتا ہو:۔

انسان کی منزلِ مقصود

انسانِ بزرگ

"بنی نوعِ انسان کی منزلِ مقصود ان کا منقطع ہونا نہیں بلکہ ان کے اندر بہترین نمونے پیدا کرنا ہو، تاکہ انسانِ بزرگ بار بار پیدا ہوتا اور تمھارے درمیان زندگی بسر کرتا رہے۔ یہی تمھاری دنیاوی جدّوجہد کا مفہوم ہونا چاہیے، تاکہ ہمیشہ ایسے انسان پیدا ہوتے رہیں، جو تمھیں اپنی بلندی کی طرف کھینچیں اور تمھارے یتیم ہونے کے خیال کو تمھارے دل سے نکال دیں اور تم میں نئی زندگی کی چہل پہل پیدا کر دیں۔ یہ ہو قیمت تمھاری زندگی کی۔ کیوں کہ ایسے لوگوں کا وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہنا تمھارے استحقاقِ حیات کا ثبوت ہو۔ بغیر ان کے تمھاری زندگی ہیچ ہو۔

بڑوں کے مخالف چھوٹے

تم کو یہ بخوبی معلوم ہے کہ بڑے لوگوں کے مخالف وہی ہوتے ہیں جو چھوٹے ہوں، جن کی ذات میں کافی مادّہ اور قوت نہ ہو۔ عام طور پر بڑے لوگ طرزِ روزمرہ سے مختلف ہوتے ہیں۔ بڑا ہونا ایک نہ ایک

بڑا ہونا جرم ہے

لحاظ سے جرم ہے۔ تمام درسگاہیں، خواہ تعلیمی ہوں یا فنّی یا سیاسی یا مذہبی، مستثنےٰ قسم کے لوگوں کے پیدا کرنے کی حامی نہیں ہوتیں بلکہ متوسط لوگوں کے پیدا کرنے کی۔ اور اگر کوئی نرالی قسم کا انسان پیدا ہو جاتا ہے تو موجودہ نظامِ عالم کو درہم برہم کر کے اسے اپنے تصوّر کے مطابق دوبارہ بنانا چاہتا ہے، اس وقت ان تمام درسگاہوں کے لوگ ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ بہت کوشش اور زمانۂ دراز کے بعد کہیں اسے اس بات میں کامیابی ہوتی ہے کہ ان درسگاہوں کے لوگ خال خال اس کے ساتھ ہو جائیں۔ ان درسگاہوں کا قدامت پسند ہونا لازمی ہے، کیوں کہ ایسے انسانوں کا وجود ضروری ہے جو اپنی قابلیت یا ناقابلیت کی بنا پر ترقی کرنے سے قاصر ہیں اور جو اکثریت میں ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اگر قوم سراسر مُردہ نہیں ہو چکی ہے تو اس میں بڑے بڑے مستثنےٰ لوگ بھی پیدا ہوں۔ اگر تم خود بڑے بڑے مستثنےٰ لوگوں میں سے نہیں تو کم از کم جاندار قوم کی حیثیت سے تو رہو جس میں سے بڑے بڑے لوگ پیدا ہو سکیں۔ کم از کم اپنے دلوں میں

فوق البشر کے بنانے میں حصّہ

وہ اشتیاق تو مُردہ نہ ہونے دو جس سے تم ان کا استقبال کر سکو۔ اس طرح سے "فوق البشر" کے بنانے میں تمھارا بھی حصّہ ہو جاتا ہے اس طرح سے تم اعلیٰ وارفع تمدّن کے لیے انوا ـــــ سے جاتے ہو، اس طرح سے تم انسان کو مضمحل ہونے سے بچا سکتے ہو۔"

آسمانی اور زمینی شرافت

کنفیوشس کہتا ہے کہ: "ایک آسمانی شرافت ہوتی ہے اور ایک زمینی۔ نکو
کاری، صدق گوئی، بڑوں اور محترم لوگوں کو پہچاننا اور ان جیسا بننے کی کوشش کرنا،
اور ان صفات پر ان تھک مسرت کرنا، یہ آسمانی شرافت ہے۔ برخلاف اس کے اس دنیا
کے معزز عہدے زمینی شرافت کا درجہ رکھتے ہیں۔" نیتشے کی ساری تعلیم اور زندگی اسی
آسمانی شرافت کو سکھاتی ہیں، اور نیتشے نے کبھی اس آسمانی شرافت کے بدلے زمینی
شرافت حاصل کرنے کا خیال نہیں کیا۔ وہ خود لکھتا ہے کہ اس نے بازل یونیورسٹی کی

بازل کی پروفیسری

پروفیسری حاصل کرنے کا کبھی ارادہ نہیں کیا تھا۔ ایام طالب علمی میں
اس نے یونانِ قدیم کے متعلق چند مضامین لکھے تھے جن کی بنا پر اسے یہ پروفیسری پیش
کی گئی، اور جب وہ پروفیسر ہو گیا تو Leipzig یونیورسٹی نے اسے اعزازی طور پر

اعزازی ڈگری

ڈاکٹر کی ڈگری دے دی۔ بوجہ علالت، جس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس

پروفیسری سے دست کشی

کے خیال میں وہ جس کام کے لیے پیدا ہوا ہے اسے کما حقہ نہیں کر سکتا،
اسے پروفیسری سے دست کش ہونا پڑا۔ اور پھر جو اس کی زندگی گزری ہے وہ ایسی ہے
کہ وہ خود اپنا حاکم ہے اور خود اپنا محکوم، محکومیت اس درجے کی جیسے غلام اپنے آقا
کی کرتا ہے اور حاکمیت ایسی جیسے کہ خود مختار سے خود مختار بادشاہ اپنی رعیت کے اوپر
کرتا ہے۔ اکثر گمنامی اور تنگ دستی کی حالت میں اس نے پہاڑوں اور جنگلوں میں مثل

خوش وقتی نہیں بلکہ کام

راہبوں کے زندگی بسر کی ہے "کیا میں خوش وقتی کی دھن میں ہوں؟
نہیں میں تو اپنے کام کی دھن میں ہوں!" یہ الفاظ زردشت کے خود اس کے اوپر صادق
آتے ہیں۔ اس کے نزدیک خوش وقتی درجۂ اوّل پر نہیں، بلکہ وہ اثر اور نتیجہ ہے اپنے یا
غیر کے اوپر فتح پانے کا، یعنی درجہ دوم پر ہے اور اس فتح کی مکافات ہے۔ سست جانوروں
کی خوش وقتی کو، جو مردہ دلوں کے خواب کے مثل ہے، نیتشے خوش وقتی کے نام سے
موسوم نہیں کرتا۔

چوں کہ نیتشے خود سرتاپا زردشت ہے، اسی وجہ سے اسے زردشتیت کی تعلیم دینے میں کام یابی حاصل ہوئی ہے۔ مگر معلوم ہونا چاہیے کہ یہ تعلیم وہ دیتا کسے ہے؟ فی الحال کم لوگوں کو، کمتر لوگوں کو۔ فی الحال اس سے زیادہ احاطۂ امکان میں نہیں۔ وہ اپنے زمانے کے بزدل، نیم گرم اور غلام سیرت لوگوں کے مخالف ہے: "ایسا زمانہ، جس میں اپنے آپ کو محو کر دینا، دوسروں میں محو کر دینا (اور لطف یہ کہ بڑوں میں نہیں بلکہ چھوٹوں میں، تکلیف زدوں میں) سب سے بڑی نیکی خیال کیا جاتا ہے، انسان کو پستی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ کہ انسان اپنی ذات سے ابتدا کرے نہ کہ دوسروں سے، اس کو ماننے کے لیے کوئی تیار نہیں Goethe نے ٹھیک کہا ہے کہ: "اگر اس قسم کی انسانیت کو کام یابی نصیب ہو تو مجھے ڈر ہے کہ ساری دنیا شفاخانہ ہو جائے گی اور ہر شخص دوسرے کا بیمار دار"

زردشتیت کی تعلیم

گوئٹے کا مقولہ

نیتشے جس کے زمانے میں یہ وعظِ "انسانیت" اور بھی زیادہ زور پکڑ چکا تھا اس وعظ کے لیے سوائے "وعظِ موت" کے اور کوئی نام نہیں تجویز کرتا۔ اس انسانیت کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ :-

وعظ موت

"جب تک دنیا میں تکلیف زدہ لوگ ہیں، اس وقت تک تندرستوں بشاش طبیعت والوں اور فتح مندوں کو بھی تکلیف اٹھانی چاہیے، پژمردہ رہنا چاہیے، تکلیف زدوں کے ساتھ خود تکلیف زدہ بن جانا چاہیے۔ قوتِ حیات کی جڑ اس سے زیادہ اور کوئی چیز نہیں کاٹتی کہ دوسرے کے ساتھ خود بھی تکلیف زدہ بن جائے۔ اس کا خطرناک اثر خود تکلیف اٹھانے سے بڑھ کر ہے۔ اگر یہ طرزِ عمل جاری رہا تو تکلیف کی تعداد دنیا میں ہزار بلکہ لاکھ گنی ہو جائے گی یعنی ہمدردی کی وجہ سے۔ ایک طرف تو یہ ہے کہ اگر ہمدردی کی وجہ سے ازالۂ درد ہو بھی سکتا ہے

دوسروں کے ساتھ بھی تکلیف زدہ بننا

دو قسم کی ہمدردیاں

تو بہت کم حالتوں میں، اور دوسری طرف اسی ہمدردی کی وجہ سے ہمدردوں میں ولولۂ حیات کم ہو جاتا ہے، ان کی قوت تخلیق مضمحل ہو کر رہ جاتی ہے اور ان کی نظر اس دنیا کو چھوڑ کر کسی دوسری دنیا کی طرف اٹھنے لگتی ہے۔ لیکن یہ ولولۂ حیات اور قوتِ تخلیق ہی تو وہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے انسان انسان ہے۔"

ولولۂ حیات اور قوت تخلیق

ہمدردی سے روکنا

نیتشے کا ہمدردی سے روکنا محض اپنے جیسے لوگوں کے لیے ہے، یعنی ان لوگوں کے لیے جو تعلیمِ زردشتیت کے مخاطَب ہیں اور جن کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی بیش بہا قوتیں ہمیشہ آمادۂ کار رکھیں اور ان کو تتر بتر نہ ہونے دیں۔ بڑے انسانوں کے لیے ہمدردی کرنا اور دوسروں میں محو ہو جانا اسی معنے میں جرم ہے جس معنے میں چھوٹے انسانوں کے لیے وہ کارِ نیک ہے۔ بنی نوعِ بشر کے لیے بڑے انسان کا وجود چھوٹے انسان کے وجود سے زیادہ ضروری ہے، کیوں کہ اس سے دماغی اور روحانی زندگی کے ہزارہا چشمے پھوٹتے ہیں۔ خود کم زور کم مایہ اور بے دست و پا لوگ اس کی طرف اپنی نگاہیں اٹھاتے ہیں اور اپنے دلوں کو شفا پہنچاتے ہیں۔ "ایک بلند اور مضبوط عزم سے زیادہ دل خوش کن کوئی پودا زمین میں نہیں اُگتا۔ زمین کا بہترین پودا یہی ہے۔ ایسے درخت سے آس پاس کی ساری زمین شگفتہ ہو جاتی ہے!"

جو لوگ بوجہ تنگ دلی زردشت کی عالی ہمتی اور رحم دلی کے سمجھنے سے قاصر ہیں ان سے یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ بہترین ترقی یافتہ انسان یعنی انسانِ زردشتی پر ہمدردی کا سب سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ مگر اسے یہ نہیں چاہیے کہ وہ اس میں اپنے آپ کو محو کر دے، کیوں کہ اس کا فرضِ منصبی سب سے زیادہ مشکل ہے۔ لہٰذا اُسے وہ کام نہیں کرنا چاہیے جو لاکھوں کروڑوں آدمی کر سکتے ہیں، یعنی اپنے آپ کو دے ڈالنا، ضایع کر دینا اور اپنے منزلِ مقصود سے برطرف ہو جانا لیکن اسے

انسانِ زردشتی پر ہمدردی کا اثر

اپنے مقصد پر ثابت قدم رہنے، صبر کرنے اور آڑے رہنے اور اپنے کام کو انجام تک پہنچانے کے لیے بے حد نفس کُشی کی ضرورت ہو۔ بہ نسبت انسانِ کم تر کے ایسے انسان سے لوگوں کو اعلیٰ مقاصد کے حاصل کرنے میں زیادہ فائدہ ہوتا ہو۔ اگر آپ چاہیں تو اس کو بھی "ہمدردی" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ لیکن اس ہمدردی کا سرچشمہ زیادہ گہرائی میں ہو بہ نسبت اس ہمدردی کے چشمے کے جو جا بجا اور بآسانی پھوٹ نکلتا ہو۔ بڑے انسان کے وجود سے ساری بشریت تندرست تنومند اور امیر ہو جاتی ہو۔ وہ اپنے آپ کو

فرد یا کل قوم پر قربانی | فرد فرد اور "ہمسایوں" پر قربان نہیں کرتا بلکہ کل قوم پر، اور وہ ان کے مستقبل کو سنوارتا اور اس کی اصلاح کرتا ہو۔ زردشت کہتا ہو کہ:۔

"جس مصیبت میں مَیں مبتلا ہوا ہوں اس میں تم میں سے

کوئی بھی مبتلا نہیں ہوا۔ تم تو محض اپنی ہی مصیبت میں مبتلا ہوئے ہو،

اور لوگوں کی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوتے!"

ناکاروں کو فنا کرنا | زردشتی انسان کل بشریت کو تربیت دے کر ابھارنا چاہتا ہو۔ لہذا وہ بیماروں، لولے اپاہجوں اور طفیلیوں کو فنا کرنا چاہتا ہو۔ اگر دنیا موجودہ ڈھرے پر چلتی رہی تو تھوڑی مدت کے بعد نرم دل حکمراں بھی نیتشے کے مقولے کے قایل ہو جائیں گے:

"تمھاری زندگی روز بروز بدتر اور سخت تر ہو جانی چاہیے! یہی

ایک ایسا طریقہ ہو جس کی وجہ سے انسان بلندی کی طرف ترقی کر سکتا ہو"

فی زمانتا جب کہ حکومتِ عوام اور تجارت کی وجہ سے ہر چیز زنانہ ہو رہی

فوج مردانہ نظام ہو | ہو، مردانہ نظام محض فوج میں پایا جاتا ہو۔ اس محکمے میں ہر شخص کی قدر و منزلت بر بنائے فطرت کی جاتی ہو۔ قوی، جری، آمادۂ ضرب برابر ہو "اچھے" کے۔ کم زور، بزدل، سُست برابر ہو "بُرے" کے۔ یہی فوجی، سپاہیانہ اور اشرافانہ معیارِ قدر و منزلت نیتشے کا بھی ہو۔ لیکن وہ وقت آرہا ہو جب کہ انسان ہمارے سُست

طریقۂ رہایش اور صنعت و حرفت کی بیہودہ ترقی کی وجہ سے پستی میں گرتا چلا جائے گا۔ اس وقت کم از کم یہ کوشش کی جائے گی کہ اس پستی کے پائین ترین اسباب دور کر دیے جائیں۔ سب سے پہلے تمام مریضوں اور مدقوقوں سے حقِ نکاح سلب کر لیا جائے گا۔ اس قاعدے سے اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم یہ ظاہر ہو جائے گا کہ سب سے زیادہ حماقت آمیز مقولے: "سب کے لیے یکساں حقوق" کا کیا نتیجہ ہوا بیماروں اور مدقوقوں کو حقِ نکاح دینے کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ نسلاً بعد نسلٍ ناکارہ لوگوں کی تعداد بڑھتی جائے گی اور اس زمین کی زندگی زیادہ مایوسانہ اور بدصورت ہوتی چلی جائے گی، یعنی برخلاف تندرستوں کے معیار کے، جو یہ ہے کہ امیدوں کی امنگ دل میں جوش زن رہے اور مستقبل ماضی سے زیادہ عالی شان اور نورانی اور طاقت ور بن جائے۔ آخر اس عدمِ اشرافیت کی وجہ کیا ہے جس کے سبب سے جنس انسانیت کی صورت مسخ ہوتی چلی جاتی ہے؟ وجہ یہ ہے کہ "انسان" کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے: "جسم" اور "روح" اور یہ خیال دل سے نکال دیا گیا ہے کہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی لازم و ملزوم ہیں اور ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہو سکتیں، اور یہ کہ روح جسم کے ایک فعل کا نام ہے۔ جسم بمنزلۂ سبب ہے اور روح نتیجہ اور اثر۔ روح کا عروج اور انحطاط جسم کے ساتھ ساتھ ہے اور جسم کے تغیر سے روح بھی متغیر ہو جاتی ہے۔ انسان کے اندر جسم اور روح کی یگانگت روز بروز زیادہ تسلیم ہوتی جاتی ہے۔ مگر ہنوز رسمی طور سے مانی نہیں گئی۔ رسمی طور سے تو یہ سکھلایا جاتا ہے کہ دونوں دو مختلف چیزیں ہیں، روح کا دار و مدار جسم پر نہیں۔ جسم ایک برائے نام چیز ہے اور اس لیے قابلِ توجہ نہیں۔ روح کا قیام جسم میں عارضی ہے اور وہی وہ چیز ہے جو جسم کو حرکت دیتی اور اس کی روک تھام کرتی ہے۔ اور اسی طرح کے اور بھی بہت سے خیالاتِ خام ہیں جن کی غلطی مانی جا چکی ہے

مدقوق کا حقِ نکاح سلب

ماضی سے زیادہ مستقبل عالی شان

جسم اور روح ایک ہیں

اس تعلیم کا موجد ایک بانیِ مذہب ہے جو اس مظہرِ قدرت یعنی انسان کے سمجھنے کے لیے
نہ بحیثیتِ فن قابلیت رکھتا تھا اور نہ بحیثیتِ علم، بلکہ محض بحیثیت اخلاق، اور

یونانی اعلیٰ بشریت کے معلم

وہ بھی اک طرفہ۔ یونانی فلسفی جو اعلیٰ بشریت کے معلم ہیں ان
کی اس کو خبر ہی نہیں۔ اور یہ معما سمجھ میں نہیں آتا کہ مغرب، جو ہزارہا سال سے اس
کوشش میں ہے کہ یونانیوں کے علوم وفنون پر اور ردّے رکھے، بالخصوص اس غلط
تعلیم کو قایم اور جاری رکھنے کی کیوں سر توڑ کوشش کر رہا ہے، حالانکہ اس میں بہت
زیادہ خرچ ہو چکا ہے اور بے حد غیر فطری نتائج نکل چکے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ سب
سے زیادہ روشن خیال لوگ بھی، جب وہ روح کے متعلق جولانیٔ طبع کرتے ہیں، اسی
تاریک زمانے کی پیروی کرتے ہیں جب کہ اس مذہب کی ابتدا ہوئی۔ اگرچہ ادراکی
دنیا کے متعلق اس وقت تک بے حد جدّ و جہد اور تحقیق و تدقیق کی گئی ہے تاہم روح کے
سلسلے میں کچھ بھی نہیں کیا گیا۔

نیتشے کی تخلیقی قابلیت

نیتشے کی عجیب و غریب تخلیقی قابلیت کی وجہ اس کے عزم کی
بلند پایگی ہے۔ ایشیائی موجدینِ مذہب کی طرح وہ اپنے آپ کو انسان کے اعلیٰ وارفع
بنانے کے عزم کا اوتار سمجھتا ہے۔ موجودہ تمدّن کے زمانے میں جو ظاہری باتوں، کھیل

موجودہ تمدّن

کود، مذاق اور تفریح کا تمدّن ہے، نیتشے جیسے سنجیدہ شخص کا سمجھنا ہر ما و شما
کا کام نہیں۔ اس کی ہستی دنیا کے واسطے اہم اور فیصلہ کُن ثابت ہوئی ہے۔
جب رومۃ الکبریٰ میں اعصاب کی کمزوری اور جسموں کی سُستی نے زور پکڑا،

عیسائیت کی ابتدا

اس وقت اس میں عیسویت پھیلنی شروع ہوئی۔ جس وقت سے
علما کے وجود نے قوّتِ قومی کو زایل کرنا شروع کیا، اس وقت سے جمہوریت کی ابتدا
پڑی۔ عیسویت اور جمہوریت ایک ہی تھیلے کے چٹّے بٹّے ہیں اور دونوں کا اصول
ہے کہ کمزور کو قوی سے عداوت ہوتی ہے اور لولا اپاہج طاقت ور اور تنومند کو دیکھ کر

روحانی تکلیف محسوس کرتا ہو صحیح و سالم شخص کے مقابلے میں اپنے آپ کو ناکارہ اور بے دست و پا دیکھ کر عیسائی اور جمہوری دونوں اپنے دل ہی دل میں اس سے بدلہ لیتے ہیں، اور عقلِ سلیم کے خلاف "سب لوگوں کی برابری" کی تعلیم دیتے ہیں، اور صحیح و سالم کے لیے دوزخ بناتے اور نااہلوں اور ناکاروں کو جنّت کی خوش خبری سناتے ہیں۔

جنت اور دوزخ

نیتشے سب سے پہلا شخص ہو جو عیسویت اور جمہوریت کی تہ تک پہنچا ہو:-

"دونوں سڑی غیر تندرست اور بنجر زمین میں اگنے والے پودے ہیں۔ دونوں مظاہرے ہیں ترقیِ معکوس کے"۔

بنجر زمین کے پودے

یہ ترقیِ معکوس والا انسان، جو ہر بڑے شخص کے خلاف رہتا ہو، دنیا اور دنیا والوں کے متعلق اس کی اور بڑے انسان کی رائے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہو۔ وہ بڑے شخص کو "برا" اور اپنے آپ کو "اچھا" تصور کرتا ہو۔ برخلاف اس کے بڑا شخص اپنے آپ کو "اچھا" اور پست لوگوں کو "برا" سمجھتا ہو۔ لہٰذا یہ دو مختلف اور متضاد نقطۂ نظر پیدا ہو گئے۔ بڑے شخص کا نقطۂ نظر فطرت کے موافق ہو، کیوں کہ وہ زندگی کا اثبات کرتا ہو اور پست کا نقطۂ نظر خلافِ فطرت ہو، کیوں کہ وہ زندگی کی نفی کرتا ہو۔ یہ دوسرا اصولِ اخلاق عیسوی جمہوریت والے کا ہو جو "اچھے" اور "برے" کو نیچے کی طرف سے دیکھتا ہو، یعنی اخلاقِ غلامانہ ہو۔ اور پہلا اصولِ اخلاق، یعنی "اچھے" اور "برے" کو اوپر کی طرف دیکھنا اشرافانہ یعنی مالکانہ اخلاق ہو۔

دو متضاد نقطۂ نظر

اخلاق غلامانہ اور اخلاق اشرافانہ

ان اچھے اور برے اخلاقوں پر نیتشے نے اپنی مختلف کتابوں میں مختلف پہلوؤں سے نظر ڈالی ہو، لیکن سب کا مفہوم ایک ہی ہو۔ "انسانیت، بے حد انسانیت" اور "ما ورائے خیر و شر" اور "اخلاق کا شجرۂ نسب" وغیرہ وغیرہ میں نیتشے نے اس

مسئلے کو چھیڑا ہی۔ اور اس مسئلے کو " زردشت" میں کما حقہٗ سمجھنے کے لیے اس بات کی ازحد ضرورت ہی کہ پہلے مذکورہ بالا کتابوں میں اس کے متعلق پڑھ کر سمجھ لیا جائے۔

اخلاق اور نیک دلی | موجودہ زمانے میں " اخلاق" اور " نیک دلی" ہم معنےٰ سمجھے جاتے ہیں لیکن کیا اس نیک دلی کی وجہ سے بشریت زیادہ خوب صورت اور محترم اور اعلیٰ و ارفع ہوگئی ہی؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ہم تو زیادہ چھوٹی ہوئی، دوسروں میں محو اور ہمدرد اور اپنے آپ سے پیچھا چھڑانے والے ہوگئے ہیں ہر ایک انسان دوسرے سے قریب

اپنی بڑائی سے شرم | تر ہوتا جاتا ہی اور بڑے انسان کو اپنی بڑائی سے شرم آنے لگی ہی۔

حکمرانوں کی کم زوری اور اس کی وجہ | اس کی کیا وجہ ہی کہ آج کل سارے حکمراں کم زور ہو گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہی کہ آج کل ہر جگہ غلامانہ اخلاق سکھایا جاتا ہی اور حاکمانہ اور مالکانہ اخلاق کی تعلیم کہیں بھی نہیں دی جاتی۔ عہد متوسط میں تو اس کی اصلاح اس وجہ سے

عہد متوسط اور عہد جدید میں فرق | ہو جاتی تھی کہ ان میں صلابت اور حاکمانہ قوّت اتنی کافی موجود تھی کہ اس کی وجہ سے انھیں نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ مگر آج کل یہ غلامانہ اخلاق ہمارے رگ و پے میں سرایت کر گیا ہی اور ہم نرم دل اور رحم دل عیسائی ہو چکے ہیں، نہ دوسروں کے ساتھ سخت ہیں اور نہ اپنے ساتھ، ہر تفاوت مراتب کو اٹھا دیا ہی۔ اس لیے آج وہ زمانہ ہی کہ قیمتی انسان اپنا علاج اس اخلاق سے نہ کریں جس کی تعلیم عہد متوسط دیا کرتا تھا، بلکہ نئے قسم کے اخلاق سے جو نٹشے سکھاتا ہی۔

اخلاق زردشت | یہی نیا اخلاق زردشت کا اخلاق ہی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہی کہ ہم جتنا چاہیں جھوٹ بولیں، چوری کریں، قتل و خون کریں۔ وہ اخلاق کے اس پست درجے کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا۔ زردشتی اخلاق کا تعلّق اور ہی چیزوں سے ہی۔ اس کی مخاطبین شریف ترین لوگ ہیں، وہ لوگ جنھیں عالی شان روحیں ترکے میں ملی ہیں، جو اپنے آپ کو آزاد رکھنا چاہتے ہیں اور ان غلطیوں کو محو کر دینا

چاہتے ہیں جو زمانۂ ماضی سے گزرتی ہوئی زمانۂ مستقبل میں چپکے سے گھس جانا چاہتی ہیں۔ زردشت کہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اہم اشخاص زمانے کے شور و غل میں خود اپنی آواز نہ سننے پائیں۔ فی الحال وہ حکومت سے الگ تھلگ رہیں، اور نیز اپنے ماحول سے، یعنی ورائے اخلاقِ جمہوریت رہیں، جس کو بڑے انسان کے احساسات کی خبر ہی نہیں۔ اس کی تعلیم محض یہ ہے کہ انسان کو کتنا چھوٹا اور لپست ہو جانا چاہیے تاکہ وہ "صاحبِ اخلاق" کہلا سکے۔ زردشت کی یہ تعلیم ہے کہ بڑی قابلیتوں کا انسان خود اپنی تربیت کرے، یہ اس کی انانیت کا ثبوت ہے۔ وہ متضاد ہے ان لوگوں کا جو اپنی انانیت کی نفی کرتے ہیں۔

اخلاقِ جمہوریت

لبِ لباب زردشتیت

یہ ہے لبِ لباب زردشتیت کا۔ اس کے سمجھنے کے بعد اب وہ ساری باتیں ہماری سمجھ میں آجائیں گی جو ظاہرا ایک دوسرے کے مخالف اور متضاد معلوم ہوتی ہیں۔ کیوں کہ رو بارتقا زندگی والا انسان ایک ایسی دنیا کا باشندہ ہے جو رو بانحطاط ہے، جو خود ایک امر متناقض معلوم ہوتا ہے۔ اس کے تخیلات، اس کے مقولے، اس کی سچائیاں، اس کا وجدان، سب کے سب عوام الناس کے مخالف اور متضاد ہیں۔ اور جس وقت وہ نئی قیمتیات پیش کرے گا تو ظاہر ہے کہ ایسا کرنا موجودہ قیمتیات کی منسوخیت نہیں تو کم از کم ان کا تغیر و تبدل ضرور معلوم ہوگا۔

نئی قیمتیات

"زردشت" کی تفسیر

مذکورہ بالا تفصیل "بقول زردشت" کی تشریح اور تفسیر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ اس قسم کی تفسیر حملہ بجملہ ہونی چاہیے جس طرح کہ الہامی کتابوں کی کی گئی ہے۔ اور جس طرح سے کہ قرآن کی تفسیریں اصل متن سے دس بیس بلکہ تیس چالیس گنی ہو گئی ہیں اسی طرح جب "زردشت" کی تشریحیں اور تفسیریں لکھے جانے کا زمانہ آئے گا تو ان کا بھی یہی حال ہوگا۔ ابھی تک اس کا زمانہ نہیں آیا کہ لوگ "زردشت" کی تفسیریں لکھیں، مگر وہ آکر رہے گا۔ اور دوسری الہامی

کتابوں کی طرح صدہا بلکہ ہزارہا سال تک "زردشت" کی مدح اور مذمت دونوں کے پُل باندھے جائیں گے، تائید اور تردید کے انبار لگ جائیں گے۔ لیکن "زردشت" کو اس کی پروا نہیں، وہ اس سے بالاتر ہے۔ اس کو محض قریبی رشتے داروں کی ضرورت ہے، ہر نااہل سے وہ پہلو تہی کرتا ہے۔ اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ محض کم، بکمتر لوگ اسے سمجھیں۔

"زردشت کی مدح و مذمت"

جو شخص اس کتاب سے قلبی تعلق رکھتا ہے اس کی کیفیت اس زمانے میں کیا ہوتی ہوگی؟ کیا اس کو یہ محسوس نہ ہوتا ہوگا کہ بہتیرے اپنی موجودہ حالت سے خوش نہیں ہیں اور کسی نئی چیز کے انتظار میں ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ کوئی ان کی رہبری نئی منزلِ مقصود کی طرف کرے؟ مگر اس رہبری کے قابل کوئی ان کو ملتا نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بہترین انسان، مرد، سچی بڑائی والے کالعدم ہیں۔ جس چیز کا نام آج کل تمدّن رکھا گیا ہے وہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ سچّے اور صحیح تمدّن سے روکنے والی ایک چیز ہے اور اس کے راستے میں جابجا روڑا اٹکاتی ہے۔ سچّے تمدّن کا تعلق انسان کی ظاہری دنیا سے نہیں بلکہ باطنی دنیا سے ہے۔ اگر باطنی تمدّن گہرا ہوگا اور ترقّی کرے گا تو ظاہری تمدّن کی دنیا کی شان و شوکت سے دست برداری ہوتی چلی جائے گی۔ اگر کھوکھل تمدّن کی ظاہری شان و شوکت بڑھ جائے تو بڑے اور اصیل انسان برطرف کر دیے جائیں گے اور نوخیز مالک بن بیٹھیں گے۔ اگر ایک شخص پُشتہا پشت سے غلام چلا آ رہا ہے اور یک بیک وہ تختِ حکومت پر بٹھلا دیا جائے تو اس طرح حکمرانی نہیں کر سکتا جیسے کہ پیدائشی حکمران کر سکتا ہے۔ نوخیز کو بہت سی زینتوں اور شان و شوکت کی ضرورت پڑتی ہے اور ان چیزوں کے حاصل کرنے کے لیے لکھوکھا کارخانے ضروری ہو جاتے ہیں، جو دنیا کے ہر چہار گوشے میں بے کار اور فضول چیزیں اگلتے رہتے ہیں اور ان کارخانوں کے وجود کی ضرورت

نیا رہبر

سچّا تمدّن

نوخیز کارخانے

ظاہر کرنے کے لیے ایک لشکر لکھنے پڑھنے اور سفر کرنے والوں کا دن رات ہمارے کان کھایا کرتا ہو۔ اس کے جواب میں دانشمند اپنے قدیم بھولے پن سے یہ کہتا ہو:۔

"دنیا میں کتنی کچھ چیزیں ہیں جن کی ہمیں ضرورت نہیں"

گوئٹے کا لطیفہ | ایک بار Goethe کے پاس ایک شخص آیا جو اس کے کمرے کی سادگی اور بالخصوص لکڑی کی چوکیاں دیکھ کر سخت متعجب ہوا۔ گوئٹے نے اس سے کہا: "آسایش میری فطرت کے متضاد ہو۔ امیرانہ ساز و سامان سے میرے تخیلات مُردہ ہو جاتے ہیں اور میں بے کار ہو جاتا ہوں۔ میرے خیال میں شان و شوکت ان لوگوں کے لیے ہو جن میں بلند پروازی نہ ہو اور نہ ہونی چاہیے۔"

ہمارا ظاہری تمدّن انھیں لوگوں کے لیے ہو جن میں نہ کوئی بلند پروازی ہو اور نہ ہونی چاہیے۔ وہ ایک تمدّن ہو دل بہلانے کا، کھیل کود کا، دکانوں بازاروں اور کارخانوں میں حد سے زیادہ اور فضول چیزیں بنانے کا۔ ان برائے بیت چیزوں کی وجہ سے انسان اصلی چیز کو بھول جاتا ہو: بڑا، سیدھا سادہ اور اس تمدّن کو نظرِ حقارت سے دیکھنے والا انسان۔ انسانی اندرونی اور بیرونی دنیا میں بڑے واقعات اور بڑے انسانوں کا مفقود ہونا کمی تصوّر نہیں کیا جاتا، بلکہ طبقہ اسفل کا اوپر کی طرف نہ چڑھنا کمی کا مرادف خیال کیا جاتا ہو۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ طبقہ اسفل کا عروج نہیں بلکہ طبقہ اعلیٰ کا انحطاط اور زوال پذیر ہو کر طبقہ اسفل تک گر کر آجانا ہو، بشرطیکہ مزدوری دینے والے طبقے کو طبقہ اعلیٰ کے نام سے یاد کیا جا سکے، کیوں کہ آج کل مزدوری دینے والے، یعنی آقا اکثر اور بالعموم نو خیز کی حیثیت رکھتے ہیں اور عالی خیال طبقے سے نامزد نہیں کیے جا سکتے۔ مزدوری دینے اور لینے والے طبقے دونوں قریب قریب یکساں ہیں۔ جو آقاؤں کا نظریہ ہو وہی مزدور پیشوں کا: "ظاہری تموّل اور شہوت پرستی اور جلد سے جلد کام سے سبک دوشی"۔

آقا اور مزدور

نیتشے کا روحانی جوش وخروش | جو شخص نیتشے کے روحانی جوش وخروش کے سمجھنے سے قاصر ہو اس کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا کہ، باوجودیکہ موجودہ زمانے کے متعلق یہ بکواس کی جاتی ہو کہ وہ روز بروز رو بہ ترقی ہو اور انسانی خوش وقتی کا میزانیہ نسلاً بعد نسلٍ بہتر ہوتا چلا جاتا ہو، ہمارا زمانہ اصلی اور سچّی خوش وقتی سے کس قدر دُور جا پڑا ہو اور اس میں قوّت ایجادی و تخلیقی کہاں تک معدوم ہو اور اولوالعزم انسانوں اور عالی شان خیالات کی کس درجہ قحط سالی ہو۔ ہمارے زمانے کی ساری مشینیں اور بیماروں، لولے اپاہجوں، مدقوقوں، وَبازدوں کے ساتھ رحم دلی کے تمام کارنامے محض پاسنگ ہیں اس قُوّت کے جو محض ایک شخص کے اندر جلوہ گر ہوتی ہو اور جس کے مظاہرے شاہ نامہ، فوسٹ، شکنتلا، الیاڈ وغیرہ وغیرہ ہیں۔ بغیر ان شاہکاروں کے دنیا کی تربیت کس قدر ادھوری رہتی!۔ اسی قسم کا روَیں تن اور روَیں دماغ

موجودہ زمانہ اور سچی خوش وقتی

نیتشے عوام الناس کی سمجھ سے باہر | نیتشے بھی ہو۔ مگر یہ خیال کرنا کہ اس کا اثر موجودہ زمانے پر پڑے گا، زرا زیادتی ہو۔ نیتشے عوام الناس کی سمجھ سے باہر ہو۔ ان میں وہ قابلیت ہی نہیں کہ نیتشے کے تموّلِ روحانی سے فیضیاب ہو سکیں۔ لوگوں کا تو یہاں تک دعویٰ ہو کہ نیتشے اخلاق کو بیخ و بُن سے اُڑا دینا چاہتا ہو اور "ماورائے خیر و شر" تمام اخلاقیات کی تکذیب ہو۔ نیز یہ کہ نیتشے کی تعلیم کی بنا پر انسان جہاں تک مزے اُڑا سکے اُڑائے۔ یہ بھی ایک پُر لطف بات ہو کہ جب انسانی مستقبل کا مسئلہ پیش ہوتا ہو تو معمولی شخص کے ذہن میں سب سے پہلے مزے اڑانے کا خیال پیدا ہوتا ہو۔ نیتشے کی نسبت یہ بھی بیان کیا جاتا ہو کہ اس کے خیال میں نہ کوئی چیز ممنوع ہو نہ معروف، نہ حلال ہو نہ حرام۔ جب تک لوگوں کے خیال میں کسی مصلح قوم کے متعلق اس قسم کے سفیہانہ خیالات رہیں گے اس وقت تک یہ ناممکن ہو کہ ان کو اس کی اصلاحانہ سعی و کوشش سے کچھ بھی فائدہ ہو سکے۔

نہ حلال نہ حرام

ایسے لوگوں کی توجہ اس طرف نہیں ہوئی کہ انسانی اخلاق میں غور و خوض کرنے سے نیٹشے اس نتیجے پر پہنچا ہو کہ دنیا میں محض دو قسم کے اخلاق پائے جاتے ہیں: اخلاقِ حاکمانہ اور اخلاقِ غلامانہ، اور ان کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہو۔ نیٹشے لے خود اس بات کا انتظام کیا ہو کہ عوام النّاس اس کی تعلیم کے سمجھنے سے قاصر رہیں۔

بداخلاق نیٹشے | چوں کہ نیٹشے، جس کی زندگی انتہا درجے کی پاک صاف تھی، خود اپنے آپ کو "بداخلاق" کے نام سے موسوم کرتا ہو، تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ لوگ، جو موجودہ برسرِ حکومت اخلاق کے نشے میں چور ہیں، اس سے دُور دُور بھاگیں، اس سے نفرت کریں اور اس کے پاس بھی نہ پھٹکیں۔ اور چوں کہ ان میں نہ تو سورماؤں کی سی باتیں پائی جاتی ہیں اور نہ کیفیات، لہٰذا وہ محض اتنا کر سکتے ہیں کہ سورماؤں کا مذاق اڑائیں۔ اپنے آپ کو لفظِ "بداخلاق" سے تعبیر کرنے سے نیٹشے کا یہ مطلب نہ ہو نہ ہو سکتا ہو کہ وہ ہر قسم کے اخلاق سے مبرّا ہو، بلکہ یہ کہ وہ ان لوگوں سے

اخلاق کے ٹھیکے دار | مبرّا ہو جو اخلاقِ انسانی کے ٹھیکے دار بن بیٹھے ہیں، یعنی اس اخلاقِ انسانی کے جس کی وجہ سے آج کل بڑے لوگوں کا پیدا ہونا اور صاحبِ اثر ہونا بالکل خواب و خیال ہو اور جس کی وجہ سے چھوٹے کم زور اور رُو بانحطاط لوگوں کو روز بروز وہی حقوق دیے جا رہے ہیں جو بڑے انسانوں کی ملکیت ہونے چاہییں۔

جہاں کہیں بھی نیٹشے لفظ اخلاق لکھتا ہو اور یہ نہیں کہتا کہ اس کی مراد اخلاقِ غلامانہ سے ہو یا اخلاقِ حاکمانہ سے، وہاں محض اخلاقِ غلامانہ سمجھنا چاہیے۔ مطلب یہ ہو کہ اخلاق جس کو دنیا اخلاق کے نام سے تعبیر کرتی ہو، یعنی جو اخلاق کے ٹھیکے داروں کے زباں زد ہو۔ مگر عوام النّاس کے لیے یہ آسان ہوتا کہ نیٹشے اس اخلاق کے ساتھ لفظِ تعریف کا اضافہ کر دیتا اور صاف صاف اخلاقِ غلامانہ کہتا۔ خواص تو بلا دقت اس کو سمجھ لیتے ہیں، مگر ایسے لوگوں کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہو۔ اور جو لوگ نیٹشے کو

محض سمجھنے کے قابل نہیں ہیں بلکہ اس کی شاگردی کا دعویٰ کر سکتے ہیں وہ تو ابھی تک بالکل مفقود ہیں کہاں ہیں وہ عالی دماغ جو زردشت کے مذکورۂ ذیل اقوال کو اپنی زبان سے کہہ سکیں :-

"بلندی نہیں بلکہ پستی خطرناک ہو !
وہ پستی جہاں کہ نظر نیچے کی طرف پھسلتی ہو اور ہاتھ روکنے کے لیے اوپر کی طرف اٹھتا ہو۔ کیا ایسی جگہ دل اپنے دُہرے عزم کی وجہ سے چکر کھانے لگتا ہو ؟
آہ ، دوستو ، کیا میرے دل کا دُہرا عزم تمھاری سمجھ میں آتا ہو ؟
ہاں یہی تو میرے لیے باعثِ پستی و خطرہ ہو کہ میری نظر اوپر کی طرف بڑھتی ہو اور میرا ہاتھ نیچے کی طرف ٹیک لگا کر رُکنا چاہتا ہو !
میرا عزم انسانوں سے لپٹا ہوا ہو۔ میں اپنے آپ کو انسانوں کے ساتھ زنجیروں سے باندھ رہا ہوں ، دراں حالے کہ میرا جی چاہتا ہو کہ اوپر کی طرف بڑھوں ، یعنی "فوق البشر" کی طرف"
کہاں ہیں وہ لوگ جن کا معیارِ الوہیت اتنا بلند ہو جتنا کسی کا ہو سکتا ہو اور جن کی دین داری کی خبر کسی "دین دار" کو نہیں اور جو زردشت کی زبان سے یہ کہنے کے قابل ہو سکتے ہیں :-
"اگر خداؤں کا وجود ممکن ہوتا تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں بھی خدا نہ ہوتا ! لہٰذا خداؤں کا وجود نہیں !"
میں تو نتیجہ نکال چکا ، اب نتیجہ مجھے نکال رہا ہو۔
تخلیق ، یہ درد کی کارگر دوا اور زندگی کا ہلکا ہونا ہو۔
مگر تخلیق کی گنجایش کہاں ہوتی ، اگر خداؤں کا وجود ہوتا ؟

"زردُشت" کے بعد کا زمانہ اور اختتام

"زردشت کا ہمزاد"

"بقول زردشت" میں نٹیشے نے فلسفی خیالات کو شاعرانہ جامہ پہنایا ہی۔ لیکن اس کے بعد اس کا ذہن اس طرف رجوع ہوا کہ ان خیالات کو وہ ایک مسلسل فلسفی پیرائے میں پیش کرے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ شروع شروع میں "بقول زردشت" مقبول نہیں ہوئی۔ مگر قبل اس کے کہ وہ اس مسلسل فلسفی پیرائے والی کتاب لکھے اس نے ۱۸۸۵ء میں "زردشت" کے دفتر چہارم کو ختم کیا اور پھر اس نئی کتاب کی طرف توجہ کی، جس سے واقعی یہ پتا چلتا ہی کہ اس نے شاعرانہ پیرائے کو چھوڑ کر فلسفیانہ خیالات کو مسلسل اور منظم آراستہ کرنا

"ماوراے خیر و شر"

شروع کر دیا ہی۔ یہ کتاب جس کا نام "ماورائے خیر و شر (فلسفہ مستقبل کا دیباچہ)" Jenseits des Gut und Böse ہی اگست ۱۸۸۶ء میں شایع ہوئی۔ یہ وہی کتاب ہی جو "زردشت" کی تشریح و تفسیر ہی، اور بغیر اس کتاب کے پڑھے "زردشت کماحقہٗ سمجھ میں نہیں آسکتی۔

اس کتاب کے لکھنے کے بعد اس نے اس کتاب کا سنگِ بنیاد رکھا جو اس کے سارے فلسفے کا تتمہ تھا۔ اس کے متعلق وہ ستمبر ۱۸۸۶ء میں اپنی بہن کو لکھتا ہی:

"آیندہ چار سال میں نے اپنی ایک کتاب کے لیے وقف

"عزم تحصیلِ اقتدار"

کر چھوڑے ہیں جو چار جلدوں میں نکلے گی۔ اس کا نام ہی ڈراؤنا ہی: "عزم تحصیلِ اقتدار" یعنی Der Wille zur Macht (Umwertung aller Werte)

"یعنی تمام قیمتیات کی قمتوں کا ردّ و بدل" اس کے لیے مجھے
تمام چیزیں درکار رہیں، تندرستی، تنہائی اور مسرتِ قلبی"
یہ کتاب جس کو وہ آخری دم تک لکھتا رہا اور پھر بھی نامکمل رہی، ۱۸۸۶ء
کے موسمِ خزاں میں کچھ مدّت کے لیے بند ہو گئی۔ وجہ یہ تھی کہ نیٹشے نے اپنی گزشتہ
تصانیف پر نظرِ ثانی کرنی شروع کی اور اپنی کتاب "دل خوش کن علوم" میں پانچویں جلد کا اضافہ کیا اور اس کا نام "شہزادہ آزادمنش کے گیت" رکھا۔

"دل خوش کن علوم"

"شہزادہ آزادمنش کے گیت"

۱۸۸۷ء کی ابتدا میں اس نے پھر اپنی بڑی کتاب کی
تصنیف جاری کی، لیکن اسی سال کے موسم گرما میں اس نے دوبارہ اس سلسلے
کو منقطع کر کے ایک اور کتاب لکھی جس کا نام اس نے نسب نامۂ اخلاق (ایک جنگجو
کتاب جو "ماورائے خیر و شر" کی تکمیل و تفسیر میں لکھی گئی)[1]۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جو
باتیں "ماورائے خیر و شر" میں مجملاً بیان کی گئی ہیں ان کی وضاحت اس کتاب میں
کی گئی ہے: فرق درمیان اخلاقِ غلامانہ و حاکمانہ، یعنی ان دونوں اخلاق کی قیمتیات
کا فرق جو حاکمانہ اور محکومانہ طبقے میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس تفصیل میں وہ عیسویت
کے اخلاق کو غلامانہ اخلاق سے تعبیر کرتا ہے جن کو برسرِ حکومت آجانے میں کامیابی
ہوئی۔

اس کے دو ایک اور کتابیں لکھنے کے بعد وہ اپنے دلی مضمون کی طرف آتا
ہے اور عیسویت کی تردید میں ایک کتاب شایع کرتا ہے، جس کا نام ہے
"Der Antichrist" یعنی "دجّال" اور اس کو اس نے اپنی بڑی "عزمِ
تحصیلِ اقتدار" کا دفترِ اوّل بنایا ہے۔

"دجّال"

---

[1] Genealogie der Moral (Eine Streitschrift. 'Jeuseits von Gut Bose' als Evgauzung und Verdeutlichung beigegeben).

اس کے بعد ۱۸۸۸ء میں اپنا تذکرۂ حیات تصنیف کیا اور اس کو لاطینی نام

"دیکھ، ایک آدمی" | دیا: Ecce Homo یعنی "دیکھ، ایک آدمی!" یہ کتاب محض اپنے دوستوں کے پڑھنے کے لیے اس نے لکھی۔

اس کے بعد اس نے واگنر کے خلاف ایک کتاب لکھی اور اس کا نام رکھا Nietzsche Contra Wagner یعنی "نیتشے علی الرغمِ واگنر"

عزلت گزینی اور نا قدری | اس کے بعد نیتشے کی عزلت گزینی روز بروز بڑھتی گئی۔ جو خط و کتابت وہ اپنے دوست Rohde روڈے سے کرتا تھا اور جو بذاتِ خود ایک ادبی کارنامہ ہے اس میں بھی بہت کمی آگئی۔ ملک میں اس کی تصانیف کی قدر نہ ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب کوئی پبلشر اس کی کتابیں چھاپنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ "زردشت" کا دفتر چہارم اور "ماورائے خیر و شر" اور ان کے بعد کی تمام کتابیں نیتشے کو خود اپنے خرچ سے چھپوانی پڑیں۔

اس عزلت گزینی اور نا قدری کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ اس کی زبان زیادہ تیز ہوتی گئی اور خود اپنے دل میں اس کی قدر و منزلت بڑھتی گئی۔ مثال کے طور پر اس جگہ چند جملے درج کیے جاتے ہیں جو اس نے ڈنمارک کے پروفیسر برنڈز Brandes

پروفیسر برنڈز | کو لکھے ہیں۔ یہ برنڈز پہلا مشہور و معروف شخص ہے جس نے ایک سشن میں اپنے شاگردوں کو نیتشے کے فلسفے کا درس دیا تھا اور جو بہت مقبول ہوا تھا۔ اسی برنڈز کو نیتشے ۲۰ نومبر ۱۸۸۸ء کو لکھتا ہے:-

"اب میں ایک کتاب میں نہایت دریدہ دہنی کے ساتھ خود اپنا حال بیان کرتا ہوں۔ اس کتاب کا نام میں نے Ecce Homo رکھا ہے، اور یہ ایک ایسا وار ہے جس میں مقتول کا بالکل لحاظ نہیں کیا گیا۔ یہ ان تمام لوگوں کے لیے بجلی کا کام دیتی ہے جو مسیحی یا مسیحیت کے

کیڑے مکوڑے ہیں، یہاں تک کہ ان کے ہوش وحواس جاتے رہیں گے۔ میں مسیحیت کا پہلا قیافہ شناس ہوں اور چوں کہ میں تو بچ رہ چکا ہوں اس لیے میں وہ بھاری بھاری توپیں لاکر لگا دوں گا جن کی خبر اب تک کسی مخالفِ مسیحیت کو کانوں کان بھی نہیں ہوئی۔ یہ دیباچہ ہے "ردّوبدل قیمتیات" کا جو تیار ہو چکی ہے۔ میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ دو سال کے اندر ہم ساری دنیا کو تہ وبالا کر دیں گے۔ میں آفت کا پرکالہ ہوں۔"

اس خط کے چند ہی ہفتے کے بعد نیتشے اپنے گھر سے کہیں جا رہا تھا کہ راہ میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگ اسے اسی حالت میں اٹھا کر گھر لائے، لیکن دو روز تک وہ بے حس وحرکت بچھونے میں پڑا رہا۔ جب اسے ذرا افاقہ ہوا تو اس میں آثارِ جنون پائے گئے۔ جب اووربک کو یہ خبر بازل میں معلوم ہوئی تو وہ اٹلی گیا اور نیتشے کو اپنے ساتھ بازل لے آیا اور اسے ایک شفاخانے میں رکھا۔ وہاں سے نیتشے کی ماں اسے آکر لے گئی اور اسے یینا Jena کے دماغی ہسپتال میں داخل کرا دیا۔ یہاں وہ آٹھ مہینے تک رہا، کچھ افاقہ ضرور ہوا اور طبیعت ذرا سنبھل گئی لیکن آرام نہ ہوا۔ اس کے بعد وہ اپنی ماں کے ساتھ نائومبرگ میں رہا اور جب سنہ ۱۸۹۷ء میں اس کی ماں کا انتقال ہو گیا تو اس کی بہن اسے اپنے ساتھ وائمار Weimar لے آئی اور وہیں ۲۵ر اگست سنہ ۱۹۰۰ء کو نیتشے نے مرضِ فالج میں انتقال کیا اور Rocken میں جہاں وہ پیدا ہوا تھا، دفن کیا گیا۔ یینا کے ہسپتال کی طرف سے اس کی موت کی وجہ فالجی خللِ دماغ بتائی گئی ہے، لیکن اطبّا اس تشخیص سے اختلاف کرتے ہیں۔

آثارِ جنون

انتقال

عیسویت اور قدامت دو ایسی قوتیں تھیں جنھوں نے نیتشے کے دل و دماغ پر بچپن ہی سے بہت گہرا اثر ڈال رکھا تھا۔ تجربے سے اس پر ثابت ہو گیا تھا کہ یہ دونوں قوتیں ایک دوسرے کی مخالف بلکہ متضاد ہیں۔ عیسویت نفیِ حیات اور اس دنیا سے کنارہ کشی اور دوسری دنیا کی طرف میلان کا نام ہی۔ قدامت بالخصوص یونانی قدامتِ قبل از افلاطون زندگی کا اثبات کرتی ہی، اس دنیا کی مسرّت کی خواہاں ہی، بہادر ہی، اس لحاظ سے وہ خود نیتشے کی طبیعت سے ملتی جلتی ہی منجملہ ان دونوں متضاد چیزوں کے چوں کہ اس نے اس دنیا کی طرف داری کی اور نیز دہریت کی جو عیسویت کے متضاد ہی، لہٰذا ان دونوں نے شوپن ہاؤئر اور واگنر کو، جو ایک مدت تک اس کے محترم استاد رہے تھے، اس کے مدمقابل گروہ میں شامل کر دیا۔ کیوں کہ شوپن ہاؤئر باوجود اپنی دہریت کے عیسویت سے اس بات میں متّفق تھا کہ وہ بھی نفیِ حیات کا قایل تھا اور اس دنیا کو " المستان" کے نام سے تعبیر کرتا تھا اور واگنر کے متعلق نیتشے کا یہ خیال تھا کہ: اگرچہ وہ ظاہرا فاتح معلوم ہوتا ہی، تاہم اس نے بھی مجبور اور شکستہ خاطر ہو کر عیسویت کے صلیب کے آگے اپنا سرِ تسلیم خم کر دیا ہی" اس کی تصدیق واگنر کی کتاب Parsifal پارزی فال سے ہوتی ہی۔

پہلا دفتر

زرُدشت کی تمہید

(۱)

جب زرُدشت کی عمر تیسؔ سال کی ہوئی تو اُس نے اپنے وطن اور اپنے وطن کی جھیل کو خیر باد کہا اور کوہستان کی راہ لی۔ یہاں پہنچ کر وہ لگاتار اپنی روح اور اپنی تنہائی کے مزے لیتا رہا اور دس سال تک اس سے اکتایا نہیں۔ لیکن آخرکار اس کا دل اُدھر سے ہٹا اور ایک روز پَو پھٹے وہ جاگا اور سورج کے سامنے کھڑا ہو کر یوں کہنے لگا:-

"اے نیرِ اعظم! بتا تو سہی کہ اگر وہ مخلوقات نہ ہوتی جو تیری روشنی سے فائدہ اٹھاتی ہے تو تجھے کیا مزہ آتا"!

دس سال سے تو میرے غار کے اوپر سے گزر رہا ہے۔ لیکن اگر میں، میرا عقاب اور میرا سانپ یہاں نہ ہوتا تو تیری روشنی اور تیری راہ تجھ پر اجیرن ہوگئی ہوتی۔

لیکن ہم لوگ ہر روز صبح کو تیری راہ دیکھتے تھے اور تیری چھلکی ہوئی روشنی تجھ سے لے لیتے تھے اور اس کے بدلے میں تجھے دعائیں دیتے تھے۔

دیکھ! جس طرح شہد کی مکھیاں بہت سا شہد جمع کر لیتی ہیں اسی طرح میری عقل بھی ضرورت سے زیادہ بڑھ گئی ہے اور مجھے

اُن ہاتھوں کی ضرورت ہی جو اُسے لینے کے لیے پھیلائے جائیں۔

میں چاہتا ہوں کہ بخشش کروں اور تقسیم کروں، یہاں تک کہ انسانوں میں سے عقل مند لوگ اپنی بے وقوفی اور غریب لوگ اپنی دولت پر پھر نازاں ہوں۔

اس کام کے لیے مجھے پستی کی طرف اُترنا چاہیے، اسی طرح جس طرح کہ تو شام کو اترتا ہی جب کہ تو سمندر کے پیچھے جاتا ہی اور عالم اسفل کو روشن کرتا ہی، ای بے حد دولت مند نیّرِ اعظم!

مجھے بھی تیری طرح "غروب ہونا" چاہیے، جیساکہ وہ لوگ اپنی اصطلاح میں کہتے ہیں جن کے پاس میں اتر کر جانا چاہتا ہوں۔

پس مجھے دعا دے، ای پُرسکون آنکھ، جو بڑی سے بڑی خوش وقتی کو بھی بغیر حسد کے دیکھ سکتی ہی۔

دعا دے اس جام کو جو چھلکنا چاہتا ہی، تاکہ اس میں سے سونے کی طرح پانی بہے اور ہر جگہ تیری مسرت کا عکس پہنچائے!

دیکھ یہ جام پھر خالی ہونا چاہتا ہی اور زرتُشت پھر انسان بننا چاہتا ہی"۔

اس طرح زرتُشت کا نُزول شروع ہوا۔

(۲)

زرتُشت اکیلا پہاڑ سے نیچے اُترا اور کسی سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن جنگل میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہی کہ ایک بوڑھا آدمی اس کے سامنے کھڑا ہی، جو اپنی پاک جھونپڑی سے نکل کر جنگل میں جڑی بوٹیاں ڈھونڈھنے آیا ہوا تھا۔ زرتشت کو دیکھ کر بوڑھا

اس سے یوں مخاطب ہوا:-

"یہ مسافر میرے لیے کوئی اجنبی نہیں ہے۔ کئی سال ہوئے کہ وہ یہاں سے گزرا تھا۔ اس کا نام زرتُشت ہے۔ لیکن اب تو وہ بالکل بدل گیا ہے۔

اس وقت تو اپنی راکھ پہاڑ پر لے گیا تھا۔ کیا تو آج اپنی آگ وادی میں لے جانا چاہتا ہے؟ کیا تو آگ لگانے والے کے انجام سے نہیں ڈرتا؟

ہاں میں زردشت کو پہچانتا ہوں۔ اس کی آنکھیں صاف ہیں اور اس کے چہرے پر نفرت کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے کیا انھیں باتوں کا تو یہ نتیجہ نہیں ہے کہ اس کی چال میں لچک پائی جاتی ہے؟

زرتُشت بدل گیا ہے، زردشت بچّہ ہوگیا ہے، اب تو زردشت جاگ اٹھا ہے۔ لیکن یہ تو بتا کہ نیند کے مارے ہوؤں کے پاس آخر تیرا کیا کام ہے!

تنہائی کی حالت میں تُو تو گویا سمندر میں زندگی بسر کرتا تھا اور تیرا سارا بوجھ سمندر کے سر پر تھا۔ افسوس، کیا تو خشکی پر اترنا چاہتا ہے؟ افسوس، کیا تو پھر اپنا جسم خود لیے لیے پھرنا چاہتا ہے"۔

زرتُشت نے جواب دیا: "مجھے انسانوں سے محبّت ہے"

بزرگ نے کہا "بتا تو سہی کہ میں جنگل اور ویرانے میں کیوں آیا ہوں۔ کیا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ مجھے انسانوں سے بے حد محبّت تھی؟"

اب میں خدا سے محبت کرتا ہوں، انسانوں سے محبت نہیں کرتا۔ میرے نزدیک انسان ایک بے حد نامکمل چیز ہے۔ انسان کی محبت مجھے تباہ کر ڈالے گی۔"

زرتشت نے جواب دیا "محبت کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔ میں تو انسانوں کے لیے ایک تحفہ لے کر آیا ہوں۔"

بزرگ نے کہا "ان کو ہرگز ہرگز کچھ مت دے! اس سے تو یہ بہتر ہے کہ تو ان کا کچھ بوجھ بٹا لے اور اس کو ان کے ساتھ لیے لیے پھر۔ اس سے ان کو سب سے زیادہ خوشی ہوگی۔ کاشکے تجھے بھی اس سے خوشی ہو!

اور اگر تو ان کو کچھ دینا ہی چاہتا ہے تو بھیک سے زیادہ مت دے، مگر پہلے ان سے بھیک منگوا لے!"

زرتشت نے جواب دیا "ہرگز نہیں، میں بھیک نہیں دیتا، اس کے لیے میں کافی غریب نہیں ہوں۔"

بزرگ زرتشت پر ہنسنے لگا اور یوں بولا "اچھا تو پھر اس بات کا خیال رکھنا کہ وہ تیری قیمتی چیزیں قبول کرلیں! وہ لوگ گوشہ نشینوں کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کو اس بات کا یقین نہیں آتا کہ ہم کچھ دینے کے لیے آتے ہیں۔"

گلیوں میں ہمارے پاؤں کی آہٹ ان کو بے حد کھوکھلی معلوم ہوتی ہے اور رات کے وقت جب کہ وہ اپنے بچھونوں میں پڑے ہوئے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنتے ہیں، قبل اس کے کہ ابھی سورج نکلنے میں بہت دیر ہو، تو وہ اپنے دل میں

کہتے ہیں " یہ چور کہاں جانا چاہتا ہی؟'

انسانوں کے پاس مت جا، بلکہ یہیں جنگل میں ٹھہر! - انسانوں کے پاس جانے سے تو جانوروں کے پاس جانا بہتر ہی! تو یہ کیوں نہیں چاہتا کہ میری طرح ہو جائے، ریچھوں میں ریچھ اور چڑیوں میں چڑیا؟"

زرتُشت نے پوچھا کہ جناب اقدس یہاں جنگل میں کیا کرتے ہیں -

بزرگ نے جواب دیا " میں گیت بناتا ہوں اور انھیں گاتا ہوں - اور جب میں گیت بناتا ہوں تو ہنستا ہوں اور روتا ہوں اور بڑبڑاتا ہوں - اس طرح میں خدا کی حمد کرتا ہوں -

گاکر، روکر، ہنس کر اور بڑا بڑاکر میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جو میرا خدا ہی - ہاں کہہ تو سہی کہ تو ہمارے لیے کیا تحفہ لایا ہی!"

جب زرتُشت نے یہ الفاظ سنے تو اس نے جھک کر اس بزرگ کو سلام کیا اور یوں کہنے لگا "میرے پاس ہی کیا جو میں آپ کو دوں، لیکن مجھے یہاں سے جلد جانے دیجیے تاکہ میں الٹا آپ سے کچھ لے نہ اُڑوں "

اس طرح وہ دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے، بوڑھا اور جوان، ہنستے ہوئے جس طرح کہ دو لڑکے ہنستے ہیں -

لیکن جب زرتُشت تنہا ہوا تو وہ اپنے دل میں یوں کہنے لگا " یہ کیوں کر ممکن ہوسکتا ہی! اس مقدس بزرگ نے اپنے جنگل میں اب تک یہ نہیں سنا کہ خدا مرچکا ہی"

(۳)

جب زرتشت قریب کے شہر میں پہنچا جو جنگل کے دامن میں واقع ہی تو کیا دیکھتا ہی کہ بازار میں لوگوں کا ایک ازدحام ہی، کیوں کہ یہ مشتہر کیا جارہا تھا کہ نٹ کا تماشا ہونے والا ہی۔ زرتشت لوگوں سے مخاطب ہوکر یوں کہنے لگا:-

" میں تمھیں فوق البشر کی تعلیم دیتا ہوں۔ انسان ایک ایسی چیز ہی جس سے آگے بڑھنا چاہیے۔ بتاؤ تو سہی کہ تم نے اس سے آگے بڑھنے کے لیے کیا کیا ہی۔

اب تک ہر مخلوق نے اپنے سے بڑھ کر کسی چیز کو پیدا کیا ہی۔ لیکن کیا تم الٹا اس بڑے مد کا جزر ہونا چاہتے ہو اور بجائے اس کے کہ تم انسان سے آگے بڑھ جاؤ تم اس بات کو ترجیح دیتے ہو کہ حیوانیت کی طرف تنزّل کرو؟

انسان کے لیے بندر کیا حیثیت رکھتا ہی؟ ایک تمسخر یا ایک تکلیف دہ شرمندگی۔ اور یہی حیثیت انسان فوق البشر کے لیے رکھتا ہی، یعنی ایک تمسخر یا ایک تکلیف دہ شرمندگی۔

تم نے کیڑے سے لے کر انسان تک کی راہ طی کر لی ہی لیکن اب تک تم میں بہت کچھ کیڑا باقی ہی۔ ایک زمانے میں تم بندر تھے لیکن اب تک انسان ہر ایک بندر سے زیادہ بندر ہی۔

تم میں جو سب سے زیادہ عقل مند ہی وہ بھی محض بے جوڑ ہی اور نباتات اور ارواح کی دوغلی اولاد۔ مگر کیا میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ نباتات یا ارواح ہو جاؤ؟

دیکھو میں تمھیں فوق البشر کی تعلیم دیتا ہوں!
فوق البشر زمین کا مفہوم ہے۔ تمھارے عزم کو کہنا چاہیے کہ فوق البشر کو زمین کا مفہوم ہونا چاہیے!
میرے بھائیو، میں تمھیں قسم دیتا ہوں کہ زمین کے وفادار بن کر رہو اور ان لوگوں کا کہنا نہ مانو جو مافوق الارض امیدوں کا ذکر تم سے کرتے ہیں۔ یہ لوگ زہر دینے والے ہیں، خواہ وہ اسے جانیں یا نہ جانیں۔
یہ لوگ زندگی کو ناچیز سمجھنے والے ہیں، زوال یافتہ اور خود زہر خوردہ ہیں جن سے زمین تنگ آگئی ہے۔ انھیں چلتا کرو!
ایک وقت وہ تھا کہ خدا کے خلاف گناہ کرنا سب سے بڑا گناہ تھا۔ لیکن خدا مرگیا اور اس کے ساتھ یہ تمام گناہ گار بھی ختم ہوگئے۔ اب زمین کے خلاف گناہ کرنا سب سے زیادہ خوفناک گناہ ہے، اور نیز یہ کہ سمجھ سے باہر ہستی کی انتڑیوں کو زمین کے مفہوم سے بڑھ کر اہمیت دی جائے۔
ایک وقت وہ تھا کہ روح جسم کو نظرِ حقارت سے دیکھتی تھی اور اس وقت یہ حقارت اعلیٰ مرتبہ رکھتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ جسم دبلا پتلا بدصورت اور قلانچ ہوجائے اور اس کا خیال تھا کہ اس طرح سے وہ جسم اور زمین سے نکل بھاگے گی۔
ارے، یہ روح تو خود اس وقت دبلی پتلی بدصورت اور قلانچ تھی اور ایذا رسانی اس روح کی انتہائی مسرّت تھی۔
لیکن اے میرے بھائیو، تم بھی تو مجھ سے پوچھتے ہو "آپ کا

جسم آپ کی روح کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ کیا آپ کی روح سراسر نادار اور گندہ اور ایک قابلِ رحم مسرتِ نفسانی نہیں ہے؟

واقعی انسان ایک گدلی ندی ہے۔ اس بات کے لیے سمندر ہونے کی ضرورت ہے کہ گدلی ندی اس میں گرے اور وہ میلا نہ ہو۔

دیکھو، میں تمھیں فوق البشر کی تعلیم دیتا ہوں! وہ یہی سمندر ہے اور اسی میں تمھاری یہ زبردست حقارت ڈوب سکتی ہے۔

وہ عظیم الشّان بات کیا ہے جو تمھیں حاصل ہوسکتی ہے؟ وہ اسی زبردست حقارت کی گھڑی ہے وہ گھڑی جب کہ اپنی خوش وقتی تمھیں نفرت انگیز معلوم ہو اور علی ہذا القیاس اپنی سمجھ اور اپنے اوصاف بھی تمھیں بُرے معلوم ہوں۔

وہ گھڑی جب کہ تم کہو: 'مجھے اپنی خوش وقتی کی کیا پروا! وہ تو سراسر ناداری ہے اور گندگی اور قابلِ رحم مسرّتِ نفسانی۔ لیکن میری خوش وقتی کو چاہیے کہ وہ اپنی ضرورت ثابت کر دکھائے'۔

وہ گھڑی جب کہ تم کہو: 'اپنی سمجھ داری کی مجھے کیا پروا کیا! اسے معرفت کی خواہش ہے جس طرح کہ شیر کو خوراک کی ہوتی ہے؟ یہ سراسر ناداری ہے اور گندگی اور قابلِ رحم مسرّتِ نفسانی'۔

وہ گھڑی جب کہ تم کہو: 'مجھے اپنے اوصاف کی کیا پروا! ابھی تک انھوں نے مجھے غصّہ نہیں دلایا۔ میں اپنی نیکی اور بدی سے کتنا تنگ آگیا ہوں۔ یہ سراسر ناداری ہے اور گندگی اور قابلِ رحم مسرّتِ نفسانی'۔

وہ گھڑی جب کہ تم کہو: 'اپنی نیک نیتی کی مجھے کیا پروا!

مجھے اپنا انگارا اور کوئلہ ہونا نظر نہیں آتا۔ لیکن نیک منش تو انگارا اور کوئلہ ہوتا ہے۔"

وہ گھڑی جب کہ تم کہو: "اپنی ہمدردی کی مجھے کیا پروا! کیا ہمدردی وہ صلیب نہیں ہے جس پر وہ شخص کیلوں سے جڑ دیا جاتا ہے جس کو انسانوں سے محبت ہوتی ہے۔ لیکن میرا ہمدردی کرنا صلیب پر چڑھنا نہیں ہے۔"

کیا تم نے کبھی پہلے یوں کہا تھا؟ کیا تم کبھی پہلے یوں چلّائے تھے؟ کاشکے میں نے کبھی پہلے تمھیں یوں چلّاتے سُنا ہوتا!

تمھارا گناہ نہیں، بلکہ تمھاری قناعت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے چلّا رہی ہے۔ خود تمھارا بخلِ گناہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے چلّا رہا ہے۔

آخر کہاں ہے وہ بجلی جو تمھیں اپنی زبان سے صفا چٹ کر دے؟ اور کہاں ہے وہ جنون جس کا ٹیکا تمھارے لگنا چاہیے؟

دیکھو، میں تمھیں فوق البشر کی تعلیم دیتا ہوں۔ وہ یہی بجلی ہے، وہ یہی جنون ہے۔"

جب زردُشت یہ کہ چکا تو تماشائیوں میں سے ایک شخص چلّا کر بولا: "نٹ کی باتیں تو ہم کافی سن چکے۔ اب ہم اسے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھنا چاہتے ہیں" اور سب لوگ زردُشت پر ہنس پڑے۔ نٹ کو یہ گمان ہوا کہ لوگوں کا مطلب اس سے ہے اور اس نے اپنے کرتب دکھانے کی تیاری شروع کر دی۔

(۴)

لیکن زردشت نے لوگوں کی طرف دیکھا اور متعجب ہو کر یوں

کہنے لگا:-

"انسان ایک رسّی ہی جو جانور اور فوق البشر کے درمیان تنی ہوئی ہی، ایک ایسی رسّی جس کے نیچے ہلاکت ہی۔

گزرنا مخدوش، برسرِراہ ہونا مخدوش، پھر کر دیکھنا مخدوش، تھرتھرانا اور رک جانا مخدوش۔

انسان میں جو بڑی بات ہی وہ یہ ہی کہ وہ پُل ہی نہ کہ مقصد۔ جو چیز انسان میں پیاری ہی وہ یہ ہی کہ وہ گزرگاہ ہی اور نیست و نابود ہو جانے والا۔

مجھے محبّت ہی ان لوگوں سے جنھیں جینا نہیں آتا، اور اگر آتا ہی تو نیست و نابود ہونے کے لیے، کیوں کہ وہ گزر جانے والے ہیں۔

مجھے محبّت ہی سخت حقارت کرنے والوں سے، کیوں کہ وہ بے حد عزّت کرنے والے ہیں اور مقابل کے ساحل پر پہنچنے کی آرزو کے تیر ہیں۔

مجھے محبّت ہی ان لوگوں سے جو نیست و نابود ہونے اور اپنی قربانی کرنے کے لیے کوئی ایسی وجہ نہیں ڈھونڈھتے جو ستاروں کے اس پار ہو بلکہ جو اپنے آپ کو زمین پر قربان کر دیتے ہیں، تاکہ کسی نہ کسی روز یہ زمین فوق البشر کی ملکیت ہو جائے۔

مجھے محبّت ہی اس شخص سے جو معرفت حاصل کرنے کے لیے زندہ رہتا ہی اور معرفت اس لیے حاصل کرتا ہی کہ ایک روز فوق البشر زندگی بسر کرے۔ لہٰذا وہ اپنی نیستی کا خواہاں ہی۔

مجھے محبت ہے اس شخص سے جس کی جاں فشانیوں اور ایجادوں کا مقصد یہ ہے کہ وہ فوق البشر کے لیے ایک مکان تعمیر کرے اور اس کے لیے زمین جانوروں اور درختوں کو تیار کر کے رکھے کیوں کہ اس طرح وہ اپنی نیستی کا خواہاں ہے۔

مجھے محبت ہے اس شخص سے جو اپنے نیک اوصاف کو عزیز رکھتا ہے کیوں کہ نیک اوصاف رکھنے کے یہ معنے ہیں کہ وہ نیست ہونے پر تلا کھڑا ہے اور یہ اوصاف اس کی آرزو کے تیر ہیں۔

مجھے محبت ہے اس شخص سے جو اپنی روح کا ایک شمّہ بھی اپنے لیے نہیں اٹھا رکھتا بلکہ سرتاپا اپنے اوصاف کا ماحصل ہو کر رہ جاتا ہے اور محض اس ماحصل کی حیثیت سے وہ پُل پر سے گزرتا ہے۔

مجھے محبت ہے اس شخص سے جس کے اوصاف اس کے لیے باعثِ دل چسپی اور ہلاکت ہیں۔ لہٰذا وہ محض اپنے اوصاف کی خاطر زندہ رہنا چاہتا ہے اور پھر اس کے بعد نہیں۔

مجھے محبّت ہے اس شخص سے جو بہت سے اوصاف نہیں رکھنا چاہتا۔ ایک وصف بہ حیثیت وصف کے دو سے زیادہ ہے، کیوں کہ اس کا زیادہ حصّہ ایک گانٹھ ہے جس میں ہلاکت آویزاں ہے۔

مجھے محبّت ہے اس شخص سے جو اپنی روح فضول خرچ کرتا ہے، جو نہ تو شکریے کا خواہاں ہے اور نہ اس کو رد کرتا ہے کیوں کہ وہ ہمیشہ انعام و اکرام کرتا ہے اور اپنے لیے کچھ بچا کر نہیں رکھنا چاہتا۔

مجھے محبت ہی اس شخص سے جو شرما جاتا ہی جب کہ پانسا اس کی جیت کا گرتا ہی۔ اور پھر وہ اس وقت پوچھتا ہی: 'کیا میں بے ایمان کھلاڑی تو نہیں ؟' یہ اس وجہ سے کہ وہ نیست و نابود ہونا چاہتا ہی۔

مجھے محبت ہی اس شخص سے جو اپنے افعال کے آگے آگے سنہرے اقوال پھینکتا جاتا ہی، اور جتنا وعدہ کرتا ہی اس سے زیادہ پورا کرتا ہی، کیوں کہ وہ اپنی نیستی کا خواہاں ہی۔

مجھے محبّت ہی اس شخص سے جو آنے والوں کو حق بجانب ثابت کرتا ہی اور گزرے ہوؤں سے قطعِ تعلق کرتا ہی، کیوں کہ وہ موجودہ لوگوں پر نیست و نابود ہو جانا چاہتا ہی۔

مجھے محبت ہی اس شخص سے جو اپنے خدا کی تادیب کرتا ہی کیوں کہ وہ اپنے خدا سے محبت رکھتا ہی۔ یہ اس لیے کہ وہ اپنے خدا کے غضب و غصّہ کی وجہ سے ہلاک ہو جانا چاہتا ہی۔

مجھے محبّت ہی اس شخص سے جس کی روح زخمی ہو کر بھی گہری رہتی ہی اور جو چھوٹی سی بات پر ہلاک ہوسکتا ہی۔ اس لیے وہ بخوشی پُل پر سے گزرتا ہی۔

مجھے محبّت ہی اس شخص سے جس کی روح لبریز ہی، یہاں تک کہ وہ خود اپنے آپ کو بھول جاتا ہی اور تمام چیزیں اس میں موجود ہوتی ہیں۔ لہٰذا تمام چیزیں اس کی نیستی کا باعث ہو جاتی ہیں۔

مجھے محبت ہی اس شخص سے جو آزاد روح اور آزاد دل

ہو۔ اس طرح سے اس کا دماغ انتڑی ہو اس کے دل کی - لیکن
اس کا دل اس کو نیستی کی طرف لے جاتا ہو۔
مجھے محبت ہو ان تمام لوگوں سے جو بھاری بوندوں کی طرح
ہیں اور اس کالے بادل سے جو لوگوں کے اوپر منڈلا رہا ہو ایک
ایک کرکے گرتی ہوں۔ وہ اس بات کی خبر دیتی ہیں کہ بجلی
آرہی ہو اور یہ خبر دے کر نیست و نابود ہوجاتی ہیں -
دیکھو، میں بجلی کی آمد کا خبر دینے والا ہوں اور بادل کی
بھاری بوند کی۔ اور اس بجلی کا نام فوق البشر ہو۔"

(۵)

جب زردُشت یہ کہہ چکا تو اس نے دوبارہ لوگوں کو دیکھا اور
چپ ہوگیا اور اپنے دل میں یوں کہنے لگا: "وہ تو کھڑے ہوئے ہیں
وہ تو ہنس رہے ہیں۔ وہ میری بات نہیں سمجھتے۔ میں وہ مُنہ
نہیں ہوں جو ان کانوں کے لیے بنایا گیا ہو -
کیا یہ ضروری ہو کہ پہلے ان کے کانوں کو توڑ مروڑ کر رکھ دیا
جائے، تاکہ وہ آنکھوں سے سننا سیکھیں ؟ کیا یہ ضروری ہو کہ ڈھولوں
اور واعظوں کی طرح شور مچایا جائے ؟ یا وہ محض ہکلانے والوں
کی باتوں کا یقین کرتے ہیں ؟
ان کے پاس کوئی چیز ہو جس پر انھیں ناز ہو۔ ہاں جس پر
انھیں ناز ہو اس کا وہ کیا نام بتاتے ہیں ؟ وہ اس کو تعلیم و
تربیت کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یہی چیز ان کو بکریوں کے
چرواہوں سے ممتاز کرتی ہو۔

لہذا وہ 'حقارت' کے لفظ کو اپنے لیے سُننا پسند نہیں کرتے۔ اس لیے اب میں اس چیز کو درمیان لاکر ان سے گفتگو کروں گا جس پر انھیں ناز ہے۔

یعنی حقیر ترین انسان کا ان سے ذکر کروں گا۔ اور یہی تو 'آخری انسان' ہے۔"

اور زردشت لوگوں سے یوں کہنے لگا:۔

"اب وہ وقت آگیا ہے کہ انسان اپنے مقصد میں محو ہوجائے اب وہ وقت آگیا ہے کہ انسان اپنے اعلیٰ ترین امید کے جراثیم بوئے۔

ابھی تک اس کی زمین اس کے لیے کافی زرخیز ہے۔ لیکن ایک روز یہ زمین ادسر اور بنجر ہوجائے گی اور کوئی تناور درخت اس میں سے نہ اُگ سکے گا۔

افسوس، وہ وقت آرہا ہے جب کہ انسان اپنی آرزو کا تیر انسان کے پار نہیں چلائے گا اور اس کی کمان کا چلّہ بھنّانا بھول چکا ہوگا۔

میں تم سے کہتا ہوں کہ ایک رقصاں ستارہ پیدا کرنے کے لیے انسان کو اپنے اندر بے نظمی کی ضرورت ہے۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ تم میں اب تک بے نظمی موجود ہے۔

افسوس، وہ وقت آرہا ہے جب کہ انسان کسی ستارے کو پیدا نہ کرے گا، افسوس، حقیر ترین انسان کا وقت آرہا ہے جو اپنے آپ کو بھی نظر حقارت سے نہ دیکھ سکے گا۔

دیکھو، میں تمھیں 'آخری انسان' دکھاتا ہوں!

آخری انسان پلکیں مار کریوں پوچھتا ہے: 'محبّت کیا ہے؟ خلقت کیا ہے؟ آرزو کیا ہے؟ ستارہ کیا ہے؟'

زمین اس وقت چھوٹی ہوگئی ہوگی اور اس پر آخری انسان اچھل کود رہا ہوگا جو ہر چیز کو چھوٹے پیمانے پر کر رہا ہوگا۔ پسّو کی طرح اس کی جنس کی بھی بیخ کنی نہ ہوسکے گی۔ آخری انسان سب سے زیادہ دیر تک جیے گا۔

آخری انسان پلکیں مارتے اور کہتے ہیں: 'ہم نے خوش وقتی ایجاد کی ہے'

انھوں نے وہ جگہیں ترک کردی ہیں جہاں زندگانی دشوار تھی۔ کیوں کہ انسان کو حرارت درکار ہے۔ انسان اب تک اپنے پڑوسی سے محبّت کرتا ہے اور اپنے بدن کو اس سے رگڑتا ہے، کیوں کہ اسے حرارت درکار ہے۔

بیمار ہونا اور بے اعتباری کرنا ان کے نزدیک گناہ ہے۔ وہ احتیاط کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ پاگل ہے وہ شخص جو اب تک پتھروں اور انسانوں سے ٹھوکر کھائے!

کبھی کبھی تھوڑا سا زہر بھی کھا لینا چاہیے۔ اس سے میٹھے خواب آتے ہیں۔ اور بالآخر بہت سا زہر تاکہ میٹھی موت آجائے۔

انسان ابھی تک کام کاج میں مشغول ہے کیوں کہ کام کاج سے وقت کٹتا ہے۔ لیکن وہ اس بات کی احتیاط کرتا ہے کہ کام کاج سے کہیں نقصان نہ پہنچ جائے۔

اس کے بعد انسان نہ غریب ہوگا نہ امیر۔ دونوں چیزیں

بے حد تکلیف دہ ہیں - ایسی حالت میں حاکم کون بنے گا اور اطاعت کون کرے گا- دونوں باتیں بے حد تکلیف دہ ہیں -

گلہ بان تو ندارد مگر گلہ موجود! ہر شخص یکساں چیزیں چاہتا ہی ہر شخص برابر ہی- جو اس سے متفق نہ ہو وہ خود بہ خود پاگل خانے چلا جاتا ہی

"پہلے ساری دنیا مخبوط الحواس تھی، لطیف ترین لوگ یہ کہتے ہیں اور پلکیں مارتے ہیں -

یہ لوگ دانا ہیں اور ہر واقعے کی ان کو خبر ہی- اس لیے ان کے تمسخر کی کوئی انتہا نہیں - جھگڑا تو اب بھی ہوتا ہی لیکن صلح جلد ہوجاتی ہی- ورنہ اندیشہ رہتا ہی کہ کہیں ہاضمہ نہ خراب ہوجائے.

ان کے پاس دن کے لیے دل بستگی کے سامان الگ ہیں- اور رات کے لیے الگ- با ایں ہمہ وہ تندرستی کی قدر کرتے ہیں-

آخری انسان پلکیں مار کر کہتے ہیں:" خوش وقتی کو ہم نے ایجاد کیا ہی"

یہاں زردشت کی پہلی تقریر ختم ہوتی ہی جس کا نام لوگوں نے 'تمہید' بھی کہا ہی-کیوں کہ یہاں پر لوگوں کے شور اور مذاق نے اس کا قطعِ کلام کر دیا اور وہ با آوازِ بلند کہنے لگے" اے زردشت یہ آخری انسان تو ہمیں دے دے، یہ آخری انسان ہمیں بنا دے اور فوق البشر کو ہم تیرے لیے چھوڑے دیتے ہیں" اور سب لوگ خوشی سے پھول گئے اور زبانیں چٹخارنے لگے- لیکن زردشت اداس ہوگیا اور اپنے دل میں کہنے لگا:-

یہ لوگ میری بات نہیں سمجھتے۔ میں وہ منہہ نہیں ہوں جو
ان کانوں کے لیے بنایا گیا ہو۔
میں نے ضرورت سے زیادہ کوہستان میں زندگی بسر کی ہے،
ضرورت سے زیادہ چشموں اور درختوں کی آواز سنی ہے اور اب
میں ان سے چرواہوں کی طرح باتیں کرتا ہوں۔
آسودہ ہے میری روح اور درخشاں، جیسے کہ صبح کے وقت
پہاڑ ہوتے ہیں۔ لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ میں ٹھنڈا پڑگیا ہوں اور
سخت مذاق کے ساتھ ان کا تمسخر کرتا ہوں۔
اب وہ مجھے دیکھتے اور ہنستے ہیں اور ان کی ہنسی میں میری
طرف سے نفرت بھی پائی جاتی ہے۔ ان کی ہنسی برف کی طرح
ٹھنڈی ہے۔

(۶)

اب ایک ایسی بات ہوئی کہ ساری زبانیں بند ہوگئیں اور
ساری نگاہیں ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگیں۔ وہ بات یہ تھی کہ نٹ
نے اپنے کرتب شروع کر دیے تھے۔ وہ ایک چھوٹے سے دروازے
سے نکل کر اس رسی پر چڑھ گیا تھا جو دو مناروں کے درمیان
میں بندھی ہوئی تھی، یعنی اس کے نیچے بازار اور تماشائی
تھے۔ جب وہ آدھا راستا طے کرچکا تو وہ چھوٹا دروازہ پھر ایک
بار کھلا اور اس میں سے ایک شخص مسخروں کی طرح رنگ برنگ
کے کپڑے پہنے ہوئے نکلا اور پہلے نٹ کے پیچھے تیزی کے
ساتھ روانہ ہوا اور کریہہ آواز سے کہنے لگا "آگے بڑھ، او اپاہج!

آگے بڑھ، او کام چور، دغا باز، مردہ رنگ! ایسا نہ ہو کہ میں تجھے اپنے پاؤوں کے نیچے کچل ڈالوں! یہاں مناروں کے بیچ میں تو کیا کر رہا ہے؟ تجھے تو منارے کے اندر قید کرنا چاہیے، تو اپنے سے بہتر کرتبی کی راہ روکتا ہے!" وہ یہ کہتا ہوا قریب آتا جاتا تھا اور جب دونوں کے درمیان صرف ایک قدم کا فاصلہ رہ گیا تو وہ بات پیش آئی جس سے ساری زبانیں بند ہوگئیں اور ساری نگاہوں کی ٹکٹکی بندھ گئی۔ وہ شیطان کی طرح چیخا اور اس شخص کے اوپر سے کود گیا جو اس کی راہ میں حائل تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ اس کا رقیب اس سے بازی لیے جاتا ہے تو نہ اس کے سر میں ہوش و حواس قایم رہے اور نہ پاؤوں کے نیچے رسی۔ اس نے اپنا بانس گرا دیا مگر خود اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ نیچے کی طرف گرا، گویا اس کے ہاتھ پاؤں چکر کھا رہے تھے بازار اور تماشائیوں کی وہ حالت ہوگئی جو طوفان کے وقت سمندر کی ہوتی ہے۔ لوگ ادھر اُدھر اور ایک دوسرے کے اوپر سے بھاگے اور یہ حالت بالخصوص اس جگہ کی تھی جہاں وہ جسم گرنے والا تھا۔

لیکن زردُشت اپنی جگہ سے نہیں ہلا اور وہ جسم ٹھیک اس کے پاس آکر گرا اور اس کی ہڈیاں پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ لیکن ابھی اس میں جان باقی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس زخمی کو ہوش آیا اور اس نے دیکھا کہ زردُشت اس کے پاس گھٹنے ٹیکے کھڑا ہے اور وہ اس سے یوں کہنے لگا:" تو یہاں کیا کر رہا ہے؟ مجھے یہ

بہت پہلے سے معلوم تھا کہ شیطان میرے آگے اپنی ٹانگ اڑا دے گا۔ آخرکار اب وہ مجھے دوزخ میں لے جائے گا۔ کیا تو اس کو اس بات سے روک سکتا ہی؟"

زردشت نے جواب دیا:" ای دوست، میں تجھ سے اپنی عزت آبرو کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ جن چیزوں کا تو ذکر کر رہا ہی ان کی کچھ اصلیت نہیں۔ نہ تو شیطان کا وجود ہی اور نہ دوزخ کا۔ تیری روح تیرے بدن سے پہلے ہی مردہ ہوجائے گی۔ تجھے کسی چیز سے ڈرنا نہیں چاہیے!"

وہ شخص شک بھری نظروں سے دیکھنے لگا اور اس نے کہا "اگر تو سچ کہتا ہی تو اس کے معنے یہ ہیں کہ جان جانے سے میری کوئی چیز ضایع نہ ہوگی۔ مجھ میں اور اس جانور میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہی جسے مار کر اور بھوکا رکھ کر ناچنا سکھایا گیا ہو۔"

زردُشت نے جواب دیا "نہیں، نہیں، خطرے کو تو تو نے اپنا پیشہ بنایا ہی۔ یہ کوئی قابلِ حقارت بات نہیں۔ اب اپنے پیشے کی وجہ سے تو برباد ہورہا ہی۔ اس وجہ سے میں تجھے خود اپنے ہاتھ سے دفن کروں گا۔"

جب زردُشت یہ کہہ چکا تو اس اجل رسیدہ کے مُنہ سے کوئی جواب نہ نکلا لیکن اس نے اپنے ہاتھ کو جنبش دی، گویا وہ شکرگزاری کے لیے زردُشت کے ہاتھ کو ڈھونڈھتا تھا۔

(۷)

اب شام ہوگئی تھی اور بازار پر اندھیرا چھا گیا تھا۔ لوگ

وہاں سے چلتے ہوئے، کیوں کہ شوق اور دہشت کی بھی آخر ایک حد ہوتی ہو۔ لیکن زرتُشت مردے کے پاس بیٹھا رہا اور اپنے خیالات میں محو ہوگیا۔ اس لیے اُسے وقت کا اندازہ نہ رہا۔ لیکن بالآخر رات ہوگئی اور اس تنہائی میں ٹھنڈی ہوا بھی چلنے لگی۔ اب زرتُشت اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا:۔

"واقعی زرتُشت کو آج اچھا شکار ہاتھ لگا ہو! کوئی آدمی تو شکار نہ ہوا، لیکن ہاں ایک لاش ہوگئی۔

تاریک ہو انسان کا وجود اور اب تک بے معنی۔ ایک مداری اس کے لیے باعثِ ہلاکت ہوسکتا ہو۔

میں چاہتا ہوں کہ انسانوں کو ان کے وجود کا مفہوم سمجھاؤں یہ مفہوم فوق البشر ہو اور سیاہ بادل یعنی انسان کے اندر کی بجلی۔

لیکن میں ابھی تک ان سے دور ہوں اور میری حس ان کی حسیات سے ہم آہنگ نہیں ہوتی۔ انسان اب تک مجھے ایک ایسی چیز سمجھتے ہیں جو ایک بے وقوف اور ایک لاش کے درمیان ہو۔

اندھیری ہو رات اور تاریک ہیں زرتُشت کے راستے۔ آ، اے ٹھنڈے اور اکڑے ہوئے ساتھی! میں تجھے ایسی جگہ لیجاؤنگا جہاں میں تجھے خود اپنے ہاتھ سے دفن کروں۔"

(۸)

جب زرتُشت یہ باتیں اپنے دل سے کہہ چکا تو اس نے لاش کو اپنی پیٹھ پر لادا اور وہاں سے چل دیا۔ ابھی وہ سو قدم بھی نہ جانے پایا تھا کہ ایک شخص اس کے پاس چپکے سے آیا

اور اس کے کان میں کہنے لگا۔ اور یہ کہنے والا وہی منارے والا مداری
تھا: " ای زرتُشت، اس شہر سے بھاگ جا! یہاں بے شمار لوگ
تجھ سے نفرت کرتے ہیں: نیک اور اللہ والے تجھ سے متنفر ہیں
اور کہتے ہیں کہ تو ان کا دشمن ہے اور ان کو نظرِ حقارت سے دیکھتا
ہے۔ سچا ایمان رکھنے والے تجھ سے متنفر ہیں اور کہتے ہیں کہ تو عوام کے لیے
باعثِ خطرہ ہے۔ یہ تیری خوش قسمتی تھی کہ لوگ تجھ پر ہنستے تھے،
اور سچ تو یہ ہے کہ تو مداریوں کی طرح باتیں کرتا تھا۔ یہ تیری خوش
قسمتی تھی کہ تو نے اس کتے مردار کا ساتھ دیا۔ اپنے آپ کو
ذلیل کرنے کی وجہ سے آج تیری جان بچ گئی۔ بہتر ہے کہ تو اس
شہر سے چلتا ہو، ورنہ میں کل تیرے اوپر سے بھی کود جاؤں گا
جیسے زندہ مردے کے اوپر سے کودتا ہے۔" وہ شخص تو یہ کہہ کر
غایب ہوگیا اور زرتُشت اندھیری گلیوں میں آگے بڑھا۔

شہر کے دروازے پر اس کو قبرکن ملے۔ انھوں نے مشعل
کی روشنی میں اس کے چہرے کو دیکھا، پہچانا، کہ یہ زرتُشت ہے
اور اس کا بڑا مذاق اڑایا: " زرتُشت مردار کتے کو لیے جارہا ہے
کیا خوب! زرتُشت قبرکن ہوگیا ہے۔ ہمارے ہاتھ اس کباب کے
چھونے سے پاک ہیں۔ کیا زرتُشت شیطان کا لقمہ چرا لے جائے گا؟
اچھا تو یوں ہی سہی! خدا کرے تجھے یہ لقمہ مبارک ہو! کہیں
ایسا نہ ہو کہ شیطان زرتُشت سے بڑھکر چور ثابت ہو اور دونوں
کو چرا کر ہڑپ کر جائے۔" اور وہ آپس میں خوب ہنسے اور ایک
دوسرے سے کانا پھوسی کرنے لگے۔

زردُشت نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور اپنی راہ لی۔ جنگل جنگل اور ترائی ترائی دو گھنٹے چلنے کے بعد اُسے بے شمار بھوکے بھیڑیوں کی آواز سنائی دی اور وہ خود بھی بھوکا تھا۔ لہٰذا وہ ایک تنہا مکان کے پاس ٹھیر گیا جہاں روشنی جل رہی تھی۔

زردُشت کہنے لگا" بھوک مجھ پر ڈاکو کی طرح حملہ کر رہی ہے۔ میری بھوک مجھ پر جنگلوں اور ترائیوں میں اور بہت رات گئے حملہ آور ہے میری بھوک عجب تنک مزاج ہے! اکثر تو وہ کھانے کے بعد آتی ہے اور آج دن بھر نہیں آئی۔ آخر کہاں رہی؟"

اس کے بعد اس نے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ ایک بوڑھا آدمی باہر نکلا، اس کے ہاتھ میں ایک چراغ تھا اور اس نے پوچھا "تم کون ہو جو میری نیند اُچاٹ کرنے میرے پاس آئے ہو؟"

زردُشت نے جواب دیا" ایک زندہ اور ایک مردہ۔ مجھے کھانا کھلائیے اور پانی پلائیے۔ آج دن میں میں بھول گیا تھا۔ عقل مندوں کا قول ہے کہ جو بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے وہ خود اپنی روح کو تازگی بخشتا ہے۔

بوڑھا اندر گیا اور فوراً واپس آیا اور زردُشت کے سامنے روٹی اور شراب پیش کی اور کہنے لگا" بھوکوں کے لیے یہ بری جگہ ہے۔ اس لیے میں یہاں رہتا ہوں۔ جانور اور انسان مجھ تارک الدنیا کے پاس آتے ہیں۔ ہاں اپنے ساتھی سے بھی تو کہہ کہ کھائے اور پیے، وہ تجھ سے زیادہ تھکا ماندہ ہے" زردُشت نے جواب دیا" میرا ساتھی تو مردہ ہے۔ اسے کھانے پینے کی ترغیب دینا میرے لیے مشکل کام ہے" بوڑھے نے تیوری چڑھا کر کہا" اس سے مجھے مطلب نہیں۔ جو میرے دروازے

پر دستک دے اسے چاہیے کہ جو کچھ میں حاضر کروں اسے ضرور قبول کرے۔ کھاؤ اور خوش و خرّم رہو!"

اس کے بعد زرتُشت راہ اور ستاروں کی روشنی پر بھروسا کرکے دو گھنٹے اور چلا، کیوں کہ اس کو شب گشتی کی عادت تھی اور سونے والوں کے چہروں پر نظر ڈالنا اسے بھاتا تھا۔ لیکن جب صبح نمودار ہوئی تو اس نے اپنے آپ کو ایک گھنے جنگل میں پایا جہاں کسی طرف کوئی راستا نظر نہ آتا تھا۔ لہٰذا اس نے لاش کو اپنے سرہانے ایک کھوکھلے درخت کے اندر رکھ دیا، کیوں کہ وہ اسے بھیڑیوں سے بچانا چاہتا تھا اور وہ خود نیچے گھاس پر لیٹ گیا۔ اسے فوراً نیند آگئی، جسم تھکا ماندہ تھا لیکن روح مطمئن تھی۔

(۹)

زرتُشت بہت دیر تک سوتا رہا، یہاں تک کہ تڑکا گزر گیا اور پہلا پہر آگیا۔ بالآخر اس کی آنکھ کھلی اور اس نے متعجب ہو کر دیکھا کہ چاروں طرف جنگل اور سکوت کا عالم ہے اور تعجب کے ساتھ اس نے اپنے اوپر غور کیا۔ پھر وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا، مثل اس ملّاح کے جسے ساحل نظر آنے لگا ہو اور اس نے خوشی کا نعرہ بلند کیا، کیوں کہ اس کو ایک نئی سچائی کا مشاہدہ ہوا اور وہ اپنے دل سے یوں مخاطب ہوا:۔

"مجھے ایک جلوہ نظر آرہا ہے۔ مجھے ساتھیوں کی ضرورت ہے اور زندہ ساتھیوں کی، نہ کہ مردہ ساتھیوں اور لاشوں کی جن کو میں جہاں چاہوں لیے لیے پھروں۔

بلکہ مجھے زندہ ساتھی درکار ہیں جو میری پیروی کریں، کیوں کہ

وہ خود اپنی پیروی چاہتے ہیں اور جہاں میں چاہوں وہ میرے پیچھے پیچھے چلیں۔

مجھے ایک جلوہ نظر آرہا ہے۔ زردشت کو عوام الناس سے گفتگو نہ کرنی چاہیے۔ بلکہ ساتھیوں سے۔ زردشت کو گلّے کا چرواہا اور کتّا نہ بننا چاہیے!

میرے آنے کا مقصد بہتیروں کو پھسلا کر گلّے سے الگ کر لینا ہے۔ عوام اور گلّے کو مجھ سے ناراض ہونا چاہیے۔ زردشت چاہتا ہے کہ گلہ بان اسے ڈاکو کے نام سے پکاریں۔

گلہ بان تو میں کہتا ہوں، مگر وہ اپنے آپ کو نیک اور اللہ والے کہتے ہیں۔ گلہ بان تو میں کہتا ہوں، مگر وہ اپنے آپ کو سچے اعتقاد والے کہتے ہیں۔

ان نیکیوں اور اللہ والوں کو دیکھو تو سہی! وہ سب سے زیادہ کس سے نفرت کرتے ہیں؟ اس سے جو ان کی قیمتیات کی جدولوں کو محو کر دیتا ہے، محو کرنے والے سے، مجرم سے۔ مگر یہی تو پیدا کرنے والا ہے۔

ہر اعتقاد کے معتقدین کو دیکھ! وہ سب سے زیادہ کس سے نفرت کرتے ہیں؟ اس سے جو ان کی قیمتیات کی جدولوں کو محو کر دیتا ہے، محو کرنے والے سے، مجرم سے۔ مگر یہی تو پیدا کرنے والا ہے۔

تخلیق کرنے والے کو تلاش ہے ساتھیوں کی، نہ کہ لاشوں کی، اور نہ گلوں اور معتقدین کی۔ تخلیق کرنے والے کو تلاش ہے ان کی جو اس کے ساتھ مل کر پیدا کریں، ان کی جو نئی جدولوں پر نئی قیمتیات درج کریں
تخلیق کرنے والے کو تلاش ہے ساتھیوں کی اور مل کر فصل کاٹنے

والوں کی، کیوں کہ تمام غلہ اس کے پہلو میں تیار کھڑا ہے۔ لیکن اس کے
پاس سو ہنسیوں کی کمی ہے، لہٰذا وہ بالیوں کو نوچتا ہے اور خفا ہوتا ہے۔
تخلیق کرنے والے کو تلاش ہے ساتھیوں کی اور ایسے ساتھیوں کی
جو اپنے ہنسیوں پر باڑھ رکھنا جانتے ہیں۔ لوگ تو کہیں گے کہ یہ برباد
کرنے والے ہیں اور نیک و بد کو نظرِ حقارت سے دیکھنے والے ہیں۔ لیکن
ہیں یہ فصل کاٹنے والے اور خوشی منانے والے۔
زرتشت کو تلاش ہے مل کر تخلیق کرنے والوں کی، زرتشت کو
تلاش ہے مل کر فصل کاٹنے والوں کی اور مل کر خوشی منانے والوں کی،
اسے گلوں اور چرواہوں اور لاشوں سے کیا واسطہ!
اور تو، اے میرے پہلے ساتھی، آرام سے زندگی بسر کر، میں نے
تجھے اس کھوکھلے درخت میں اچھی طرح دفن کردیا ہے، میں نے تجھے
بھیڑیوں سے خوب محفوظ کردیا ہے۔
مگر اب میں تجھ سے رخصت ہوتا ہوں، اب وقت آگیا ہے۔ ایک
تڑکے اور دوسرے تڑکے کے درمیان مجھ پر ایک نئی سچائی جلوہ گر ہوئی ہے
مجھے چرواہا نہ ہونا چاہیے اور نہ قبر کن۔ عوام سے میں بات بھی نہیں
کرنا چاہتا! مردے سے میں آخری مرتبہ باتیں کر چکا۔
میں ساتھ دوں گا تخلیق کرنے والوں کا، فصل کاٹنے والوں کا
اور خوشی منانے والوں کا۔ میں ان کو قوس قزح دکھلاؤں گا اور تمام
زینے فوق البشر کے۔
ویرانے کے اکیلوں کے آگے میں اپنا گیت گاؤں گا اور دکیلوں کے
آگے۔ اور میں اپنی خوش وقتی سے ان لوگوں کے دلوں کو مغموم کردوں گا جن کے

کان ناشنیدہ باتوں کے سننے کی استعداد رکھتے ہیں۔

میں اپنے مقصد تک پہنچنا چاہتا ہوں اور اپنے راستے پر چلا جار ہا ہوں ہچکچا کر رہ جانے والوں اور ٹال مٹول کرنے والوں کے اوپر سے میں کود جاؤں گا۔ لہٰذا میرا اقدام ان کے انحطاط کی دلیل ہونی چاہیے۔

(۱۰)

یہ باتیں زرتُشت نے اپنے دل سے اس وقت کہی تھیں جب کہ سورج نصف النہار پر تھا۔ اس کے بعد اس نے آسمان کی طرف ایک نظرِ غائر ڈالی کیوں کہ اسے ایک پرندے کی کرخت آواز سنائی دی تھی، اور وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک عقاب ہوا میں بڑے بڑے چکر لگا رہا ہے اور ایک سانپ کو لٹکائے ہوئے ہے، نہ مثل شکار کے بلکہ مثل دوست کے، کیوں کہ وہ عقاب کی گردن میں کُنڈلی ڈالے ہوئے تھا۔

زرتُشت نے کہا کہ یہ میرے جانور ہیں اور وہ خوشی سے پھول گیا۔

"ان میں سے ایک دنیا کا سب سے غیور جانور ہے اور دوسرا سب سے زیادہ سمجھ دار۔ وہ سراغ رسانی کے لیے باہر نکلے ہیں۔

وہ اس بات کی سراغ رسانی کے لیے نکلے ہیں کہ آیا زرتُشت اب تک زندہ ہے۔ سچ مچ، کیا میں اب تک زندہ ہوں؟

میرے نزدیک جانوروں میں رہنے سے انسانوں میں رہنا زیادہ خطرناک ہے۔ زرتُشت کا راستا بہت خطرناک ہے۔ کاشکے. میرے جانور میری رہبری کریں!"

جب زرتُشت یہ کہہ چکا تو اس کو جنگل والے بزرگ کی باتیں یاد آئیں اور اس نے ایک آہ کھینچی اور اپنے دل میں یوں کہنے لگا:۔

"کاشکے میں زیادہ سمجھ دار ہوتا! کاشکے میری گھُٹّی میں سمجھ پڑی ہوتی ہوتی، مثل میرے سانپ کے۔
لیکن میں ناممکن بات کی درخواست کرتا ہوں۔ تو پھر میں اپنی غیرت سے التجا کرتا ہوں کہ وہ ہمیشہ میری سمجھ کے ساتھ رہے!
اور اگر کبھی میری سمجھ مجھے چھوڑ دے، ہائے وہ بھاگ جانا پسند کرتی ہی، تو کاش میری غیرت بھی اس کے ساتھ بھاگ جائے!"
یوں زردشت کا نزول شروع ہوا۔

زردشت کی تقریریں

تین تغیّرات

میں تمھیں روح کے تین تغیّرات بتاتا ہوں یہ کہ روح کس طرح اونٹ بن جاتی ہے اور اونٹ کس طرح شیر اور بالآخر کس طرح شیر بچّہ بن جاتا ہے۔

روح پر بہت سے بوجھ ہیں، اس روح پر جو مضبوط اور بار بردار ہے اور جس کے اندر خوفِ خدا جاگزیں ہے۔ اس کی قوّت بوجھل سے بوجھل بار کی مقتضی ہے۔

"بوجھل کیا چیز ہے؟ لاؤ!" باربردار روح یہ پوچھتی ہے اور مثل اونٹ کے گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتی ہے اور چاہتی ہے کہ اس پر خوب بوجھ لاد دیا جائے۔

"اے سورماؤ، سب سے بوجھل کیا چیز ہے؟ لاؤ!" باربردار روح یہ پوچھتی ہے" تاکہ میں اس کو اپنے اوپر لاد لوں اور اپنی قوّتِ بازو پر ناز کروں"۔

کیا وہ یہ نہیں ہے: اپنے آپ کو ذلیل کرنا تاکہ اپنے تکبّر کو تکلیف پہنچے؟ اپنی بے وقوفی کو آب و تاب دینا تاکہ اپنی عقل مندی کا مذاق اُڑایا جائے؟

یا وہ یہ ہے:۔ اپنے مقصد کو اس وقت ترک کر دینا جب وہ اپنی کامیابی کی خوشی منا رہا ہو؟ پھُسلانے والے کو پھُسلانے کے لیے اونچے پہاڑ پر چڑھنا؟

یا وہ یہ ہے:۔ معرفت کے بیر اور گھاس کھاکر زندگی بسر کرنا اور سچائی کی خاطر روح کو بھوکا مارنا؟

یا وہ یہ ہے:۔ بیمار ہونا اور تیمار داروں کو رخصت کردینا، اور بہروں سے دوستی کرنا جو تیرا کہا بالکل نہیں سنتے؟

یا وہ یہ ہے:۔ میلے پانی میں اُترنا بشرطیکہ وہ سچائی کا پانی ہو اور اپنے آپ کو ٹھنڈے اور گرم مینڈکوں سے نہ بچانا؟

یا وہ یہ ہے:۔ جو ہمیں ذلیل سمجھتے ہیں ان سے محبّت کرنا، اور بھوت سے مصافحہ کرنا جب کہ وہ ہمیں ڈرانا چاہتا ہو؟

بار بردار روح یہ تمام بوجھل سے بوجھل چیزیں اپنے اوپر لاد لیتی ہے مثل اس اونٹ کے جو بوجھ لاد کر ریگستان کی طرف دوڑتا ہے۔ اسی طرح وہ روح بھی بیان کی طرف دوڑتی ہے۔

لیکن سنسان ریگستان میں دوسرا تغیّر واقع ہوتا ہے: یہاں روح شیر ہوجاتی ہے اور لڑکر اپنی آزادی حاصل کرنا چاہتی ہے اور خود اپنے ریگستان میں مالک بن کر رہنا چاہتی ہے۔

وہ یہاں اپنے گزشتہ مالک کو تلاش کرتی ہے، وہ اس کی اور اپنے گزشتہ خدا کی دشمن بن جاتی ہے، وہ بڑے اژدہے کو پچھاڑنا چاہتی ہے۔

وہ بڑا اژدہا کون ہے جس کو وہ مالک اور خدا کے نام سے پکارنا نہیں چاہتی؟ اس بڑے اژدہے کا نام ہے: 'تجھ پر یہ فرض ہے'، مگر شیر کی روح کہتی ہے: 'میری یہ خواہش ہے'۔

'تجھ پر یہ فرض ہے'، اس کے بر سرِ راہ ہے، اس میں سے سنہری شعاعیں نکل رہی ہیں۔ وہ ایک سنّے والا جانور ہے اور ہر سنّے پر

سنہرے لفظوں میں لکھا ہوا ہی: 'تجھ پر یہ فرض ہی'۔
ان ستونوں پر ہزار سالہ قیمتیات درخشاں ہیں اور وہ قوی ترین اژدہا
یوں کہتا ہی: "چیزوں کی تمام قیمتیات میرے اوپر درخشاں ہیں۔
تمام قیمتیات پیدا ہوچکی ہیں اور ساری پیدا شدہ قیمتیات میں
ہوں۔' میری یہ خواہش ہی' ہرگز نہ ہونا چاہیے!" یہ ہی قول اس اژدہے کا
میرے بھائیو، روح میں شیر کی کیا ضرورت ہی؟ بار بردار جانور
میں کیا کمی ہی جس میں توکل اور خوف پایا جاتا ہی؟
نئی قیمتیات پیدا کرنا تو ابھی شیر کے امکان میں بھی نہیں ہی۔ لیکن
ہاں وہ یہ کرسکتا ہی کہ نئی چیزیں پیدا کرنے کے لیے اپنے میں قوت پیدا کرلے۔
میرے بھائیو، شیر کی اس لیے ضرورت ہی کہ اپنے اندر آزادی پیدا
کی جائے اور فرض کے مقابلے ایک پاک 'نہیں' کہا جا سکے
ایک بار بردار اور خوف زدہ روح کے لیے یہ سب سے زیادہ ہیبت
ناک امر ہی کہ وہ نئی قیمتیات کا حق اپنے لیے حاصل کرلے۔ یہ واقعی ڈاکہ ہی
اور ایک درندے کا فعل۔
ایک وقت تھا کہ روح کو 'تجھ پر یہ فرض ہی' سے مثل پاک ترین چیز کے
محبت تھی۔ لیکن اب وہ پاک ترین چیز میں بھی خام خیالی اور خودرائی پانے پر مجبور
ہی کیوں کہ وہ اپنے محبوب سے بزور اپنی آزادی حاصل کرنا چاہتا ہی۔ ہاں
اس ڈاکے کے لیے اس کو شیر کی ضرورت ہی۔
لیکن میرے بھائیو، کہو تو سہی کہ وہ کون سی بات ہی جو بچے سے
ہوسکتی ہی اور شیر اس کے کرنے سے عاجز ہی۔ آخر شیر درندہ کو بچہ بننے
کی کیا ضرورت پڑتی؟

بچّہ مجسم معصومیت ہی اور بھولاپن ، ایک ابتدا ہی ، ایک کھیل ، ایک خود بخود پھرنے والا پہیا ، ایک حرکتِ ابتدائی اور ایک پاک' ہاں کہنا'

ہاں میرے بھائیو ، پیدائش کے کھیل کے لیے ایک پاک ہاں کہنے کی ضرورت ہی۔ روح اب اپنی ہٹ پر قایم ہی۔ جو دنیا کو کھو بیٹھا تھا اس نے خود اپنی دنیا پیدا کرلی

میں نے تمھیں روح کے تین تغیراتِ بتائے تھے کہ وہ کس طرح اونٹ ہوگئی اور اونٹ کس طرح شیر ہوگیا اور بالآخر شیر کس طرح بچّہ بن گیا۔

یہ تھی تقریر زردشت کی اور اس وقت وہ ایک شہر میں مقیم تھا جس کا نام 'چتکبری گائے' تھا۔

نیکیوں کی مسندِ درس

لوگوں نے زردشت سے ایک عقلمند کی بڑی تعریف کی تھی کہ وہ نیند اور نیکیوں کے بارے میں خوب وعظ کرسکتا ہی ، اور اس وجہ سے لوگ اس کی بڑی عزت کرتے ہیں اور اسے انعام و اکرام دیتے ہیں اور ہر نوجوان اس کی مسندِ درس کے آگے دوزانو ہوتا تھا۔ اس شخص کے پاس زردشت بھی پہنچا اور نوجوانوں کے ساتھ اس کی مسندِ درس کے آگے بیٹھ گیا۔ اور وہ عقلمند یوں مخاطب ہوا :۔

نیند کے سامنے عزّت اور حیا سے پیش آو ! یہ سب سے پہلی بات ہی۔ اور ان سب سے بچ کر رہو جو بُری نیند سوتے ہیں اور رات

کو جاگتے ہیں!
چور تک نیند کے سامنے حیا کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ رات کے وقت دبے پاؤں
چلتا ہے۔ لیکن بے حیا ہے رات کا چوکی دار، بے حیائی کے ساتھ وہ بگل لیے
پھرتا ہے!۔
سونا کوئی چھوٹی صنعت نہیں۔ اس کے لیے اس بات کی ضرورت
ہے کہ دن بھر جاگا جائے۔
دن میں دس بار تجھے اپنے نفس کو مارنا چاہیے۔ اس سے خوب تکان
پیدا ہوتا ہے اور وہ روح کے لیے خش خاش کا کام دیتا ہے۔
اور پھر دن میں دس ہی بار تجھے اپنے نفس سے مصالحت کر لینا
چاہیے، کیونکہ غالب آنے سے دل میں کدورت پیدا ہوتی ہے اور جو صلح نہیں
کرتا وہ بری نیند سوتا ہے۔
دن میں تجھے دس سچائیاں ملنی چاہئیں۔ ورنہ تجھے رات میں بھی
سچائی ڈھونڈنی پڑے گی اور تیری روح بھوکی رہے گی۔
دن میں تجھے دس بار ہنسنا اور بشاش ہونا چاہیے۔ ورنہ رات میں
تیرا معدہ تجھے تکلیف دے گا، یہ معدہ جو رنج و غم کا پیدا کرنے والا ہے!
بہت کم لوگوں کو اس کا علم ہے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ اچھی نیند سونے
کے لیے تمام خوبیوں کے موجود ہونے کی ضرورت ہے۔ کیا میں جھوٹی گواہی
دوں گا؟ کیا میں زنا کروں گا؟
کیا میں اپنے پڑوسی کی خادمہ کو ورغلاؤں گا؟ یہ سب چیزیں اچھی نیند
کے ساتھ میل نہیں کھاتیں۔
اور اگر کسی میں یہ سب خوبیاں ہوں بھی تو اس کو ایک بات اور بھی

سمجھنا چاہیے، اور وہ یہ ہی کہ خود خوبیوں کو بھی اپنے وقت پر سُلا دینا چاہیے، تاکہ وہ ایک دوسرے سے جھگڑا نہ کریں، یہ بھلی مانس عورتیں! اور تیرے بارے میں نہ جھگڑیں، ای بدنصیب!

اچھی نیند یہ چاہتی ہی کہ خدا کے ساتھ اور پڑوسی کے ساتھ صلح رہے اور پڑوسی کے شیطان کے ساتھ بھی صلح رہے۔ ورنہ وہ رات کے وقت تجھے ستائے گا۔

عزّت اور اطاعت سرکار کے لیے، خواہ سرکار میں کجی ہی کیوں نہ ہو! یہ ہی اچھی نیند کی خواہش۔ میں اس میں کیا کرسکتا ہوں کہ قوت ہمیشہ کج رفتار رہنا پسند کرتی ہی؟

میرے نزدیک ہمیشہ وہی بہترین چرواہا کہلائے گا جو اپنی بھیڑوں کو سرسبز ترین چراگاہ میں لے جاتا ہو۔ اس کا جوڑ اچھّی نیند کے ساتھ بیٹھتا ہی۔

بہت زیادہ اعزاز میں نہیں چاہتا، اور نہ بڑے خزانے۔ اس سے تلّی بڑھ جاتی ہی۔ لیکن بغیر نیک نامی اور چھوٹے سے خزانے کے اچھّی نیند نہیں آتی۔

تھوڑے ساتھیوں کا ہونا میرے نزدیک زیادہ خوش گوار ہی بہ نسبت برے ساتھیوں کے۔ لیکن ان کی آمد و رفت ٹھیک وقت پر ہونا چاہیے۔ اس کا جوڑ اچھی نیند سے بیٹھتا ہی۔

وہ لوگ بھی مجھے بہت پسند ہیں جو دماغی حیثیت سے کم مایہ ہیں، کیوں کہ وہ محرّک ہیں نیند کے۔ یہ لوگ مبارک ہیں، بالخصوص جب لوگ ہمیشہ ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔

اس طرح نیک لوگوں کا دن گزرتا ہی۔ اور جب رات ہوتی ہی تو

میں نیند کو بلانے سے احتراز کرتا ہوں۔ وہ یہ نہیں چاہتی کہ اس کو بلایا جائے
وہ نیند جو نیکیوں کی سردار ہے!۔
بلکہ میں یہ سوچتا ہوں کہ میں نے دن میں کیا کیا کیا اور کیا کیا
سوچا۔ میں شُل گائے کے صبر کے ساتھ جگالی کرتا ہوں اور اپنے دل
سے پوچھتا ہوں: "ہاں وہ تیرے دس غلبے کون کون سے ہیں؟
اور وہ دس مصالحتیں کون کون سی ہیں اور وہ دس سچائیاں
اور دس ہنسیاں جن سے میرا دل بشاش تھا؟"
اسی سوچ میں مَیں ہوتا ہوں اور یہ چالیس خیالات مجھے جھُولا
جھلاتے ہوتے ہیں کہ فوراً مجھے نیند آجاتی ہے، بِن بُلائی، نیکیوں کی سردار۔
نیند میری آنکھیں تھپتھپاتی ہے اور وہ بھاری پڑجاتی ہیں۔ نیند
میرے مُنہ کو چھوتی ہے اور وہ کھلا کا کھلا رہ جاتا ہے۔
سچ مچ، وہ میرے پاس دبے پاؤں آتی ہے، سب چوروں سے زیادہ
پیاری، اور میرے خیالات کو مجھ سے چرالے جاتی ہے اور میں اس مسندِ
درس کی طرح حواس باختہ کھڑے کا کھڑا رہ جاتا ہوں۔
لیکن پھر زیادہ دیر تک میں نہیں کھڑا رہتا، بلکہ میں فوراً لیٹ جاتا ہوں
جب زردشت نے اس عقلمند کو یہ کہتے ہوئے سُنا تو وہ دل ہی دل
میں ہنسنے لگا، کیوں کہ اس وقت اسے اپنے دل میں ایک روشنی دکھائی
دی اور وہ اپنے دل سے مخاطب ہوکر یوں کہنے لگا:۔
یہ عقلمند مع اپنے چالیس خیالوں کے مجھے پاگل معلوم ہوتا ہے، مگر
مجھے یقین ہے کہ سونے کا فن اسے خوب آتا ہے۔
خوش قسمت ہے وہ شخص جو اس عقلمند کے پڑوس میں رہتا ہے۔

ایسی نیند متعدی ہوتی ہی اور موٹی دیوار سے بھی گزر کر یہ نیند دوسروں میں سرایت کر جاتی ہی۔

خود اس کے مسندِ درس میں ایک جادو ہی اور اس نیکیوں کے واعظ کے سامنے لڑکوں کا بیٹھنا بے فائدہ نہیں۔

اس کی عقلمندی کا سارا مفہوم یہ ہی:۔ جاگنا تاکہ نیند خوب آے۔ اور سچ سچ، اگر زندگی میں کوئی معنے نہ ہوتے اور میں بے معنی چیز کو پسند کرنے کے لیے مجبور ہوتا تو خود میرے لیے یہ بے معنی چیز سب سے زیادہ قابل پسند ہوتی۔

اب مجھ پر یہ صاف ظاہر ہوگیا ہی کہ پرانے زمانے میں جب لوگ استادوں اور نیکیوں کو تلاش کرتے تھے تو بالخصوص کیا چیز ڈھونڈتے تھے۔ لوگ اپنے لیے اچھی نیند ڈھونڈتے تھے اور اس کے علاوہ خشخاشی نیکیاں۔

مسندِ درس کے ان تمام ممدوح عقلمندوں کے نزدیک بغیر خواب والی نیند انتہائی عقلمندی تھی۔ وہ اس سے بہتر اور کوئی زندگی کا مفہوم نہ جانتے تھے۔

اور آج بھی چند ایسے لوگ موجود ہیں، مثلاً یہی نیکیوں کا واعظ، اگرچہ وہ سب ایسے ایمان دار نہیں ہیں۔ مگر ان کا زمانہ ختم ہوچکا ہی۔ اور اب وہ زیادہ دنوں تک قایم نہیں رہ سکتے، دیکھو وہ گرے!۔

مبارک ہیں اونگھنے والے، کیوں کہ انھیں جلد سو جانا چاہیے۔

یہ تھا خطاب زردُشت کا۔

دنیا کے پچھواڑے والے

ایک مرتبہ زردشت نے بھی اپنا تخیل انسان کے پار دوڑایا،

جیسا کہ دنیا کے پچھواڑے والے کیا کرتے ہیں تو؛ مجھے یہ معلوم ہوا کہ عالم
ایک تکلیف زدہ اور پریشان خدا کا کام ہے۔
مجھے ایسا معلوم ہوا کہ دنیا خواب وخیال ہے اور خدا کی شاعری ہے
اور ایسا رنگ برنگ دُھنواں ہے جو ایک غیر مطمئن ربانی ذات کی آنکھوں
کے آگے ہو۔
نیک و بد، اور خوشی و رنج، اور میں اور تو، یہ مجھے ایسا معلوم
ہوا کہ گویا یہ خالق آنکھوں کے آگے ایک رنگ برنگ دُھنواں ہے۔
خالق اپنے سے اور دیکھنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے یہ عالم پیدا کیا۔
تکلیف زدہ کو اس میں نشاء آمیز خوشی ہوتی ہے کہ وہ اپنے رنج
و غم سے اپنی نظر ہٹالے اور بیخودی میں محو ہوجائے۔ نشاء آمیز مسّرت
اور بیخودی: ایک زمانے میں میرا تصوّر عالم کے متعلق یہی تھا۔
یہ دنیا، ہمیشہ نامکمل رہنے والی دنیا، دائمی متضاد باتوں کی تصویر
اور نامکمل تصویر، اپنے نامکمل خالق کے لیے نشاء آمیز خوشی کا باعث
ایک زمانے میں میرا تصوّر عالم کے متعلق یہی تھا۔
علیٰ ہٰذا القیاس میں نے اپنا تخیل ایک بار انسان کے پار دوڑایا
تھا جیسا کہ دنیا کے پچھواڑے والے کیا کرتے ہیں۔ سچ مچ انسان کے پار؟
ارے بھائیو، یہ خدا جس کو میں نے پیدا کیا تھا مثل تمام اور
خداؤں کے انسانی کرتوت تھا اور انسانی حماقت۔
وہ محض انسان تھا اور وہ بھی انسان اور 'میں' کا ایک کم حیثیت
جزء۔ وہ تصویرِ خیالی خود میری اپنی خاک اور آتش سے میرے سامنے
نمودار ہوئی تھی اور حق بھی یہی ہے کہ ماوراسے تو وہ آتی نہیں۔

میرے بھائیو، تو پھر کیا ہوا؟ میں نے اپنی رنجور ذات سے پیچھا چھڑایا۔ میں خود اپنی راکھ پہاڑوں پر لے گیا اور میں نے ایک روشن تر شعلہ ایجاد کیا۔ تو پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ تصویر خیالی چلتی نظر آئی۔

اب ان خیالی تصویروں پر ایمان لانا، جب کہ میں رو بصحت ہوں میرے لیے باعثِ زحمت و پریشانی تھا، باعثِ زحمت اور باعثِ ذلت۔ اس طرح سے میں دنیا کے پچھواڑے والوں سے گفتگو کرتا ہوں۔

وہ چیز زحمت تھی اور تکلیف جس نے دنیا کے کل پچھواڑے والوں کو پیدا کیا تھا، نیز خوش وقتی کی خام خیالی جس کا تجربہ محض زحمت خوردہ لوگوں کو ہو سکتا ہے۔

تمام خداؤں اور دنیا کے پچھواڑے والوں کو پیدا کیا ہے سستی اور کاہلی نے جو ایک جست میں، ایک مہلک جست میں انتہا تک پہنچ جانا چاہتی ہے۔ یہ بے چاری نادان سستی اس کے سوا کچھ بھی نہیں چاہتی۔

میرے بھائیو! میرا کہنا مانو کہ جسم خود جسم سے مایوس تھا اور وہ اسی لیے اپنی بے شعور دماغی انگلیوں سے انتہائی دیواروں کو ٹٹولتا تھا۔

میرے بھائیو، میرا کہنا مانو کہ خود جسم زمین سے مایوس تھا اور وہ یہ سنتا تھا کہ وجود کا پیٹ اس سے باتیں کر رہا ہے۔

اور اب وہ یہ چاہتا تھا کہ سر سے انتہائی دیواروں میں گھس جائے اور یہی نہیں بلکہ یہ بھی کہ وہ 'دوسری دنیا' میں پہنچ جائے۔

مگر "دوسری" دنیا وہ وحشی اور انسانوں سے خالی دنیا جو ایک آسمانی 'ہیچ' ہے، آدمیوں سے خوب پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ اور وجود کا پیٹ انسان سے بالکل باتیں نہیں کرتا اور اگر کرتا ہے تو انسانوں کی طرح کرتا ہے۔

درحقیقت ہر وجود کا ثبوت دینا آسان کام نہیں ہے اور اس سے باتیں کرانا اور بھی مشکل ہے۔ بھائیو، یہ تو بتاؤ، کیا عجیب ترین چیز کا ثبوت سب سے آسان نہیں ہے؟۔

ہاں یہ 'میں'، مع اپنی مخالفت اور گھبراہٹ کے اپنے وجود کا اظہار بے حد ایمان داری سے کرتا ہے، یہ 'میں'، جو پیدا کرنے والا ہے اور ارادہ رکھنے والا اور قدر و قیمت دینے والا ہے اور جو ہر چیز کا پیمانہ ہے اور قیمت

اور یہ بے حد ایمان دار وجود یعنی 'میں'، اس وقت بھی جسم کو یاد کرتا ہے اور اس کا خواہش مند رہتا ہے جب کہ وہ شاعری کرتا ہے اور بھٹکتا ہے اور شکستہ بازوؤں سے پھڑ پھڑاتا ہے۔

یہ 'میں'، روز افزوں ایمان داری کے ساتھ گفتگو کرنا سیکھتا ہے۔ اور جتنی زیادہ اس کو سیکھنے میں کامیابی ہوتی ہے اتنے ہی زیادہ اسے جسم اور زمین کی تعریف میں الفاظ ملتے ہیں۔

میرے 'میں'، نے مجھے ایک نئے غرور کی تعلیم دی ہے اور میں اسے بنی نوع انسان کو سکھاتا ہوں: اپنے سر کو اب آسمانی باتوں کی ریت میں نہ دبکانا چاہیے بلکہ اس خاکی سر کو جس سے زمین میں معنی پیدا ہوتے ہیں اونچا رکھنا چاہیے۔

میں بنی نوعِ انسان کو ایک نئے عزم کی تعلیم دیتا ہوں: جس راستے پر لوگ اب تک آنکھ بند کر کے چلتے رہے ہیں اس پر قایم رہنا اور اس کو ٹھیک سمجھنا اور بیماروں اور فنا ہونے والوں کی طرح اس سے کنارہ کشی نہ کرنا۔

یہ لوگ بیمار اور فنا ہونے والے ہی تو تھے جو جسم اور زمین کو نظرِ حقارت

سے دیکھتے تھے اور جنھوں نے آسمانی ڈھکوسلوں اور نجات دینے والے خون کے قطروں کی ایجاد کی تھی۔ لیکن ان شیریں اور مکدّر زہروں کو بھی انھوں نے جسم اور زمین ہی سے لیا تھا۔

وہ اپنی مصیبت سے بھاگنا چاہتے تھے اور ستارے ان سے بعید دور تھے۔ لہٰذا انھوں نے ایک آہ بھری: "کاش کے آسمانی راستے پیدا ہو جائیں جن کے ذریعے سے ہم دوسرے وجود اور خوش وقتی کی طرف بچ کر نکل جائیں!" اس طرح سے انھوں نے بچنے کے راستے اور خون کے گھونٹ ایجاد کیے۔

اب ان ناشکروں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ وہ اپنے جسم اور اس زمین سے الگ تھلگ ہو گئے۔ لیکن اپنے کنارہ کشی کا تشنج اور اس کی مسرّت انھیں کس کے طفیل میں ہوئی؟ اپنے جسم اور اسی زمین کے طفیل میں۔

بیماروں کے ساتھ زردشت بڑے تحمل سے پیش آتا ہے۔ سچ مچ، وہ نہ ان کی تشفی کے طریقوں سے ناراض ہوتا ہے اور نہ ناشکری کے کاش کے وہ روبصحت ہوں اور تندرست ہو جائیں اور اپنے لیے برتر جسم پیدا کریں!

زردشت روبصحت ہونے والے سے اس وقت بھی ناراض نہیں ہوتا جب کہ وہ اپنی خام خیالی کو محبّت کی نظر سے دیکھتا ہے اور آدھی رات کے وقت چھپ کر اپنے خدا کی قبر کا طواف کرتا ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس کے آنسو بھی بیماری اور بیمار جسم کی دلیل ہیں۔

بہت سے بیمار ہمیشہ سے ان لوگوں میں پائے گئے ہیں جو شاعری کرتے ہیں اور خدا کی تلاش میں رہتے ہیں۔ وہ سختی کے ساتھ نفرت

کرتے ہیں اہل معرفت سے اور ہں سب سے کم عمر اخلاقی خوبی سے جس کا نام ہے: 'ایمان داری'۔

وہ ہمیشہ اپنی نظر تاریک زمانوں کی طرف پھیرتے ہیں۔ اس وقت خام خیالی اور خوش اعتقادی ایک دوسری چیز تھی، سمجھ کا جوش و خروش مشابہتِ خدا تسلیم کیا جاتا ہے اور شک گناہ تھا۔

خدا کے ان ہم شکل لوگوں کو میں خوب جانتا ہوں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان پر ایمان لائیں اور شک کرنے کو وہ گناہ سمجھتے ہیں۔ میں یہ بھی خوب جانتا ہوں کہ وہ خود کس چیز پر سب سے زیادہ ایمان لاتے ہیں

واقعی وہ بھی دنیا کے پچھواڑوں اور نجات دینے والے خون کے قطروں پر سب سے زیادہ ایمان نہیں لاتے بلکہ جسم پر۔ اور خود ان کا جسم ان کے لیے فی نفسہٖ ایک چیز ہے۔

مگر وہ جسم ان کے لیے ایک بیمار شے ہے اور وہ اپنی کینچلی سے نکل کر بھاگنا چاہتے ہیں۔ اسی لیے وہ موت کے واعظوں کا وعظ کان دھر کر سنتے ہیں اور خود دنیا کے پچھواڑوں پر وعظ کرتے ہیں۔

میرے بھائیو، بہتر یہ ہے کہ تم تندرست جسم کی آواز کو کان دھر کر سنو۔ یہ اس سے زیادہ ایمانداری اور پاکبازی کی آواز ہے۔

تندرست جسم زیادہ ایمانداری اور پاکبازی سے بولتا ہے، وہ جسم جو مکمل ہے اور زاویہ قائمہ رکھتا ہے۔ اور زمین کے مفہوم کا ذکر کرتا ہے۔

یہ تھی گفتگو زردشت کی۔

جسم کو نظرِ حقارت سے دیکھنے والے

جو لوگ جسم کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں ان کو میں اپنا فیصلہ

سنانا چاہتا ہوں۔ میرے نزدیک ان کو نہ تو کسی نئی چیز کے سیکھنے کی ضرورت ہے اور نہ سکھانے کی بلکہ ان کو چاہیے کہ وہ خود اپنے جسم کو خیرباد کہیں اور گونگے بن بیٹھیں۔

بچّہ کہتا ہے کہ میں جسم ہوں اور روح۔ پھر بچّوں کی طرح ہی کیوں نہ باتیں کی جائیں؟

لیکن بیدار مغز اور صاحب علم کہتا ہے: میں سرتاپا جسم ہوں اور اس کے سوا کچھ نہیں اور روح ایک "کچھ" کا نام ہے جو جسم کے ساتھ ہے۔

جسم نام ہے ایک عقل کبیر کا۔ وہ ایک کثرت ہے بوحدتِ مفہوم، جنگ ہے اور صلح، گلہ ہے اور گلہ بان۔

بھائی، تیری عقلِ صغیر بھی تیرے جسم کا اوزار ہے جس کو تو نفس، کہتا ہے۔ یہ تیری عقل کبیر کا ایک چھوٹا سا اوزار اور کھلونا ہے۔

تو "میں" کا لفظ کہتا ہے اور اس پر تجھے گھمنڈ ہے۔ مگر تو اس کو نہیں مانتا کہ جو چیز اس سے بھی بڑی ہے وہ تیرا جسم ہے اور اس کی عقلِ کبیر۔ یہ "میں" کہتی نہیں بلکہ "میں" کرکے دکھلا دیتی ہے۔

جس چیز کا ادراک حواس کرتے ہیں اور جس کی معرفت نفس حاصل کرتی ہے وہ فی نفسہ لا منتہا ہی ہے۔ مگر حواس اور نفس تجھ سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ وہ ہر چیز کی غایت ہیں۔ وہ اس قدر خود پسند ہیں۔

حواس اور نفس اوزار اور کھلونے ہیں۔ ان کے پیچھے اب تک "خود" لگا ہوا ہے۔ "خود" بوقتِ تلاش حواس کی آنکھوں سے بھی کام لیتا ہے اور سننے کے وقت نفس کے کانوں کو بھی استعمال کرتا ہے۔

"خود" ہمیشہ کان لگا کر سنتا ہے اور ڈھونڈھتا ہے۔ وہ مختلف چیزوں

میں مقابلہ کرتا ہی، زیر کرتا ہی، فتح کرتا ہی، اور تباہ کرتا ہی۔ وہ حکومت
کرتا ہی اور 'میں' پر بھی اس کی حکومت ہی۔

بھائی، تیرے خیالات اور احساس کی پشت پر ایک بڑا مالک کھڑا ہوا ہی، ایک غیر معروف دانا۔ اس کا نام "خود" ہی، اس کا گھر تیرے جسم میں ہی، وہ خود تیرا جسم ہی۔

تیرے جسم میں زیادہ سمجھ داری ہی بہ نسبت تیری بہترین عقلمندی کے۔ اور کیا معلوم ہی کہ تیرے جسم کو تیری بہترین عقلمندی کی کس لیے ضرورت پڑے؟

تیرا "خود" تیرے "میں" اور اس کی متکبرانہ اُچھلوں پر ہنستا ہی اور اپنے دل میں کہتا ہی "خیالات کی اُچھلوں اور اُچھالوں سے مجھے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہی؟ یہ میرے مقصد تک پہنچنے کے لیے چکر کی راہیں ہیں میں، 'میں'، کو چلنا سکھانے کا آلہ ہوں اور اس کے تصورات کا رازدار مشیر۔"

'خود'، 'میں'، سے کہتا ہی "اس جگہ درد محسوس کر!" اور وہ تکلیف محسوس کرنے لگتا ہی اور سوچنے لگتا ہی کہ کیوں کر اس تکلیف کا خاتمہ ہو۔ اور اسی مقصد کے لیے اسے سوچنے کی ضرورت ہی۔

'خود'، 'میں'، سے کہتا ہی "اس جگہ آرام محسوس کر!" اور وہ خوش ہوتا اور سوچنے لگتا ہی کہ کیوں کر یہ خوشی مجھے بار ہا حاصل ہو۔ اور اسی مقصد کے لیے اسے سوچنے کی ضرورت پڑتی ہی۔

جو لوگ جسم کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں ان سے میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ کسی چیز کو نظرِ حقارت سے دیکھنے کی وجہ یہ ہوتی ہی کہ اس کی عزّت دل میں ہوتی ہی۔ وہ کیا چیز ہی جس نے عزّت اور

حقارت اور قیمت اور ارادے کو پیدا کیا ؟

موجد 'خود' نے عزّت اور حقارت کو پیدا کیا، اس نے مسرّت اور تکلیف کو پیدا کیا۔ موجد جسم نے نفس کو پیدا کیا جو اس کے ارادوں میں دست و بازو کا کام دے۔

اے جسم کو حقارت سے دیکھنے والو، تم اپنی حماقت اور حقارت کے وقت بھی اپنے 'خود' کی خدمت کرتے ہو۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ خود تمھارا 'خود'، فنا ہو جانا چاہتا ہی اور وہ زندگی سے دست بردار تو ہو ہی رہا ہی۔

اس میں اس کام کی بھی قوت نہیں جس کے کرنے کو اس کا دل سب سے زیادہ چاہتا ہی، یعنی اپنے سے بڑھکر پیدا کرنا۔ یہی اس کا دل سب سے زیادہ چاہتا ہی۔ یہی اس کی ساری آرزو ہی۔

لیکن اب اس میں بہت دیر ہو گئی۔ اس لیے تمھارا 'خود' فنا ہو جانا چاہتا ہی، اے جسم کو حقیر سمجھنے والو۔

فنا ہو جانا چاہتا ہی تمھارا 'خود'، اور اسی لیے تم جسم کو حقیر سمجھنے والے ہو گئے ہو، کیوں کہ اب تم اپنے سے بڑھکر پیدا نہیں کر سکتے۔

اور اسی لیے تم زندگی اور زمین سے سخت ناراض ہو۔ تمھاری حقارت کی ترچھی نظروں میں پوشیدہ حسد پایا جاتا ہی۔

اے جسم کو حقارت سے دیکھنے والو، میں تمھاری پیروی نہیں کرتا ! میرے نزدیک تم فوق البشر کے پُل نہیں ہو۔

یہ تھی گفتگو زردشت کی۔

خوشیاں اور جذبے

بھائی میرے، اگر تجھ میں کوئی خوبی ہی اور وہ خود تیری خوبی ہو تو

اس میں کوئی دوسرا تیرا شریک نہیں۔
ظاہر ہے کہ تو اس کو ٹھیک نام سے پکارے گا اور اسے پیار کرے گا
تو اس کے کان کھینچے گا اور اس سے ہنسی مذاق کرے گا۔
مگر دیکھ تو سہی، تجھ میں اور تمام لوگوں میں تو اس خوبی کا نام مشترک ہے
اور تو اپنی خوبی کے لحاظ سے تمام لوگوں اور گلّے کا ایک جز بن گیا ہے۔
بہتر ہوتا اگر تو کہتا: جو چیز میری روح کو تکلیف پہنچاتی ہے اور راحت
بخشتی ہے اور میری آنتوں کے لیے بھوک کا کام دیتی ہے وہ بیان سے باہر
ہے اور اس کا کوئی نام نہیں۔
تیری خوبی اس سے برتر ہونی چاہیے کہ وہ کسی نام سے وابستہ کی جاسکے
اور اگر تجھے لامحالہ اس کا ذکر کرنا ہی ہو تو اس کے متعلق رک رک کر بات
کرنے میں تجھے شرمانا نہ چاہیے۔
لہٰذا کہہ اور رک رک کر بات کر: "یہ میری اپنی پیاری ہے۔ مجھے اس
سے محبت ہے۔ یہ اسی طرح مجھے بالکل پسند ہے۔ میں اس پیاری کو اسی طرح
چاہتا ہوں۔
خدائی احکام کی طرح میں اسے نہیں چاہتا، اور نہ انسانی قانون اور
انسانی ضروریات کی طرح میں اسے چاہتا ہوں اور نہ میں اس کو فوق الارض
اور جنّتوں کے لیے راہبر بنانا چاہتا ہوں۔
جس کو میں پیار کرتا ہوں وہ تو ایک زمینی خوبی ہے۔ ہوشیاری اس
میں کم پائی جاتی ہے اور سب سے کم سمجھ۔
مگر اس چڑیا نے میرے پاس اپنا گھونسلا بنایا ہے۔ اس لیے میں اسے
پیار کرتا اور چمکارتا ہوں۔ اب وہ میرے ہی پاس اپنے سنہرے انڈوں

کو سیتی ہے۔

اس طرح تجھے رک رک کر بولنا چاہیے اور اپنی خوبی کو سراہنا چاہیے۔

ایک وقت تھا کہ تجھ میں جذبے پائے جاتے تھے اور تو ان کو بُرے نام سے یاد کرتا تھا۔ لیکن اب تیرے پاس سوائے اپنی خوبیوں کے اور کچھ بھی نہیں اور یہ تیرے جذبوں سے پیدا ہوئی ہیں۔

تونے اپنا اعلیٰ ترین مقصد ان جذبات کے سپرد کر رکھا تھا۔ لہٰذا وہ تیری خوبیوں اور خوشیوں میں مبدل ہو گئے۔

خواہ تو غضب ناک لوگوں کی جنس میں سے ہو یا عیش پسند لوگوں کی یا مذہبی متعصب لوگوں کی یا کینہ پرور لوگوں کی،

تیرے جذبات بالآخر خوبیاں بن گئے اور تیرے شیطان فرشتے۔

ایک وقت تھا کہ تیرے تہ خانے میں وحشی کتے تھے۔ لیکن بالآخر وہ سب چڑیوں میں مبدل ہو گئے اور پیاری گوّیوں میں۔

تونے اپنے زہروں میں سے اپنے لیے اکسیر کا عرق کھینچا تھا، اپنے رنج وغم کی گائے کا دودھ دوہا تھا۔ اب تو اس کے تھنوں کا میٹھا دودھ پی رہا ہے۔

اور اب تجھ سے کوئی بُرائی ظہور میں نہیں آتی اور اگر آتی بھی ہے تو وہ تیری نیکیوں کی کشاکش کا نتیجہ ہے۔

بھائی میرے، اگر تو خوش قسمت ہے تو تیرے پاس محض ایک خوبی ہے، زیادہ نہیں۔ اس لیے تو پل پر سے زیادہ آسانی سے گزر سکتا ہے۔

زیادہ خوبیاں رکھنا باعث امتیاز تو ہے مگر سخت اذیت رساں ہے اور بہتیروں نے اس وجہ سے بیاباں میں جا کر خودکشی کر لی کہ وہ خوبیوں

کی رزم اور رزمگاہ بنتے بنتے تھک گئے تھے۔

بھائی میرے، کیا جنگ اور معرکہ آرائی بری چیزیں ہیں؟ لیکن یہ بری چیزیں ضروری بھی تو ہیں۔ اور اسی طرح تیری خوبیوں کے درمیان میں حسد اور بے اعتباری اور چغلی بھی ضروری ہیں۔

دیکھ کہ تیری ہر ایک خوبی کس طرح بالاترین ذات کی آرزومند ہے! وہ چاہتی ہے کہ تو دل و جان سے اس کا پیش رَو بن جا۔ وہ غصے نفرت اور محبت میں تیری پوری پوری قوت چاہتی ہے۔

ہر خوبی دوسری خوبی پر رشک کرتی ہے اور رشک ایک بڑی خوفناک چیز ہے۔ رشک کی وجہ سے خوبیاں تک برباد ہو جاتی ہیں۔

جو رشک کے شعلوں سے گھر جاتا ہے وہ بالآخر بچھو کی طرح اپنا زہریلا ڈنک خود اپنے مار لیتا ہے۔

آہ! میرے بھائی، کیا تو نے کسی خوبی کو خود اپنی چغلی کھاتے اور اپنے آپ کو چھری مارتے نہیں دیکھا؟

انسان ایک شے ہے جس سے گزر جانا چاہیے اور اسی لیے تجھے اپنی خوبیوں سے محبت کرنا چاہیے۔ کیوں کہ انھیں کی وجہ سے تو فنا ہو جائے گا۔

یہ تھی تقریر زردشت کی۔

زرد رو مجرم

اے سزا دینے والو اور بھینٹ چڑھانے والو، جب تک جانور اپنے سر سے اشارہ نہ کرے اس وقت تک تم اسے مارنا نہیں چاہتے؟ دیکھو زرد رو مجرم نے اسے اشارہ کر دیا۔ اس کی آنکھوں سے بڑی حقارت

ٹپکتی ہی۔

اور یہ آنکھیں اس طرح حرف زن ہیں: "میرا 'میں' ایک ایسی چیز ہی جس کا خاتمہ کردینا چاہیے۔ میرے نزدیک میرا 'میں' انسان کی بڑی حقارت ہی۔

یہ کہ اس نے اپنے آپ کو قابلِ تعزیر سمجھا یہ اس کی زندگی کا اعلیٰ ترین لمحہ تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بلند پایہ شخص پھر اپنی پستی کی طرف رجوع کرے!

جس شخص کا خود وجود اس کی بیماری ہی اس کے لیے کوئی چھٹکارا نہیں، اور اگر ہی تو مرگ مُفاجات۔

لے سزا دینے والو، تمھارا مارنا ہمدردی کی بنا پر ہونا چاہیے نہ کہ کینے کی وجہ سے اور جب تم مارو تو تمھیں اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ آیا تمھیں زندہ رہنے کا حق ہی!

یہ کافی نہیں ہی کہ تم جس کو مارو اسے پہلے منالو۔ تمھاری غمگساری کا باعث فوق البشر کی محبت ہونا چاہیے۔ اگر یہ ہو تو تم اور زندہ رہنے کے مستحق ہو سکتے ہو!

تم 'دشمن' کہو نہ کہ 'بدمعاش'۔ تم 'بیمار' کہو نہ کہ 'لُچّا'۔ تم 'بیوقوف' کہو نہ کہ 'گناہگار'۔

اور اے خشمگین سزا دینے والے، اگر تو ان تمام چیزوں کو آواز کہے جن کو تو اپنے خیال میں کرچکا ہی تو ہر شخص پکار کر کہے گا "دور کرو اس گندے کوڑے کو، نکالو اس زہریلے کیڑے کو!"

لیکن خیال اور چیز ہی اور فعل اور فعل کی تصویر اور۔ سبب کا پہیّا ان کے درمیان نہیں گھومتا۔

ایک تصویر ہی جو اس زرد رُو انسان کی زرد روئی کا سبب ہے۔ جب
اس سے وہ فعل صادر ہوا تو وہ اس کا ہم پلّہ تھا۔ لیکن جب وہ فعل تمام ہوچکا
تو اس کی تصویر کی برداشت اس سے نہ ہو سکی۔
ہر وقت اسے یہی خیال تھا کہ اس سے ایک فعل سرزد ہوا ہے میں اس
کو دیوانہ پن کہتا ہوں۔ جو چیز مستثنیٰ تھی وہ اس کے لیے قاعدہ بن گئی۔
جادو کے کنڈل سے مرغی پر جادو چل جاتا ہے۔ لیکن اس ضرب سے
جو اس نے لگائی اس کی نادان سمجھ پر جادو چل گیا۔ میں اس کو جنون بعد
از فعل سے تعبیر کرتا ہوں۔
سنو اے سزا دینے والو! ایک اور دیوانہ پن بھی ہے اور وہ قبل از فعل
ہوتا ہے۔ افسوس کہ تم میری اس روح کی کنہ کو پہنچتے ہی نہیں!۔
سرخ سزا دینے والا یوں کہتا ہے:" اس مجرم نے آخر خون کیوں کیا؟
کیوں کہ وہ لوٹ مار کرنا چاہتا تھا۔" مگر میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اس کی
روح خون کی خواہش مند تھی نہ کہ لوٹ مار کی۔ وہ اس بات کا پیاسا تھا کہ
چُھری کی مسرت حاصل کرے۔
لیکن اس کی نادان سمجھ اس دیوانے پن کی حقیقت کو نہ پہنچ سکی
اور اس کو اس طرح سمجھانے بجھانے لگی:" خون کرنے سے کیا حاصل!
اس کے ساتھ کم از کم کچھ لوٹ مار تو کرلے! کوئی بدلہ تو لے لے!"
اور اس نے اپنی نادان سمجھ کا کہنا مان لیا۔ اس کے کہنے کا اس پر
گہرا اثر پڑا۔ اس لیے قتل کے بعد اس نے لوٹ مار شروع کر دی۔ اس کو
اپنے دیوانے پن سے شرم نہ آئی۔
اور اس مرتبہ وہ اپنے جرم کے بوجھ سے دب گیا اور اس کی نادان

سمجھ پھر کڑی پڑ گئی اور مفلوج اور گھٹل ہو گئی

اگر اب وہ اپنا سر ہلا سکتا تو اس کا بوجھ لڑھک جاتا۔ لیکن اس سر کو ہلائے کون ؟

یہ انسان ہی کیا ؟ وہ ایک ڈھیر ہی بیماریوں کا جو روح کے ذریعے سے دنیا میں پھیلتی ہیں اور وہاں وہ لوٹ مار کرنا چاہتی ہیں۔

یہ انسان ہی کیا ؟ وہ ایک گچھا ہی جنگلی سانپوں کا جو ایک دوسرے کے ساتھ ہرگز آرام سے نہیں رہ سکتے۔ لہذا ہر ایک ان میں سے جداگانہ شکار کی تلاش میں باہر نکلتا ہی۔

اس نادار جسم کا نظارہ کرو ! اس کی تکلیفوں اور تمناؤں کی تعبیر اس کی نادار روح نے کی اور وہ یہ تھی : خون ریزی کی ہوا و ہوس اور چھری کی مسرت کی طمع۔

جو کوئی اب بیمار ہوتا ہی وہ اس برائی کا شکار ہوتا ہی جو آج کل برائی سمجھی جاتی ہی۔ وہ اس چیز سے اوروں کو تکلیف دینا چاہتا ہی جس سے خود اسے تکلیف ہوتی ہی۔ لیکن اس سے مختلف زمانہ بھی گزرا ہی جب کہ نیکیاں اور برائیاں آج کل سے جداگانہ تھیں۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ شک اور خود جوئی کا شمار برائیوں میں ہوتا تھا اس زمانے میں بیمار مرتد اور بے دین ہو جاتا تھا اور اسی حیثیت سے وہ خود بھی تکلیف برداشت کرتا تھا اور دوسروں کو بھی تکلیف پہنچانا چاہتا تھا۔

مگر اس کی پہنچ تمھارے کانوں تک نہیں ہی تم مجھ سے کہو گے کہ اس سے تمھارے نیک لوگوں کو نقصان پہنچے گا۔ لیکن مجھے تمھارے نیک لوگوں کی کیا پروا !

تمھارے نیک لوگوں کی بہت سی باتوں سے مجھے نفرت ہو مگر ہرگز ان کی برائیوں سے نہیں۔ کاش کے ان میں ایک دیوانہ پن ہوتا جس سے وہ فنا ہوجاتے جس طرح کہ یہ زرد رُو مجرم فنا ہوگیا ہو!۔

واقعًا میری تمنا تو یہی تھی کہ ان کے دیوانے پن کا نام سچائی یا وفاداری یا تقوٰی ہوتا۔ مگر ان کا مقصد نیکی سے یہ ہو کہ ان کی عمر بڑی ہو اور وہ بھی ذلت کے عیش و آرام کے ساتھ۔

میں دریا کا پشتہ ہوں۔ جو مجھے پکڑ سکتا ہو پکڑے! لیکن میں تمھاری لاٹھی نہیں ہوں۔

یہ تھے الفاظ زردُشت کے۔

لکھنا پڑھنا

تمام تحریروں میں سے مجھے محض وہ تحریر عزیز ہو جس کو کسی نے اپنے خون سے لکھا ہو۔ لکھ خون سے اور تجھے معلوم ہوجائے گا کہ خون روح ہو۔

غیر شخص کے خون کا سمجھنا آسان کام نہیں ہو۔ مجھے ان لوگوں سے نفرت ہو جو پڑھنے میں اپنا وقت ضایع کرتے ہیں۔

جو شخص پڑھنے والے سے واقف ہوتا ہو وہ پڑھنے والے کے لیے اور کچھ نہیں کرتا۔ اگر سو برس اور پڑھنے والے قایم رہے تو خود روح متعفن ہوجائے گی۔

اس وجہ سے کہ ہر شخص کو پڑھنا سیکھنے کی اجازت ہو بالآخر ایک دن نہ محض فن کتابت تباہ ہوجائے گا بلکہ قوت تخیلہ بھی۔

روح ایک زمانے میں خدا کا درجہ رکھتی تھی اس کے بعد وہ انسان

ہوگئی۔ اور اب تو اس کی حیثیت محض بازاری آدمیوں کی سی رہ گئی ہے۔

جس کی تحریر خون اور فیصلے ہوں وہ یہ نہیں چاہے گا کہ لوگ اس کو پڑھیں بلکہ یہ کہ حفظ کرلیں۔

پہاڑوں پر ایک چوٹی سے لے کر دوسری چوٹی تک قریب ترین راستا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے لیے لمبی ٹانگیں ہونی چاہییں۔ فیصلوں کو چوٹیاں ہونی چاہییں اور ان کے مخاطب بلند بالا اور دراز قد لوگ۔

ہوا رقیق اور صاف، خطرہ قریب، اور روح شرارت انگیز مسرت سے بھری ہوئی: اس طرح سے ان کی چوُل خوب بیٹھتی ہے۔

میں ہمزادوں کو اپنے آس پاس رکھنا چاہتا ہوں، کیوں کہ میں دلیر ہوں۔ جس دلیری سے بھوت بھاگتے ہیں وہ خود اپنے لیے ہمزاد پیدا کرلیتی ہے۔ دلیری ہنسنا چاہتی ہے۔

اب مجھے تم سے ہمدردی نہیں رہی۔ جس بادل کو میں اپنے نیچے دیکھتا ہوں، یہ سیاہی اور گرانی جس پر میں ہنستا ہوں، یہی تو تمھارا گرجنے والا بادل ہے۔

جب تمھیں اپنے آپ کو بلند کرنے کی خواہش ہوتی ہے تو تم نظر اوپر اٹھاتے ہو۔ مگر میں نیچے کی طرف دیکھتا ہوں کیوں کہ میں خود بلندی پر ہوں۔

تم میں سے کون ہے جو ایک ساتھ ہنسنے بھی اور بلندی پر بھی ہو؟

جو سب سے اونچے پہاڑوں پر چڑھتا ہے وہ ہر ایک غم ناک کھیل اور غم ناک سنجیدگی پر ہنستا ہے۔

بے پروا، طنز آمیز، زبردستی کرنے والا: عقلمندی ہمیں ایسا بنانا چاہتی ہے وہ ایک عورت ہے اور محض سپاہی سے محبت کرتی ہے۔

تم لوگ مجھ سے کہتے ہو کہ زندگی ایک ناقابل برداشت بوجھ ہے۔ مگر پھر اس کی کیا ضرورت تھی کہ تم صبح کو سر اٹھا کر چلو اور شام کو سر جھکا کر؟

زندگی ایک ناقابل برداشت بوجھ ہے۔ لیکن اس قدر نازک کیوں بنے جاتے ہو! ہم سب کے سب خوبصورت بار بردار گدھے اور گدھیاں ہیں۔

ہم میں اور گلاب کی کلی میں کون سی چیز مشترک ہے؟ وہ تو تھر تھر کانپنے لگتی ہے جب اس پر ایک بوند شبنم کی پڑی ہوتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہم زندگی سے اس لیے محبّت نہیں کرتے کہ ہم زندگی کے عادی ہیں بلکہ اس لیے کہ ہم محبت کرنے کے عادی ہیں۔

محبّت میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ دیوانہ پن پایا جاتا ہے۔ لیکن دیوانے پن میں بھی ہمیشہ کچھ نہ کچھ عقلمندی ہوتی ضرور ہے۔

اگرچہ میرا سلوک بھی زندگی کے ساتھ کچھ برا نہیں ہے تاہم مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تتلیاں اور بلبلے اور انھیں کے قسم کے تمام انسان یہ خوب جانتے ہیں کہ خوش وقتی کیا چیز ہے۔

ان چھچھورے نا سمجھ نازک اور متحرک جانوروں کو دیکھ کر ہی تو زردشت کو آنسوؤں اور گیتوں کی طرف میلان ہوتا ہے۔

میں صرف ایسے خدا پر ایمان لا سکتا ہوں جسے ناچنا آتا ہو۔

اور جب میں نے اپنے شیطان کو دیکھا تو میں نے اس کو نہایت سنجیدہ سلیقہ مند، بھاری بھرکم اور باوقار پایا۔ وہ بھاری پن کی روح تھا۔ اسی کی وجہ سے ہر چیز گر پڑتی ہے۔

انسان غصے اور غضب سے قتل نہیں کرتا بلکہ ہنسی سے۔ چلو، ہم بھاری پن کی روح کو قتل کر ڈالیں!

میں نے چلنا سیکھا ہی، اور اسی وقت سے میں دوڑ کر چلتا ہوں۔ میں نے اڑنا سیکھا ہی، اور اب میں یہ انتظار نہیں کرتا کہ ایک جگہ سے ہٹنے کے لیے لوگ مجھے پہلے ہٹیلیں۔

اب میں ہلکا ہو گیا ہوں۔ اب میں اڑتا ہوں۔ اب میں اپنے آپ کو اپنے نیچے دیکھتا ہوں۔ اب میرے اندر ایک خدا ہی جو ناچتا ہی۔

یہ تھی تقریر زرتشت کی۔

پہاڑ پر کا درخت

زرتشت نے دیکھا کہ ایک جوان لڑکا اس سے کترا کر نکل گیا۔ ایک روز شام کو جب وہ اکیلا ان پہاڑوں میں گزر رہا تھا جو "چتنکبری گائے" نامی شہر کے ارد گرد واقع ہیں تو کیا دیکھتا ہی کہ وہی لڑکا ایک درخت سے تکیہ لگائے بیٹھا ہی اور تھکی ماندہ نظروں سے وادی کی طرف دیکھ رہا ہی۔ جس درخت سے لگا ہوا وہ لڑکا بیٹھا تھا اس کو زرتشت نے پکڑ کر یوں کہا:۔

"اگر اس درخت کو میں اپنے ہاتھوں سے ہلانا چاہوں تو اس میں مجھے کامیابی نہیں ہو گی۔

لیکن ہوا جو ہمیں دکھائی نہیں دیتی وہ اس کو پریشان کر ڈالتی ہی اور جدھر چاہے اس کو جھکا دیتی ہی۔ وہ ہاتھ جو دکھائی نہیں دیتے ہمیں بے حد بری طرح سے جھکاتے اور پریشان کرتے ہیں۔"

یہ سن کر لڑکا سہم گیا اور کہنے لگا: "یہ تو زرتشت کی سی باتیں ہیں اور ابھی میں اسی کے دھیان میں تھا۔" زرتشت نے جواب دیا:۔

"یہ بھی کوئی سہم جانے کی بات ہی۔ لیکن انسان کا حال بھی درخت کا سا ہی

جتنا وہ بلندی اور روشنی کی طرف بڑھتا ہے اتنی ہی زور سے اس کی جڑیں زمین کے اندر دھنستی ہیں، نیچے کی طرف، تاریکی اور گڑھے میں، یعنی برائی کی طرف۔"

لڑکے نے بآواز بلند کہا: "ہاں برائی کی طرف! تو میری روح کی کنہ کو کیسے پہنچ گیا؟"

زردشت نے مسکرا کر کہا: "بہت سی روحیں ایسی ہیں کہ کوئی ان کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتا اور اگر پہنچ سکتا ہے تو اس طرح کہ پہلے ان کو ایجاد کرے۔"

لڑکے نے دوبارہ بآواز بلند کہا: "ہاں برائی کی طرف!"

زردشت تو نے سچ کہا۔ جب سے میں بلندی کی طرف جانا چاہتا ہوں تب سے نہ خود مجھے اپنے اوپر اعتبار رہا اور نہ دوسروں کو۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

مجھ میں بہت جلد تغیر آجاتا ہے۔ میرا آج میرے کل کی تردید کرتا ہے۔ جب میں اوپر چڑھتا ہوں تو بعض زینوں پر سے چھلانگ جاتا ہوں۔ میرے اس فعل کو کوئی زینہ معاف نہیں کرتا۔

جب میں اوپر پہنچ جاتا ہوں تو ہمیشہ میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہوں، میرے ساتھ باتیں کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ تنہائی کی سخت سردی سے میں تھرتھر کانپنے لگتا ہوں۔ بلندی پر چڑھکر آخر میں کیا کروں گا؟

میری حقارت اور آرزو دونوں ایک ساتھ بڑھتی ہیں۔ میں جس قدر اوپر چڑھتا ہوں اتنا ہی زیادہ میں اس شخص کو حقیر سمجھتا ہوں جو اوپر چڑھتا ہے۔ بلندی پر چڑھکر آخر یہ کیا کرے گا؟

مجھے اپنے چڑھنے اور پھسلنے سے کیسی شرم آتی ہے! میں اپنے سانس پھولنے پر کس قدر ہنستا ہوں! میں بھاگنے والوں سے کس طرح نفرت

کرتا ہوں! بلندی پر کتنا تھکا ماندہ ہوں!"

لڑکا یہ کہکر دم بخود رہ گیا۔ زرُدشت نے اس درخت کو غور سے دیکھا جس کے پاس وہ دونوں کھڑے تھے اور یوں کہنے لگا:۔

"یہ درخت یہاں پہاڑ پر تنہا کھڑا ہے اور انسانوں اور جانوروں سے کہیں اونچا نکل گیا ہے۔

اگر وہ کسی سے باتیں کرنا چاہے تو اس کی باتیں سمجھنے والا کوئی اسے نہیں ملے گا، یہ بڑھکر اتنا اونچا ہو گیا ہے۔

اب وہ سرتاپا انتظار ہے۔ لیکن آخر انتظار کس کا ہے؟ اس کا مکان بادلوں سے بہت قریب ہے۔ کیا وہ پہلی بجلی کے انتظار میں ہے؟"

جب زرُدشت یہ کہہ چکا تو لڑکا بے تحاشا چلاّ کر بولا: "ہاں زرُدشت' تو سچ کہتا ہے۔ جب میں اوپر جانا چاہتا تھا تو میں اپنی ہلاکت کا آرزومند تھا اور تو وہ بجلی ہے جس کا میں منتظر تھا۔ دیکھ جب سے تو ہم پر نازل ہوا مجھ میں کیا رہ گیا ہے؟ تجھ پر رشک کھانے کی وجہ سے میں بدحواس ہو گیا ہوں۔"

یہ کہہ کر لڑکا زار زار رونے لگا۔ لیکن زرُدشت اسے اپنے آغوش میں لے کر آگے بڑھا۔

اور جب وہ کچھ دیر تک ساتھ ساتھ چلے تو زرُدشت یوں کہنے لگا:۔

"میرا دل چُور چُور ہو رہا ہے۔ تیرے الفاظ سے زیادہ تیری آنکھیں مجھ سے تیرے تمام خطرے بیان کر رہی ہیں۔

تو اب تک آزاد نہیں ہے۔ تو ابھی تک آزادی کی جستجو میں ہے۔ تیری جستجو نے تیری نیند اچاٹ کر دی ہے اور تجھ کو بے حد بیدار کر دیا ہے۔

تو آزاد بلندی کی طرف جانا چاہتا ہے۔ تیری روح تاروں کی بھوکی ہے

لیکن تیرے برے جذبے بھی آزادی کے بھوکے ہیں۔
تیرے وحشی کتے کھلے میدان میں جانا چاہتے ہیں۔ جب تیری روح سارے قید خانوں کو توڑ ڈالنے کا قصد کرتی ہو تو وہ کتے خوشی کے مارے اپنے تہ خانے میں بھونکنے لگتے ہیں۔
میرے نزدیک تو ابھی تک ایک ایسا قیدی ہو جو آزادی کی فکر میں ہو۔ افسوس، ایسے قیدیوں کی روح میں ہوشیاری تو آجاتی ہو۔ لیکن ساتھ دھوکے بازی اور بدطینتی بھی۔
روح جو بندۂ آزاد ہو اس کے لیے یہ بھی ضروری ہو کہ وہ اپنے آپ کو صاف ستھرا بنائے۔ ابھی تک اس میں قید اور کیچڑ کے بہت سے اجزا باقی ہیں۔ اس کی آنکھ کو بھی پاک صاف ہونے کی ضرورت ہو۔
ہاں، میں تیرے خطرے کو محسوس کرتا ہوں۔ مگر میں تجھے اپنی محبّت اور امید کی قسم دیتا ہوں کہ تو اپنی محبّت اور امید سے قطع تعلق نہ کر۔
تجھے اب تک اپنی شرافت کا احساس ہو اور دوسرے لوگ بھی جو تجھ سے کینہ رکھتے ہیں اور تجھے بری نظر سے دیکھتے ہیں۔ تیری شرافت کا احساس کرتے ہیں۔ جان لے کہ ہر شخص کی راہ میں کوئی نہ کوئی شریف حائل ہو۔
نیک لوگوں کی راہ میں بھی ایک نہ ایک شریف آدمی حائل ہو اور جب لوگ اس کو نیک کے نام سے یاد کرتے ہیں اس وقت بھی ان کا مقصد یہی ہوتا ہو کہ یہ کہ کر وہ اسے برطرف کردیں۔
شریف نئی چیز پیدا کرنا چاہتا ہو اور ایک نئی نیکی۔ نیک پرانی چیزوں کا دلدادہ ہو اور یہ چاہتا ہو کہ پرانی چیزیں قایم رہیں۔
لیکن شریف کو یہ خطرہ نہیں ہو کہ کہیں وہ نیک نہ بن جائے بلکہ یہ

اندیشہ ہے کہ کہیں وہ مُنہ پھٹ ٹھٹھے باز اور مہلک نہ ہو جائے۔

آہ، میں ایسے شرفا سے واقف تھا جو اپنی اعلیٰ ترین امید کھو بیٹھے تھے۔ اور اب وہ تمام اعلیٰ امیدوں سے ناواقفیت کا اظہار کرتے ہیں۔

اب وہ بے حیائی کے ساتھ وقتی مسرتوں میں اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور ان کے مقاصد ایک دن سے آگے تجاوز نہیں کرتے۔

ان کا کہنا یہ تھا کہ روح بھی تو ہوا و ہوس ہی کا نام ہے۔ لہٰذا ان کی روح کے بازو ٹوٹ گئے، اور اب وہ اِدھر اُدھر رینگتی پھرتی ہے اور جہاں کہیں گُزرتی ہے وہاں گندگی پھیلاتی ہے۔

ایک دن وہ تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم سورما بن جائیں گے اور آج وہ ہوا و ہوس کا شکار ہو رہے ہیں اور سورما ہونے کو وہ نفرت اور خوف سے دیکھتے ہیں۔

مگر میں تجھے اپنی محبت اور امید کی قسم دیتا ہوں کہ تو اس سورما سے قطع تعلق نہ کر جو تیری روح کے اندر ہے بلکہ اپنی اعلیٰ ترین امید کی حرمت کر!

یہ تھی تقریر زردُشت کی۔

واعظینِ موت

ایک طرف تو واعظینِ موت ہیں اور دوسری طرف دنیا ان لوگوں سے بھری پڑی ہے جن کو زندگی سے قطع تعلق کرنے کا وعظ دیا جانا فرض سمجھا جاتا ہے۔

دنیا ان لوگوں سے پُر ہے جو ضرورت سے زاید ہیں۔ زندگی خراب ہو گئی ہے ان لوگوں کے ذریعے سے جن کی تعداد حد سے بڑھ گئی ہے۔ کاشکے

ان کو " ابدی زندگی " کے بہانے سے اس موجودہ زندگی سے برطرف کرلیا جائے

واعظینِ موت کا نام لوگوں نے " زرد انسان " یا " سیاہ انسان " رکھا ہو مگر میں چاہتا ہوں کہ میں انھیں تمھارے سامنے اور رنگوں میں بھی پیش کروں۔

وحشتناک لوگ بھی موجود ہیں جو درندے کو اپنے اندر لیے پھرتے ہیں۔ ان کے لیے سوائے ہوا و ہوس اور اپنے آپ کو نوچ کھانے کے اور کوئی چارہ نہیں ہو۔ اور ان کی ہوا و ہوس خود اپنے آپ کو نوچ کھانے کے برابر ہی۔

یہ وحشتناک لوگ ابھی تک انسان بھی تو نہیں بنے۔ کاشکے وہ لوگوں کو زندگی سے قطع تعلق کرنے کا وعظ دیں اور خود چل بسیں!

ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کی روحیں دق کے عارضے میں مبتلا ہیں۔ وہ ابھی پیدا ہوئے ہی تھے کہ مرنے لگے اور ان کو ایسی تعلیم کی تمنّا ہی جو تکان اور نفس کشی سکھاتی ہو۔

وہ چاہتے ہیں کہ مرجائیں اور ہم کو چاہیے کہ ہم ان کی اس تمنّا کا خیر مقدم کریں۔ ہمیں اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہم ان مردوں کو نہ جگائیں اور ان زندہ تابوتوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔

جب ان کے سامنے کوئی بیمار یا بوڑھا یا مردہ آتا ہی تو وہ کہہ اٹھتے ہیں: " دیکھو زندگی کی تردید ہوگئی! "

لیکن یہ تردید ہی ان کی اور ان کی ان آنکھوں کی جن کو کائنات کا محض ایک رُخ دکھائی دیتا ہی۔

مالیخولیا کی موٹی چادر اوڑھے ہوئے اور ان ناچیز اتفاقات کے

مشتاق جو موت کا سبب ہیں اس طرح وہ منتظر رہتے ہیں اور دانت پیستے ہیں۔

یا یہ کہ وہ مٹھائی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنے اس بچپن پر ہنستے ہیں۔ان کا دل اپنی زندگی کے تنکے میں اٹکا ہوا ہے اور وہ اس بات کا مذاق اڑاتے ہیں کہ ابھی تک ان کا دل ایک تنکے میں اٹکا ہوا ہے۔

ان کی عقلمندی کا یہ مقولہ ہے: "بیوقوف ہے وہ شخص جو زندہ رہتا ہے مگر ہم اس قدر بیوقوف ہیں! اور زندگی کی سب سے بڑی حماقت یہی ہے!"۔

دوسرے لوگوں کا یہ مقولہ ہے کہ زندگی محض تکلیف کا نام ہے، اور وہ سچ کہتے ہیں۔ لہٰذا اس بات کی تو فکر کرو کہ تم ختم ہو جاؤ۔ اس بات کی تو فکر کرو کہ اس زندگی کا خاتمہ ہو جائے جو محض تکلیف ہے۔

اور تمھاری نیکی کی تعلیم یہ ہونی چاہیے: "تجھے خود اپنے آپ کو مار ڈالنا چاہیے! تجھے خود چلتا ہونا چاہیے!"

جو طبقہ موت کا وعظ کہتا ہے اس کا یہ مقولہ ہے: "شہوت پرستی گناہ ہے۔ہمیں چاہیے کہ کنارہ کشی اختیار کریں اور بچّے پیدا نہ کریں!"

دوسرے طبقے کا یہ قول ہے: "جننا تکلیف دہ ہے۔ لہٰذا اب اور جننے کی کیا ضرورت ہے؟ جو جنے جاتے ہیں وہ محض بدقسمت ہیں۔" یہ لوگ بھی واعظین موت ہیں۔

تیسرا طبقہ اس بات کا قایل ہے: "ہمدردی کی سخت ضرورت ہے۔ لے لو اس کو جو میرے پاس ہے!۔ لے لو اس کو جو میں ہوں! اتنی ہی کم وابستگی مجھے زندگی سے رہے گی۔"

اگر ان کی فطرت میں ہمدردی ہوتی تو وہ اپنے پڑوسی کی زندگی تلخ کر دیتے ۔ برا ہونا ہی ان کی حقیقی اچھائی ہوتی ۔

لیکن وہ زندگی سے جان چھڑانا چاہتے ہیں ۔ اس کی انھیں کیا پروا کہ دوسروں کو وہ اپنی زنجیروں اور تحفے تحائف سے اور بھی زیادہ جکڑ کر باندھتے ہیں !

اور کیا تم لوگ بھی جن کی زندگی محض بے تکا کام اور پریشانی ہے زندگی سے بے حد تنگ نہیں آگئے ہو ؟ کیا تم موت کے وعظ کے لیے بے حد پختہ نہیں ہو گئے ہو ؟

تم سب لوگ ، جن کو بے تکے کام سے محبت ہے اور نیز ہر تیز نئی اور اجنبی چیز سے ، ایک دوسرے سے مل جل کر نہیں رہ سکتے ۔ تمھاری سعی لعنت ہے اور اپنے آپ کو بھول جانے کا عزم بالجزم ۔

اگر تم زندگی پر زیادہ اعتقاد رکھتے ہوتے تو تم لمحی باتوں میں بہت کم پھنستے ۔ لیکن تم میں انتظار کرنے کا کافی مادہ نہیں ہے ۔ بلکہ سستی کا بھی مادہ نہیں ہے ۔

ان لوگوں کی آواز ہر جگہ گونج رہی ہے جو موت کا وعظ دے رہے ہیں ۔ اور دنیا ان لوگوں سے پُر ہے جنھیں موت کا وعظ دیا جانا ضروری سمجھا جاتا ہے ۔

یا " ابدی زندگی " یہ دونوں میرے نزدیک یکساں ہیں بشرطیکہ وہ جلد چل بسیں ۔

یہ تھی تقریر زردشت کی ۔

جنگ اور جنگجُو قوم

ہم یہ چاہتے ہیں کہ نہ تو ہمارے بہترین دشمن ہماری رو رعایت کریں اور نہ وہ لوگ جن سے ہمیں دلی محبت ہی۔ لہٰذا آؤ میں تم سے سچی بات کہوں!

ای میرے جنگ کے ساتھیو! مجھے تم سے دلی محبّت ہی۔ میں پہلے بھی تمھاری طرح تھا اور اب بھی ہوں۔ اور میں تمھارا بہترین دشمن بھی ہوں لہٰذا آؤ میں تم سے سچّی بات کہوں!

میں تمھارے دل کی نفرت اور حسد کی کیفیت سے واقف ہوں۔ تمھارا مرتبہ یہ نہیں ہی کہ تم نفرت اور حسد سے واقف نہ ہو۔ لہٰذا کم از کم یہ مرتبہ تو حاصل کرلو کہ تمھیں ان سے شرم نہ آئے!

اور اگر تم معرفت کے اولیا نہیں بن سکتے تو کم از کم اس کے مجاہد تو بنو، کیوں کہ یہ اس ولایت کے ساتھی اور ہراول ہیں۔

مجھے بہت سے سپاہی دکھائی دیتے ہیں۔ کاشکے مجھے بہت سے مجاہد دکھائی دیتے! ان کے لباس کو لوگ یکساں وردی کہتے ہیں۔ کاشکے وہ چیز یکساں وردی نہ ہو جس کو وہ اس کے ذریعے سے چھپاتے ہیں!

میں چاہتا ہوں کہ تم ایسے ہو جاؤ کہ تمھاری آنکھیں ہمیشہ ایک نہ ایک دشمن کی تلاش میں رہیں، یعنی خود تمھارے اپنے دشمن کی تلاش میں۔ اور تم میں سے بعضوں کی یہ عادت ہی کہ انھیں دیکھتے ہی نفرت پیدا ہو جاتی ہی۔

تمھیں چاہیے کہ اپنے دشمن کو ڈھونڈو۔ تمھیں چاہیے کہ خود اپنی لڑائی لڑو، اور وہ بھی اپنے خیالات کی حمایت میں! اور اگر تمھارے خیال کو نیچا بھی دیکھنا پڑے تو تمھاری ایمانداری کا یہ مقتضا ہونا چاہیے کہ وہ

با ایں ہمہ اس پر فتح کا نقّارہ بجائے
تمھیں صلح سے اس لیے محبت ہونی چاہیے کہ وہ نئی جنگوں کا ذریعہ
بنے۔ اور چھوٹی صلحوں سے زیادہ محبّت ہونی چاہیے بہ نسبت بڑی صلحوں کے
تمھیں میں کام کرنے کا مشورہ نہیں دیتا بلکہ جنگ کرنے کا۔ تمھیں میں
صلح کا مشورہ نہیں دیتا بلکہ فتح کا۔ تمھارا کام جنگ ہونا چاہیے اور تمھاری
صلح فتح !

آدمی اسی وقت تک چپ رہ سکتا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ سکتا ہی
جب تک اس کے پاس تیر اور کمان ہو، ورنہ وہ بک بک کرتا اور لڑتا
جھگڑتا ہی۔ تمھاری صلح فتح ہونی چاہیے !

کیا تمھارا یہ مقولہ ہی کہ نیک مقصد لڑائی تک کو مبارک بنا دیتا ہی؟
میں تم سے کہتا ہوں کہ نیک جنگ وہ چیز ہی کہ ہر مقصد کو مبارک بنا دیتی ہی۔

محبّتِ ہمسایہ کی نسبت جنگ اور دلیری نے زیادہ بڑے کارنامے
کر دکھائے ہیں۔ اب تک تمھاری بہادری نے مصیبت زدوں کی دستگیری
کی ہی نہ کہ تمھاری ہمدردی نے۔

تم پوچھتے ہو: "اچھا کیا ہی؟" بہادر ہونا اچھا ہی۔ بچیوں کو بکنے دو کہ
"اچھی وہ بات ہی جو بیک وقت پیاری اور دل سے لگتی ہوتی ہو۔"

لوگ کہتے ہیں کہ تم بے درد ہو۔ لیکن تمھارا دل سچا ہی اور تمھاری
گرمجوشی کی حیا مجھے پیاری معلوم ہوتی ہی۔ تمھیں اپنے مد سے شرم آتی ہی
اور اوروں کو اپنے جزر سے۔

کیا تم بدصورت ہو؟ اچھا میرے بھائیو، یوں ہی سہی۔ تو پھر تم اس
اعلیٰ چیز یعنی بدصورتوں کی چادر کو اوڑھ لو!

اور جب تمھاری روح اعلیٰ ہوگی تو وہ گستاخ ہوجائے گی اور تمھاری برتری میں برائی پائی جاتی ہے۔ میں تمھیں خوب جانتا ہوں۔

برائی میں گستاخ اور کمزور دونوں مل جاتے ہیں۔ مگر وہ ایک دوسرے کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ میں تمھیں خوب جانتا ہوں۔

تمھیں ایسے دشمنوں کی ضرورت ہے جن سے نفرت کی جا سکے نہ کہ ایسوں کی جن کو حقیر سمجھا جا سکے۔ تمھیں اپنے دشمن پر ناز کرنا چاہیے۔ اس حالت میں تمھارے دشمن کی کامیابیاں تمھاری بھی کامیابیاں ہوں گی۔

سرکشی غلام کے لیے باعث اعزاز ہے۔ تمھارا اعزاز فرمانبرداری ہے۔ خود تمھارا حکم دینا فرمانبرداری ہونا چاہیے!

ایک اچھے سپاہی کے کان میں "تجھ پر یہ واجب ہے" زیادہ بھلا معلوم ہوتا ہے بہ نسبت "میری یہ خواہش ہے" کے۔ اور تمھیں چاہیے کہ تمام چیزیں جو تمھیں پسند ہیں بذریعے حکم کے تمھیں دی جائیں۔

تمھیں اپنی زندگی سے محبت کرنے کے یہ معنی ہونے چاہییں کہ تمھیں اپنی اعلیٰ ترین امید سے محبت ہو۔ اور تمھاری اعلیٰ ترین امید کو زندگانی کا اعلیٰ ترین خیال ہونا چاہیے۔

مگر تمھیں چاہیے کہ تم اپنے اعلیٰ ترین خیال کو مجھ سے بذریعے حکم حاصل کرو۔ اور وہ یہ ہے: انسان ایک ایسی شے ہے جس سے گزر جانا چاہیے۔

اس طرح تمھیں اپنی فرمانبرداری اور جنگ کی زندگی بسر کرنا چاہیے!
درازیِ عمر سے کیا حاصل! کونسا سپاہی اپنی جان بچانا چاہتا ہے!
میں تمھیں بچانا نہیں چاہتا، میں تمھیں دل سے چاہتا ہوں، اے میرے ہمراہیانِ جنگ!
یہ تھی تقریرِ زردُشت کی۔

نیا بُت

کہیں نہ کہیں اب تک قومیں اور گلّے موجود ہیں ۔لیکن بھائیو، ہمارے
یہاں نہیں ۔یہاں تو حکومتیں ہیں ۔
حکومت ؟ یہ کیا چیز ہی ؟ خیر ! اب کان کھول کر میری بات سنو، کیونکہ
اب میں قوموں کی موت کے متعلق اپنا قولِ فیصل بیان کرنا چاہتا ہوں ۔
حکومت نام ہی سب سے زیادہ بے حس ہَوّے کا ۔ وہ جھوٹ بھی بے حسی
اور بے دردی کے ساتھ بولتی ہی ۔ اور اس کے منہ سے یہ جھوٹ نکلتا ہی :- مجھ
حکومت ہی کا نام قوم ہی ۔
یہ سراسر جھوٹ ہی ۔ وہ پیدا کرنے والے لوگ تھے جنھوں نے قوموں کو
پیدا کیا اور اعتقاد اور محبّت کو ان کے اوپر آویزاں کیا ۔ اس طرح سے
انھوں نے زندگی کی خدمت کی تھی ۔
اور یہ تباہ کرنے والے ہیں جو بہتیروں کے واسطے پھندے لگاتے
ہیں اور ان کا نام حکومت رکھتے ہیں ۔ یہ لوگ ان کے اوپر ایک تلوار آویزاں
کرتے ہیں اور سیکڑوں خواہشیں ۔
جہاں کہیں اب بھی قوم کا وجود ہی وہاں حکومت کے معنی اس کی سمجھ میں
نہیں آتے ۔ بلکہ نظرِ بد کی طرح وہ اس سے نفرت کرتی ہی اور اسے اپنے
دستوروں اور حقوق کے خلاف گناہ سمجھتی ہی ۔
میں تمھیں ایک نکتہ بتاتا ہوں :- ہر قوم اپنی نیکی اور برائی کی زبان
میں گفتگو کرتی ہی اور اس کا پڑوسی اس زبان کو نہیں سمجھتا اس نے اپنی
اس زبان کو اپنے دستوروں اور حقوق میں سے ایجاد کیا ہی ۔

لیکن حکومت ہر نیکی اور برائی کی زبانوں میں جھوٹ بولتی ہے اور وہ جو کچھ بھی کہے وہ جھوٹ ہی ہوتا ہے۔ اور جو کچھ بھی اس کی ملکیت ہے وہ چوری کا مال ہے۔

اس کی ہر چیز دھوکے کی ٹٹّی ہے۔ یہ کٹ کھنّی دھوکے سے کاٹ کھاتی ہے۔ خود اس کی آنتیں بھی دھوکے کی ٹٹّی ہیں۔

نیکی اور برائی کی زبان کا گڈ مڈ: یہ حکومت کی پہچان کا نکتہ ہے جو میں تمھیں بتاتا ہوں۔ سچ مچ، یہ نشانی خواہشِ موت کی دلیل ہے سچ مچ یہ حکومت واعظینِ موت کو اشارے سے بلاتی ہے۔

بے حد لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ ضرورت سے زیادہ لوگوں کے لیے حکومت ایجاد کی گئی ہے۔

دیکھو تو سہی کہ وہ ان کو کس طرح پھُسلا کر اپنی طرف بلاتی ہے، یعنی ان کو جو ضرورت سے زیادہ ہیں! وہ ان کو کس طرح نگل جاتی ہے اور چباتی ہے اور ان کی جگالی کرتی ہے!

یہ ہوّا اس طرح ڈکار کر کہتا ہے "دنیا میں مجھ سے بڑھکر کوئی نہیں۔ میں خدا کی منتظم انگلی ہوں" اور دراز گوش اور کوتاہ نظر لوگوں کے علاوہ اور اشخاص بھی اس کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔

آہ، اے اعلیٰ روح والو، وہ اپنے روکھے سوکھے جھوٹ کو تمھارے کان میں بھی پھونک دیتی ہے۔ آہ، اس کو غنی دلوں کا پتا چل جاتا ہے جو اپنے آپ کو فضول خرچ کرنا پسند کرتے ہیں۔

ہاں بوڑھے خدا کے فاتحو، وہ تمھیں بھی تاڑ جاتی ہے۔ جنگ میں تم تھک تو گئے ہی ہو، اور اس تھکن کی وجہ سے تم اب نئے بت کی پوجا کرنے لگتے ہو۔

یہ نیا بت چاہتا ہے کہ سورما اور باعزّت لوگ اس کے گرد جمع ہوں۔ یہ
بیدرد ہوّا اچھے ضمیروں کی دھوپ میں بیٹھنا پسند کرتا ہے۔
یہ نیا بت تمھیں ہر چیز دینے کے لیے تیار ہے بشرطیکہ تم اس کی پوجا کرو اس
طرح سے وہ تمھاری نیکیوں کی رونق اور تمھاری مغرور آنکھوں کی نگاہوں کو خرید لیتا ہے
وہ تمھارے ساتھ ان لوگوں کو بھی پھانس لینا چاہتا ہے جو ضرورت سے
زیادہ ہیں۔ ہاں اس کے لیے ایک شیطانی چال ایجاد کی گئی ہے، یعنی موت کا
گھوڑا جس پر الوہیت کے اعزاز کا چار جامہ چھم چھم کر رہا ہے۔
ہاں بہتیروں کے لیے موت ایجاد کی گئی ہے جو اپنا نام زندگی سے تعبیر
کرتی ہے۔ سچ مچ، واعظینِ موت کی دلی خواہش پوری ہوگئی۔
حکومت میں اس کو کہتا ہوں جہاں تمام لوگ زہر خور ہوں، خواہ اچھے
ہوں یا بُرے۔ حکومت وہ ہے جہاں تمام لوگ اپنے آپ کو کھو بیٹھتے ہوں، خواہ
اچھے ہوں یا برے۔ حکومت وہ ہے جہاں سب لوگوں کے سِسک سِسک کر
خودکشی کرنے کا نام "زندگی" رکھا گیا ہے۔
ذرا ان ضرورت سے زیادہ لوگوں کو دیکھو تو سہی! وہ موجدوں کی
ایجادوں اور عقلمندوں کے خزانوں کو چراتے ہیں اور اپنی اس چوری کا
نام تعلیم و تربیت رکھتے ہیں۔ ہر چیز ان کے لیے بیماری اور ناسازی ہوجاتی ہے
ذرا ان ضرورت سے زیادہ لوگوں کو دیکھو تو سہی! وہ بیمار تو رہتے ہی
ہیں اور جب وہ کھٹی ڈکاریں لیتے ہیں تو اس کا نام اخبار رکھتے ہیں۔ وہ ایک
دوسرے کو نگل جاتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ ہضم نہیں کرسکتے۔
ذرا ان ضرورت سے زیادہ لوگوں کو دیکھو تو سہی! وہ بہت سامال
کماتے ہیں اور اس کی وجہ سے زیادہ غریب ہوجاتے ہیں۔ یہ مفلس لوگ

قوت حاصل کرنا چاہتے ہیں، مگر اس سے پہلے آلہ قوت یعنی بہت مال۔

ان پھُرتیلے بندروں کو اوپر چڑھتے ہوئے دیکھو! وہ ایک دوسرے کے اوپر کودتے پھاندتے اور اس طرح سے کیچڑ اور گڈھے میں گرتے چلے جاتے ہیں۔

ان میں ہر شخص تخت وتاج کا خواہاں ہے۔ یہ ان کے جنون کی علامت ہے وہ سمجھتے ہیں کہ گویا خوش وقتی تخت پر بیٹھی ہوئی ہے۔ اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ کیچڑ تخت پر ہوتی ہے اور بسا اوقات تخت کیچڑ پر ہوتا ہے۔

میرے نزدیک وہ سب پاگل ہیں اور چڑھنے والے بندر اور بے حد مشتاق۔ مجھے ان کے اس بیدرد ہوے سے جو ان کا بُت ہے بدبو آتی ہے۔ مجھے ان سارے بت پرستوں سے بو آتی ہے۔

میرے بھائیو! کیا تم ان کے بھوتھنوں اور ہوا وہوس کی بدبو میں اپنا دم گھوٹ ڈالو گے؟ بہتر ہے کہ تم کھڑکیاں توڑ کر میدان میں نکل بھاگو۔

بدبو سے تو کنارہ کشی ہی کرو! ان لوگوں کی بت پرستی سے جو زاید از ضرورت ہیں الگ تھلگ ہی رہو!

بدبو سے تو کنارہ کشی ہی کرو! انسانی قربانیوں کی بھاپ سے الگ تھلگ ہی رہو!

اعلیٰ روح والوں کے لیے زمین اب تک کھلی ہوئی ہے۔ اب تک بہت سی نشستیں خالی پڑی ہیں اکیلوں اور دکیلوں کے لیے، جن کے ارد گرد خاموش سمندروں کی خوشبو اُمنڈ رہی ہے۔

اعلیٰ روح والوں کے لیے اب تک آزاد زندگی کی راہیں کھلی ہوئی ہیں درحقیقت جس شخص کی ملکیت کم ہے وہ اسی نسبت سے کم مملوک ہے۔ مبارک ہو بیچاری مفلسی!

جہاں حکومت ختم ہوتی ہے وہیں سے اس انسان کی ابتدا ہوتی ہے جو زاید
از ضرورت نہیں - وہیں سے ضروری انسان کا گیت شروع ہوتا ہے جس کے سُر
صرف ایک بار نکلتے ہیں مگر لاجواب ہوتے ہیں
میرے بھائیو، ذرا اس جگہ نظر دوڑاؤ جہاں حکومت ختم ہوتی ہے! کیا
تمہیں دھنک اور فوق البشر کے پُل دکھائی نہیں دیتے ؟
یہ تھی تقریر زردُشت کی -

بازار کی مکھّیاں

میرے دوست، بھاگ اپنے گوشۂ تنہائی میں! میں دیکھ رہا ہوں کہ
بڑے آدمیوں کے شوروغل سے تیرے کان پھٹے جاتے ہیں اور چھوٹے
آدمیوں کے ڈنکوں سے تیرا بدن چھلنی ہو رہا ہے۔
سنجیدگی کے ساتھ جنگل بھی تیرا ساتھ دیتے ہیں اور چپ ہیں۔ پھر اس
درخت کی مانند ہو جا جس سے تجھے محبت ہے اور جو بہت پھیلا ہوا ہے۔ وہ درخت
لبِ دریا چپ اور کان لگائے کھڑا ہے۔
جہاں تنہائی ختم ہوتی ہے وہاں سے بازار شروع ہوتا ہے۔ اور جہاں
بازار شروع ہوتا ہے وہاں بڑے تماشا کرنے والوں کا شوروغل اور زہریلی
مکھیوں کی بھنبھناہٹ شروع ہوتی ہے۔
دنیا میں بڑی سے بڑی چیزیں اس وقت تک بیکار ہیں جب تک
ایک ایسا شخص نہ ہو جو ان کو تماشا کر کے نہ دکھلائے۔ اور ان تماشا کرکے
دکھلانے والوں کا نام لوگوں نے بڑا آدمی رکھا ہے۔
بڑی چیز یعنی پیدا کرنے والی چیز لوگوں کی سمجھ میں مشکل سے آتی ہے۔

لیکن ان تمام لوگوں کا احساس انھیں ہے جو تماشا کرتے ہیں اور بڑی چیزوں کا کھیل دکھاتے ہیں۔

ساری دنیا کا محور وہ لوگ ہیں جو نئی قیمتیات کے موجد ہیں۔ اور وہ اس طرح گھومتی ہے کہ دکھائی نہیں دیتی۔ مگر قوم اور شہرت کا محور تماشا کرنے والے ہیں۔ یہی "رفتارِ زمانہ" ہے۔

تماشا کرنے والے میں زندہ دلی تو ہوتی ہے، لیکن اس زندہ دلی میں ضمیر مقصود ہے۔ اس کا اعتقاد ہمیشہ اس چیز پر ہوتا ہے جس کے ذریعے سے وہ دوسروں کے دلوں میں اعتقاد پیدا کرتا ہے، یعنی اپنے اوپر اعتقاد۔

کل اس کا اعتقاد ایک اور ہوگا اور پرسوں دوسرا۔ عوام الناس کی طرح اس میں تیز طبعی ہے اور تغیر پسند ذکاوت۔

تہ و بالا کر دینے کے معنے اس کے نزدیک ثابت کرنا ہے بیوقوف بنا دینے کا مفہوم اس کے نزدیک یقین دلانا ہے۔ اور بہترین دلیل تو اس کے نزدیک خون ہے۔

اس سچائی کو جو محض لطیف کانوں میں آہستہ سے داخل ہو سکتی ہے وہ جھوٹ اور ہیچ کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔ درحقیقت وہ انھیں خداؤں پر اعتقاد رکھتا ہے جو دنیا میں بہت شور و غل مچاتے ہیں۔

بازار شاندار مسخروں سے پر ہے اور قوم اپنے بڑے آدمیوں پر نازاں ہے اس کے نزدیک یہ لوگ زمانۂ حال کے مالک ہیں۔

مگر زمانۂ حال ان کو دباتا چلا جاتا ہے اور اسی طرح وہ تجھ کو دباتے چلے جاتے ہیں۔ اور وہ تجھ سے بھی ہاں یا نہیں کہلانا چاہتے ہیں۔ افسوس، کیا تو اپنی کرسی اثبات اور نفی کے درمیان رکھنا چاہتا ہے؟

ای سچائی کے عاشق، ان لازمی اور گھسنے پلنے والے لوگوں پر رشک
نہ کھا! سچائی آج تک کبھی لازمی لوگوں سے دامنگیر نہیں ہوئی۔
یعنی ان لوگوں کی وجہ سے جو دفعتاً کچھ ہو گئے ہیں تو اپنے گوشۂ عافیت
میں لوٹ جا! 'ہاں؟' اور 'نہیں؟' کی بھرمار صرف بازار میں کی جاتی ہے۔
گہرے کنوؤں کو کسی چیز کا پتا دیر میں لگتا ہے۔ بہت انتظار کے بعد
ان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تہ میں کیا چیز گری ہے۔
بڑے لوگ بازار اور شہرت سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ نئی قیمتبا ت
کے موجد ہمیشہ سے بازار اور شہرت سے الگ تھلگ رہتے آئے ہیں۔
میرے دوست، بھاگ اپنے گوشۂ تنہائی میں! میں دیکھتا ہوں کہ زہریلی
مکھیوں نے ڈنک مار مار کر تجھے چھلنی کر دیا ہے۔ بھاگ ایسی جگہ جہاں ٹھنڈی
اور تیز ہوا چلتی ہو!
بھاگ اپنے گوشۂ تنہائی میں! تو چھوٹے اور پست لوگوں کے بہت
زیادہ قریب رہ چکا ہے۔ بھاگ ان کے پوشیدہ کینے سے! تیرے لیے وہ سرتاپا
کینہ ہیں۔
اب پھر ان کے خلاف ہاتھ نہ اٹھا! ان کی تعداد بے انتہا ہے اور تیری
قسمت میں مکھی مار ہونا تو لکھا نہیں۔
یہ چھوٹے اور پست لوگ بے شمار ہیں، اور بارش کے قطروں اور
گھاس نے کتنی کچھ سر بفلک عمارتوں کو ڈھا دیا ہے!
تو پتھر نہیں، لیکن قطروں کی افراط سے تو کھوکھلا ہو چکا ہے ۔ اور
قطروں کی افراط سے اب تجھے ٹوٹنا اور پھٹنا باقی رہ گیا ہے۔
میں دیکھتا ہوں کہ زہریلی مکھیوں کی وجہ سے تو تھکا ماندہ ہو گیا ہے ۔

میں دیکھتا ہوں کہ تیرے جسم میں سینکڑوں ناسور ہو گئے ہیں ۔ مگر تیری غیرت یہ بھی گوارا نہیں کرتی کہ تو خفا ہو۔

نہایت معصومیت کے ساتھ وہ تیرے خون کے خواہاں ہیں۔ ان کی بے خون روحیں خون کی پیاسی ہیں۔ لہٰذا وہ نہایت معصومیت کے ساتھ ڈنک مارتے ہیں۔

مگر اے گہری طبیعت والے، ہلکے زخموں سے بھی تجھے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اور قبل اس کے کہ تو اچھا ہو وہی زہریلا کیڑا تیرے ہاتھ پر رینگنے لگتا ہے ۔

میرے خیال میں تیری غیرت اس کو بھی گوارا نہیں کرتی کہ تو ان چھوٹوں کا خاتمہ کر دے ۔ خبردار، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی ساری زہریلی ناانصافی کا خمیازہ تجھے بھگتنا پڑے ۔

وہ تیری تعریفیں بھی تیرے آس پاس بھنبھنا رہے ہیں۔ ان کا تعریف کرنا پیچھے پڑ جانا ہے۔ وہ تیرے گوشت و پوست کے قریب رہنا چاہتے ہیں۔

وہ تیری چاپلوسی اس طرح سے کرتے ہیں جیسی کہ کسی خدا یا شیطان کی کی جاتی ہے۔ وہ تیرے آگے ایسے ٹھنکتے ہیں جیسے کسی خدا یا شیطان کے آگے ۔ اس سے ان کا کیا بگڑتا ہے۔ وہ تو ہیں ہی چاپلوس اور ٹھنکنے والے۔

اکثر وہ تیرے ساتھ محبّت سے بھی پیش آتے ہیں ۔ مگر بزدل ہمیشہ سے یوں ہی ہوشیاری کرتے چلے آئے ہیں ۔ ہاں بزدل بڑے ہوشیار ہوتے ہیں !

وہ اپنی تنگ روحی سے تیرے متعلق بہت سوچا کرتے ہیں تو ان کے نزدیک ہمیشہ مشتبہ ہے۔ جس چیز کو بھی زیادہ سوچا جاتا ہے وہ مشتبہ ہو جاتی ہے۔

وہ تیری تمام خوبیوں پر تجھے سزا دیتے ہیں۔ اور اگر دل سے وہ تیری کسی چیز کو معاف کرتے ہیں تو وہ تیری غلطیاں ہیں ۔

چوں کہ تو حلیم اور انصاف پسند ہے لہٰذا تو کہتا ہے: ''اپنے فرومایہ ہونے

سے وہ بری الذمہ ہیں"۔ لیکن ان کی تنگ روح یہ خیال کرتی ہے "ہر بڑی
ہستی سراپا جرم ہوتی ہے"۔

جب تو ان کے ساتھ حلم سے پیش آتا ہے اس وقت بھی وہ یہ محسوس
کرتے ہیں کہ تو ان کو حقیر سمجھتا ہے۔ اور وہ تیرے احسان کے عوض تیرے
درپردہ چٹکیاں لیتے ہیں۔

تیری بے زبان غیرت مندی سے وہ کبھی محفوظ نہیں ہوتے۔ اگر تو مغرور
بننے کے لیے کافی انکساری کرے تو وہ جامے سے باہر ہو جاتے ہیں۔

جب کوئی شخص دوسرے میں کسی خاص بات کا ادراک کرتا ہے تو
وہ اس کو اور بھی ابھار دیتا ہے۔ لہٰذا چھوٹوں سے اپنے آپ کو بچا!

تیرے مقابلے میں وہ اپنے آپ کو چھوٹا محسوس کرتے ہیں اور ان کی
رذالت جل بھن کر تیرے خلاف درپردہ انتقام کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

کیا تو نے یہ محسوس نہیں کیا کہ جب تو ان کے سامنے آتا ہے تو وہ
اکثر چپ ہو جاتے ہیں اور ان کی طاقت ان سے یوں رخصت ہونے
لگتی ہے جیسے بجھتی ہوئی آگ سے دھنواں؟

ہاں میرے دوست، اپنے ہمسایوں کا ضمیرِ بد تو ہے کیوں کہ وہ
تیرے شایانِ شان نہیں۔ اس لیے وہ تجھ سے نفرت کرتے ہیں اور تیرے
خون کے پیاسے ہیں۔

تیرے پڑوسی ہمیشہ زہریلی مکھیوں کی طرح رہیں گے۔ جو بات تجھ میں
بڑی ہے وہی ان کو زیادہ زہریلا بنا دیتی ہے اور ان کے مکھی ہونے کو روزافزوں
ترقی دیتی ہے۔

بھاگ، میرے دوست اپنے گوشۂ تنہائی میں اور ایسی جگہ

جہاں ٹھنڈی اور تیز ہوا چلتی ہو! مکھی مار بننا تیری قسمت میں تو لکھا نہیں۔
یہ تھی تقریر زرتُشت کی۔

پاک بازی

مجھے محبّت ہی جنگل سے۔ شہروں کی رہایش بری ہوتی ہی۔ وہاں بہت زیادہ شہوت پرست لوگ رہتے ہیں۔

کسی شہوت پرست عورت کے مرکزِ خیال بننے سے کیا یہ بہتر نہیں ہو کہ آدمی کسی جلّاد کے پنجے میں پھنس جائے؟

اور ذرا ان مردوں کو دیکھو تو سہی! اُن کی آنکھیں یہ کہ رہی ہیں کہ عورت کے پہلو میں لیٹنے سے بہتر اور کوئی چیز دنیا میں نہیں۔

ان کی روح کی تھاہ میں کیچڑ جمی ہوئی ہو۔ اور ہائے، اگر انکی کیچڑ میں جان بھی ہو!

کاشکے تم بہ حیثیت جانور ہونے کے ہی مکمل ہوتے۔ لیکن جانور ہونے کے لیے معصُوم ہونا ضروری ہی۔

کیا میں تمھیں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم اپنی حِسّیات کو مار ڈالو؟ نہیں بلکہ میں تمھیں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اپنے حِسّیات کو پاک بناؤ۔

کیا میں تمھیں پاکباز بننے کا مشورہ دیتا ہوں؟ بعض لوگوں کے لیے پاکبازی وصف تو ضرور ہی، لیکن اکثر لوگوں کے لیے قریب قریب سخت عیب ہی۔

یہ ضرور ہی کہ وہ اپنے نفس کو روکے ہوتے ہیں۔ لیکن وہ کُتیا جس کا نام شہوت پرستی ہی ان کے ہر فعل سے رشک کے ساتھ جھانکتی ہی۔

ان کی نیکیوں کی بلندی سے لے کر ان کی سرد روح کی پستی تک یہ

بدذات جانور اور اس کی ناخوشی ان کا پیچھا کرتی ہی۔

اور یہ کتیا جس کا نام شہوت پرستی ہو کس خوبی سے ایک ٹکڑا روح کا بطور بھیک کے مانگ لیتی ہو جب گوشت کی بوٹی ملنے میں اسے کامیابی نہیں ہوتی۔

کیا تمھیں دل چسپی ہو غم ناک کھیلوں سے اور ان تمام چیزوں سے جو دل کو پاش پاش کر دیتی ہیں۔ مگر میں تمھاری کتیا کو مشکوک نظروں سے دیکھتا ہوں۔

تمھاری آنکھیں بڑی ظالم ہیں اور تمھیں مصیبت زدوں کو دیکھنے میں بڑا لطف آتا ہو۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہو کہ تمھاری خواہشِ نفسانی نے اپنا بھیس بدل کر اپنا نام ہمدردی رکھ دیا ہو؟

اور یہ ضرب المثل بھی میں تم کو بتائے دیتا ہوں:۔ ایسے لوگوں کی تعداد کم نہیں ہو جو اپنا شیطان نکالنا چاہتے تھے مگر سوروں میں جا پڑے۔

جسے پاکبازی گراں گزرتی ہو اس کو میں اس سے اجتناب کرنے کا مشورہ دیتا ہوں تاکہ وہ اسے دوزخ کی طرف نہ لے جائے، یعنی روح کی کیچڑ اور شہوت کی طرف۔

کیا میں گندی چیزوں کا ذکر کرتا ہوں؟ میرے نزدیک اس سے بھی بُری باتیں دنیا میں ہیں۔

صاحب معرفت سچائی کے پانی میں اُترنا اس وقت ناپسند نہیں کرتا جب کہ وہ گندی ہو بلکہ جب وہ چھچھلی ہو۔

درحقیقت ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کی طینت میں پاکبازی ہو۔

ان کے دل تم سے نرم ہیں اور وہ تم سے زیادہ ہنسنا پسند کرتے ہیں اور تم سے زیادہ دل کھول کر ہنستے ہیں۔

وہ پاکبازی پر بھی ہنستے ہیں اور کہتے ہیں: "پاکبازی ہی کیا!

کیا پاکبازی بیوقوفی نہیں ہے؟ لیکن یہ بیوقوفی خود ہمارے پاس آئی ہے، ہم اس کے پاس نہیں گئے۔

ہم نے اس مہمان کو رہنے کی جگہ دی اور اس کی دل دہی کی۔ اب وہ ہمارے پاس رہ پڑا ہے اور رہے جب تک اس کا جی چاہے!"

یہ تھی تقریر زرتشت کی۔

دوست

گوشہ نشین یہ خیال کرتا ہے: "میرے ساتھ ہمیشہ ایک شخص ضرورت سے زیادہ رہتا ہے۔ ہمیشہ ایک اِکن ایک۔ بالآخر یہ دو ہو جاتے ہیں"۔

'میں' اور 'مجھے'، ہمیشہ باہم گفتگو میں غرق رہتے ہیں۔ اگر کوئی دوست نہ ہو تو یہ امر ناقابلِ برداشت ہو جائے۔

گوشہ نشین کا دوست ہمیشہ ایک تیسرا شخص ہوتا ہے۔ یہ تیسرا شخص مثل بوتل کی ڈاٹ کے ہے جو دونوں کی گفتگو کو پستی کی طرف گرنے سے روکتا ہے۔

آہ، تمام گوشہ نشینوں کو بے شمار پستیوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ لہٰذا ان کو تمنا رہتی ہے ایک دوست اور اس کی بلندی کی۔

جب ہم دوسروں پر کسی بات میں اعتقاد رکھتے ہیں تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسی بات میں ہمیں اپنے اوپر اعتقاد ہے۔ جب ہمیں ایک

دوست کی تمنّا ہو تو اس سے خود ہمارا رازنشت از بام ہو جاتا ہے۔
اور محبّت سے انسان کا مقصد اکثر محض یہ ہوتا ہے کہ وہ حسد کے اوپر سے چھلانگ مار جائے۔ اور انسان اکثر حملہ آور ہوتا ہے اور اپنا دشمن پیدا کرتا ہے تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ اس پر بھی کوئی حملہ کر سکتا ہے۔
"کم از کم تو میرا دشمن ہی بن جا!" یہ مقولہ ہے سچّے احترام کا جسے دوست بنانے کی ہمت نہیں پڑتی۔
اگر کسی کو دوست کی تمنّا ہو تو اسے اس کے لیے جنگ کرنا بھی ضروری ہے۔ اور جنگ کرنے کے لیے اس میں دشمن بننے کی قابلیت ہونی چاہیے۔
انسان کو چاہیے کہ اپنے دوست میں دشمن کی بھی قدر کرے۔ کیا تو اپنے دوست کے بالکل قریب پہنچ سکتا ہے بغیر اس کے کہ کسی اور پر چھلانگ مار کر جائے؟
انسان کو اپنے دوست میں اپنا بہترین دشمن رکھنا چاہیے۔ تجھے چاہیے کہ تو اس وقت دل سے اس کے قریب ترین ہو جب کہ تو اس کی مخالفت کرے
کیا تو اپنے دوست کے آگے ننگا رہنا چاہتا ہے؟ کیا تیرے دوست کے لیے یہ باعثِ عزت ہے کہ تو اپنے آپ کو اس کے سامنے اس طرح پیش کرے جس طرح کہ تو واقعی ہے؟ لیکن وہ اس کی وجہ سے تجھ پر لعنت بھیجتا ہے۔
جو شخص اپنا کوئی راز نہیں رکھنا چاہتا اس سے لوگوں کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اتنی بڑی وجہ ہے تمھارے پاس برہنگی سے ڈرنے کی! ہاں اگر تم لوگ خدا ہوتے تو تمھیں اپنے لباس سے شرمانا چاہیے تھا۔
تیری ہر زیب و زینت تیرے دوست کے لیے کم ہے۔ کیوں کہ تجھے

چاہیے کہ تو اس کے لیے فوق البشر کا تیر اور تمنّا بنے۔

کیا تو نے اپنے دوست کو سوتے ہوئے بھی دیکھا ہے تاکہ تجھے معلوم ہوا ہو کہ وہ کیسا دکھائی دیتا ہے؟ ورنہ تیرے دوست کا چہرہ کیا چیز ہے؟ وہ تیرا ہی چہرہ ہے جو ایک ناہموار اور نامکمل آئینے میں دکھائی دیتا ہے۔

کیا تو نے اپنے دوست کو سوتے ہوئے بھی دیکھا ہے؟ کیا تو اپنے دوست کو دیکھ کر سہم نہیں گیا؟ اے میرے دوست، انسان ایک ایسی چیز ہے جس سے گزر جانا چاہیے۔

غیب داں ہونے اور خاموشی اختیار کرنے میں تیرا دوست ماہر ہونا چاہیے ہر چیز کے دیکھنے کی خواہش تیرے لیے ضروری نہیں۔ جو کچھ تیرا دوست جاگتے میں کرے وہ تجھے خواب میں معلوم ہو جانا چاہیے۔

تیری ہمدردی غیب دانی ہونی چاہیے تاکہ تجھے یہ تو معلوم ہو جائے کہ آیا تیرا دوست ہمدردی کا خواہاں ہے بھی کہ نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ تیری بے غم آنکھیں اور دائمی نظر پسند کرتا ہو۔

دوست کے ساتھ ہمدردی ایسے سخت چھلکے میں چھپی ہوئی رہنی چاہیے کہ اگر تو اس کو توڑنا چاہے تو خود تیرے دانت ٹوٹ جائیں۔ نزاکت اور شیرینی کا یہی اقتضا ہے۔

کیا تو اپنے دوست کے لیے صاف ہوا اور گوشہ تنہائی اور غذا اور دوا ہے؟ بہتیرے لوگ ایسے ہیں کہ خود اپنی زنجیریں نہیں کھول سکتے، بایں ہمہ وہ اپنے دوست کو رہائی دے سکتے ہیں۔

کیا تو غلام ہے؟ اگر ہے تو تُو دوست بننے کے قابل نہیں۔ کیا تو ظالم ہے؟ اگر ہے تو تیرا کوئی دوست نہیں ہو سکتا۔

عورت میں زمانۂ دراز سے غلام اور ظالم پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ اس لیے
عورت میں اب تک دوست بننے کا مادہ نہیں ہے۔ اگر وہ کسی چیز سے واقفیت
رکھتی ہے تو وہ محبت ہے۔

عورت کی محبت میں ان تمام چیزوں کے خلاف جن سے وہ محبت
نہیں کرتی ناانصافی اور اندھاپن پایا جاتا ہے۔ اور جس محبت کا عورت
میں احساس ہو اس میں بھی اب تک اچانک پنا پایا جاتا ہے اور بجلی اور
روشنی کے ساتھ ساتھ تاریکی۔

ابھی تک عورت میں دوستی کا مادہ نہیں پیدا ہوا۔ عورتوں کی مثال
اب تک بلبلوں اور چڑیوں کی سی ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ گایوں کی سی۔

ابھی تک عورت میں دوستی کا مادہ نہیں پیدا ہوا، لیکن اے مردو،
مجھے تو یہ بتاؤ کہ تم سے کون دوستی کے قابل ہے۔

اے مردو، حیف ہے تمہاری ناداری پر اور تمہاری روحوں کے بخل
پر! جتنا کچھ تم دوست کو دیتے ہو اتنا اور میں دشمن کو دینے کے لیے تیار
ہوں اور اس کی وجہ سے میں زیادہ غریب بھی نہیں ہو جاؤں گا۔

رفاقت دنیا میں موجود ہے۔ کاشکے دوستی ہوتی!

یہ تھی تقریر زردشت کی۔

ایک ہزار ایک مقصد

زردشت نے بہت سے ملکوں کی سیر کی اور بہت سی قوموں کو دیکھا
اس طرح سے وہ بہت سی قوموں کی خوبیوں اور برائیوں سے واقف
ہوگیا اور زردشت کو نیکی اور برائی سے بڑھکر کوئی چیز نظر نہیں آئی۔

قیمتیات مقرر کرنے کے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ اگر اس کو اپنا قایم رکھنا منظور ہی تو اُسے قیمتیات کو اس طرح مقرر نہ کرنا چاہیے جس طرح کہ ہمسایہ کرتا ہی۔

بہت سی چیزیں جو ایک قوم کے نزدیک پسندیدہ تھیں دوسری قوم کے نزدیک ذلت اور خواری سے تعبیر کی جاتی ہیں۔ یہ ہی میرا تجربہ۔ میں نے یہ پایا کہ بہت سی چیزیں ایک جگہ بُری سمجھی جاتی ہیں اور دوسری جگہ انھیں خلعت فاخرہ پہنایا جاتا ہی۔

ہمسایہ ہمسائے کو سمجھنے سے ہمیشہ قاصر رہا ہی۔ ہمسائے کی خام خیالی اور بدنیتی کو اس نے ہمیشہ اچنبھے کی نظر سے دیکھا ہی۔

ہر قوم کے اوپر خوبیوں کی ایک جدول آویزاں ہوتی ہی۔ ہاں یہ اس کی کامیابیوں کی جدول ہی۔ ہاں یہ اس کی قوت کے عزم بالجزم کی جدول ہی۔

جو چیز اس کو مشکل معلوم ہوتی ہی وہ اس کے نزدیک قابل تعریف ہی اور اچھی وہ چیز ہی جس سے اس کو مفر نہ ہو اور جو مشکل بھی ہو۔ اور جو چیز اس کو بڑی سے بڑی مصیبت سے نجات دے، یعنی کم یاب اور مشکل ترین ہو اس کا وہ احترام کرتی ہی۔

جس چیز کی وجہ سے وہ اپنے ہمسائے کے علی الرغم حکومت کرتی اور فتح حاصل کرتی اور رونق افروز ہوتی ہی وہی چیز اس کے لیے اعلیٰ اور اُولیٰ اور پیمانۂ اشیا ہی اور تمام چیزوں کا مقصد اصلی۔

میرے بھائی، یہ سچ ہی کہ اگر تو ایک قوم کی ضروریات اور اس کی زمین اور اس کے آسمان اور اس کے ہمسائے کو پہچان لے تو اس کی کامیابی کے قانون کا مُعَمّا تیرے لیے حل ہو جائے گا، اور نیز یہ کہ اپنی امید تک پہنچنے

کے لیے وہ اُس سیڑھی کو کیوں استعمال کرتی ہی۔
"تجھے ہمیشہ اوّل درجے پر اور دوسروں سے بڑھ چڑھکر رہنا چاہیے۔ تیری بدظن روح کو چاہیے کہ وہ کسی سے محبّت نہ کرے اور اگر کرے تو محض دوست سے"۔ اس جملے سے یونانی کی روح کانپنے لگتی تھی اور اسی راہ سے وہ بڑائی کی طرف گامزن ہوا۔
"سچ بات کہنی اور تیر کمان کی خوب رفاقت کرنی"۔ یہ اُس قوم کو پیارا اور مشکل معلوم ہوتا تھا جس سے میرا نام چلا ہی، وہ نام جو میرے لیے پیارا بھی ہی اور مشکل بھی[1]۔
"ماں باپ کی عزّت کرنی اور تہ دل سے ان کی خواہش پوری کرنی"۔ کامیابی کی اس جدول کو ایک دوسری قوم نے اپنے اوپر آویزاں کیا تھا اور اس کی وجہ سے وہ قوی اور دائمی ہوگئی۔
"وفاداری کرنی اور وفاداری کی خاطر بری اور خطرناک چیزوں پر بھی عزّت اور جان کو نثار کر دینا"۔ اس طرح سے تعلیم دے کر ایک دوسری قوم نے اپنے آپ کو قابو میں کیا تھا۔ اور اس طرح سے اپنے آپ کو قابو میں کرکے وہ حاملہ ہوگئی اور اس کو بڑی امیدوں کا حمل ہوگیا
درحقیقت آدمیوں نے اپنی نیکیاں اور برائیاں خود گھڑی ہیں۔ یہ سچ ہی کہ انھوں نے ان کو نہ کسی سے لیا اور نہ کہیں پڑا پایا اور نہ وہ بطور

---

[1] دیباچہ کو دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ نیتشے کے آبا و اجداد پولینڈ کے رہنے والے نواب تھے جو مذہبی جنگوں کی وجہ سے پولینڈ چھوڑ کر جرمنی میں آبسے تھے۔ نیتشے ہمیشہ اپنے اس نسب پر فخر کرتا تھا اور اس کی بہن کا تو یہ مقولہ ہی کہ ہم نواب لوگ جھوٹ بولنے سے پرہیز کرتے ہیں اور واقعہ بھی یہ ہی کہ دونوں بھائی بہن راست گوئی میں ممتاز تھے۔ مترجم

وحی کے آسمان سے نازل ہوئیں۔

انسان نے اپنے آپ کو قایم رکھنے کے لیے چیزوں میں قیمتیں مقرر کیں۔ محض اسی نے چیزوں میں معنے پیدا کیے، یعنی انسانی معنے۔ اسی لیے اس نے اپنا نام "انسان" رکھا، یعنی قدر و منزلت کرنے والا۔

قدر و منزلت کرنے کے معنی ہیں خلق کرنا۔ اے خلق کرنے والو! اسے خوب سن رکھو! خود قدر و منزلت کرنا تمام قدر و منزلت کی ہوئی چیزوں کا خزانہ اور جوہر ہے۔

قدر و منزلت ہی سے تو قیمت پیدا ہوتی ہے۔ اور بغیر قدر و منزلت کے کائنات کا اخروٹ بے مغز ہوتا ہے۔ اسے بھی سُن رکھو، اے خلق کرنے والو!

قیمتوں کا ردّ و بدل خلق کرنے والوں کا ردّ و بدل ہے۔ جو کوئی خلق کرنا چاہتا ہے اس کو تباہ بھی کرنا پڑتا ہے۔

خلق کرنے والی پہلے تو قومیں تھیں اور پھر زمانۂ دراز کے بعد افراد ہوئے۔ درحقیقت فرد بشر خود سب سے پچھلی مخلوق ہے۔

ایک زمانے میں قوموں نے اچھی چیزوں کی ایک جدول اپنے اوپر آویزاں کی تھی۔ حاکم محبّت اور محکوم محبت نے مل کر یہ جدولیں تیار کی تھیں۔ گلّے پر خوش ہونا 'میں' پر خوش ہونے سے قدیم تر ہے۔ اور جب تک اچھّا ضمیر گلّے کے نام سے تعبیر کیا جائے گا۔ اس وقت تک بُرا ضمیر محض 'میں' رہے گا۔

درحقیقت چالاک اور محبت سے خالی 'میں'، جو اپنا فایدہ اور بہتیروں کے فایدے کے ساتھ وابستہ کرتا ہے گلّے کی ابتدا نہیں ہوئی بلکہ

اس کا زوال ہوا۔
ہمیشہ سے عاشقوں اور خالقوں ہی نے نیک و بد کو خلق کیا ہے۔ تمام خوبیوں کے ناموں میں محبّت کی آگ اور غضب کی آگ دہک رہی ہے۔
زرتشت نے بہت سے ملکوں کی سیر کی اور بہت سی قوموں کو دیکھا اور زرتشت نے عاشقوں کے کام سے بڑھکر دنیا میں کسی قوت کو نہیں دیکھا۔ ان کا نام "اچھائی" اور "برائی" ہے۔
واقعی اس تعریف اور مذمّت کی طاقت عجیب الخلقت چیز ہے۔ بھائیو، کہو اس کو کون زیر کرسکتا ہے؟ بولو کہ اس حیوان کی ہزار گردنوں میں کون زنجیر ڈال سکتا ہے۔
اب تک ہزار مقصد تھے کیوں کہ ہزار قومیں تھیں۔ کمی تھی تو محض ہزار گردنوں کی زنجیر کی۔ فقط ایک مقصد کی کمی تھی۔ انسان کا مقصد ابھی تک مفقود ہے۔
مگر میرے بھائیو، کہو تو سہی، اگر انسان کا مقصد مفقود ہے تو کیا اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ خود مفقود ہے؟
یہ تھی تقریر زرتشت کی۔

محبّتِ ہمسایہ

تم ہمسائے کے پاس پلے چلے جاتے ہو اور اس کے لیے تمھارے پاس خوبصورت الفاظ ہیں۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں: ہمسائے سے محبّت کرنے کے یہ معنے ہیں کہ تمھیں اپنے آپ سے اچھی طرح محبّت نہیں ہے۔ تم اپنے آپ سے بھاگ کر ہمسائے کے آغوش میں پناہ لیتے ہو۔

اور اسے اپنے لیے ایک خوبی بنانا چاہتے ہو۔ مگر مجھ پر تمھارے "بے نفس ہونے" کی حقیقت کھل گئی ہے۔

'تو' قدیم تر ہے بہ نسبت 'میں' کے۔ 'تو' کا احترام واجب ہو چکا ہے لیکن 'میں' کا ابھی نہیں۔ اسی لیے انسان ہمسائے میں پلا چلا جاتا ہے۔

کیا میں تمھیں محبت ہمسایہ کی صلاح دیتا ہوں ؟ اس سے تو بہتر ہے کہ میں تمھیں ہمسائے سے کوسوں بھاگنے اور دور ترین شخص سے محبت کرنے کی صلاح دوں۔

ہمسائے کی محبت سے بالاتر درجہ دور ترین اور مستقبل شخص کی محبت کا ہے۔ میرے نزدیک تو انسانوں کی محبت سے چیزوں اور ہمزادوں کی محبت کا درجہ بالا تر ہے۔

میرے دوست، یہ ہمزاد جو تیرے آگے آگے دوڑتا ہے تجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ تو اپنا گوشت اور اپنی ہڈیاں اس کے سپرد کیوں نہیں کر دیتا ؟ لیکن تو خود اپنے سے خائف ہے اور اپنے ہمسائے کے پاس بھاگ کر پناہ لیتا ہے۔

تمھیں خود اپنی صحبت ناقابلِ برداشت ہے اور اپنے آپ سے کافی محبت نہیں۔ لہٰذا تم یہ چاہتے ہو کہ ہمسائے کو ورغلا کر محبت پر آمادہ کرو اور اس کی غلطی سے اپنے آپ کو آراستہ کرو۔

میں چاہتا ہوں کہ تمھارے لیے ہر قسم کے ہمسایوں اور ہمسایوں کے ہمسایوں کی صحبت ناقابلِ برداشت ہو جائے تاکہ تم خود اپنے آپ میں سے اپنا دوست اور اس کا جوش زن دل پیدا کرو۔

جب تم اپنی تعریف کرنا چاہتے ہو تو ایک گواہ کو بلا لاتے ہو۔ اور

جب وہ تمھارے وہ غلانے پر تمھاری تعریف کرنے لگتا ہو تو پھر تم خود بھی اپنے متعلق اچھا خیال کرنے لگتے ہو۔

محض وہ شخص دروغ گو نہیں جو اپنے علم کے خلاف بیان کرتا ہو بلکہ اس سے زیادہ وہ شخص ہو جو اپنی لاعلمی کے خلاف بیان کرتا ہو۔ اور اسی بنا پر تم آپس میں اپنے متعلق گفتگو کرتے ہو اور ہمسائے اور اپنے آپ دونوں سے دروغ گوئی کرتے ہو۔

بے وقوف کا یہ مقولہ ہو: "انسانوں کی صحبت مخرّب اخلاق ہو۔ بالخصوص جب اخلاق مفقود ہو۔"

ہمسائے کے پاس کوئی تو اپنے آپ کو ڈھونڈھنے کے لیے جاتا ہو اور کوئی کھونے کے لیے۔ وہ بری محبت جو تمھیں اپنے آپ سے ہو تمھاری تنہائی کو قید میں مبدّل کر دیتی ہو۔

جو لوگ تمھاری محبت ہمسایہ کی قیمت ادا کرتے ہیں وہ اُن سے زیادہ دور والے ہیں۔ اور اگر تم پانچ شخص باہم دیگر ہو تو ہمیشہ چھٹا مارا جائے گا

مجھے تمھارے تیوہاروں سے بھی محبت نہیں ہو ان میں مجھے بہت سے بھانڈ نظر آتے ہیں۔ اور تماش بین بھی اکثر بھانڈوں کی سی نقل کرتے ہیں

میں تمھیں ہمسائے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ دوست کی۔ دوست تمھارے لیے دنیا کا تیوہار ہونا چاہیے اور فوق البشر کی پیش قدمی۔

میں تمھیں دوست کی تعلیم دیتا ہوں اور اس کے لبریز دل کی۔ لیکن لبریز دل کا محبوب بننے کے لیے پہلے اسفنج ہونے کی قابلیت پیدا کرنی چاہیے۔

میں تمھیں اس دوست کی تعلیم دیتا ہوں جس میں دنیا بنی بنائی موجود ہو اور جو ساغر ہو خوبی کا، اس دوست کی جو خالق ہو اور جس کے

پاس بخشنے کے لیے ایک مکمل دنیا موجود ہے۔

اور جس طرح دنیا چٹائی کی طرح اس کے ہاتھ سے کھل کر الگ ہوگئی تھی اسی طرح سے اب وہ پھر حلقہ در حلقہ لپٹ کر اس کے پاس واپس آگئی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ بدی میں سے نیکی کا پیدا ہونا یا اتفاق میں سے کام کی بات کا۔

زمانہ مستقبل اور دور و دراز چیز تیرے زمانہ حال کی بانی ہونی چاہیے تجھے اپنے دوست میں فوق البشر سے محبت کرنی چاہیے بہ حیثیت اس کے کہ وہ تیرا بانی ہے۔

میرے بھائیو، میں تمھیں محبتِ ہمسایہ کا مشورہ نہیں دیتا بلکہ میں تمھیں دور ترین شخص کی محبت کا مشورہ دیتا ہوں۔

یہ تھی تقریر زرتشت کی۔

تخلیق کرنے والے کا راستا

بھائی میرے، کیا تو گوشۂ تنہائی میں جانا چاہتا ہے؟ کیا تو خود اپنی طرف جانے کا راستا تلاش کرنا چاہتا ہے؟ ذرا اور ٹھیر جا اور پہلے میری بات سُن لے۔

"جو ڈھونڈھتا ہے وہ خود بآسانی کھو جاتا ہے۔ ہر تنہائی جرم ہے" یہ مقولہ ہے گلّے کا۔ اور تو زمانۂ دراز سے گلّے کا ایک جزو ہے۔

گلّے کی آواز ابھی تجھ میں اور گونجے گی۔ اور اگر تو کہے گا: "میرا اور تمھارا ضمیر ایک نہیں ہے"، تو یہ ایک شکایت اور اذیت ہوگی۔

دیکھ محض اس ایک ضمیر نے اس اذیت کو جنا ہے اور اس ضمیر کے

آخری آثار اب تک تیری غمگینی پر چمک رہے ہیں۔
مگر کیا تو اپنی غمگینی کے راستے پر چلنا چاہتا ہے جو خود تیری طرف جانے کا راستا ہے؟ اگر ایسا ہے تو بتا کہ تیرا حق اس پر کیا ہے اور تیری طاقت کس قدر ہے!
کیا تو کوئی نئی طاقت ہے اور نیا حق؟ کوئی حرکت اوّل؟ کوئی خود رو پہیا؟ کیا تو ستاروں کو بھی مجبور کر سکتا ہے کہ وہ تیرے گرد گھومیں؟
آہ، بلندی کی طرف جانے کی حرص کس افراط سے پائی جاتی ہے! حوصلہ مندوں کے تشنج کی کتنی زیادتی ہے! مجھ پر ثابت کر کہ تو نہ حریصوں میں سے ہے اور نہ حوصلہ مندوں میں سے!
آہ، کتنے بڑے بڑے خیالات ہیں جن کی حیثیت دھونکنی سے زیادہ نہیں۔ وہ پھُلا دیتے ہیں اور پھر پہلے سے زیادہ خالی کر دیتے ہیں۔
تو اپنے آپ کو آزاد کہتا ہے؟ میں تیرا فیصلہ کن خیال سننا چاہتا ہوں نہ یہ کہ تو ایک جوئے کو پھینک کر بھاگ آیا ہے۔
کیا تجھے جوئے کو پھینک کر بھاگ آنے کا حق حاصل ہے؟ بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ جب وہ اپنی غلامی سے سبک دوش ہوئے تو ان کی بچی کھچی قدر و منزلت نے بھی ان کو خیرباد کہہ دیا۔
آزاد کس چیز سے؟ زردشت کو اس کی کیا پروا! لیکن بات تو جب ہے کہ تیری آنکھیں صاف صاف یہ کہیں۔ آزاد کس لیے؟
کیا تو خود اپنی نیکی اور اپنی برائی اپنے لیے گھڑ سکتا ہے اور اپنے ارادوں کو مثل قانون کے اپنے اوپر آویزاں کر سکتا ہے؟ کیا تو خود اپنے آپ کو سزا دے سکتا ہے اور اپنے قانون کا بدلہ لے سکتا ہے؟

سزا دینے والے اور اپنے قانون کا بدلہ لینے والے کے پاس تنہا بیٹھنا خوفناک ہے۔ اس طرح سے ایک ستارا غیر آباد فضا اور ویرانے کی ٹھنڈی سانسوں میں پھینک دیا جاتا ہے۔

اے شخصِ واحد، آج بھی تُو مَرضِ اَنبوہ میں مبتلا ہے۔ آج بھی تیری ہمت اور تیری امیدیں مستحکم ہیں۔

لیکن ایک نہ ایک روز تو اپنی تنہائی سے اکتا جائے گا۔ ایک نہ ایک روز تیرا غرور ٹوٹ جائے گا اور تیری ہمت پست ہو جائے گی۔ ایک نہ ایک روز تو چلا کر کہے گا "میں اکیلا ہوں!"

ایک وہ روز آنے والا ہے کہ تو اپنی بلندی کو پھر نہ دیکھے گا اور تیری پستی تیری آنکھوں کے سامنے ہوگی۔ خود تیری بلندی تجھے بھوت بن کر ڈرائے گی۔ ایک روز وہ آنے والا ہے کہ تو چلا کر کہے گا "سب جھوٹ ہے!"

ایسے بھی جذبات ہوتے ہیں جو تنہا شخص کو مار ڈالتے ہیں۔ اور اگر انھیں اس میں کامیابی نہ ہوتی تو وہ خود مر جاتے ہیں۔ مگر کیا تجھ میں قاتل بننے کی قابلیت ہے؟

بھائی میرے، کیا تو لفظ "حقارت" سے واقف ہے؟ اور اپنی خدا ترسی کے اس وبال سے جو ان لوگوں کے ساتھ انصاف کرنے میں ہوتا ہے جو تجھے حقیر سمجھتے ہیں؟

تو بہتیروں کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ تیری نسبت اپنا خیال بدل دیں۔ اس کا خمیازہ تجھے بھگتنا پڑتا ہے۔ تو ان کے قریب آکر بھی ان کو چھوڑ کر چلتا ہوتا ہے۔ وہ تیری یہ حرکت کبھی معاف نہ کریں گے۔

تو ان کو چھوڑ کر بلندی کی طرف چلتا ہوتا ہے۔ لیکن تو جتنا اونچا ہوتا

جاتا ہو اتنا ہی چھوٹا تجھے رشک کی آنکھ دیکھتی ہو۔لیکن سب سے زیادہ لوگ
اڑنے والے کو نفرت سے دیکھتے ہیں۔

تجھے یہ کہنا چاہیے: "تم ہمارے ساتھ انصاف کس طرح کروگے! میں
اپنے لیے تمھاری نا انصافی کو پسند کرتا ہوں جو میری قسمت میں لکھی ہوئی ہو"

وہ لوگ گوشہ نشین کی طرف نا انصافی اور گندگی پھینکتے ہیں۔مگر بھائی
میرے، اگر تو ستارا ہونا چاہتا ہو تو تجھے یہ نہ چاہیے کہ اس وجہ سے تو ان کو
روشنی پہنچانے میں خست کرے۔

اور نیک اور خدا ترس لوگوں سے بچ کر رہ! وہ انھیں لوگوں کو
سولی پر چڑھانا پسند کرتے ہیں جو اپنی خوبیاں خود ایجاد کرتے ہیں ۔ وہ
گوشہ نشین سے نفرت کرتے ہیں۔

پاک لوگوں کے بھولے پن سے بھی بچ کر رہ! ان کے خیال میں وہ
تمام چیزیں ناپاک ہیں جو بھولی نہیں۔بھولا پن آگ سے بھی کھیلنا پسند کرتا
ہو، یعنی اس آگ سے جس میں مرتد لوگ جلائے جاتے ہیں۔

اور اپنی محبت کے حملوں سے بھی بچ کر رہ! گوشہ نشین جس سے ملتا ہو
اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیتا ہو۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ تجھے اپنا ہاتھ ان کو نہ دینا چاہیے بلکہ
محض پنجہ اور میں تو یہ بھی چاہتا ہوں کہ تیرے پنجے میں تیز ناخن بھی ہوں۔

مگر بڑے سے بڑا دشمن جو تیرا ہو سکتا ہو وہ تو ہی ہو اور رہے گا۔
غاروں اور جنگلوں میں تو خود اپنے خلاف تاک میں بیٹھتا ہو۔

اے گوشہ نشین، تو خود اپنی طرف جارہا ہو! اور تیرا راستا خود تیرے
اور تیرے سات شیطانوں کے پاس سے ہو کر گزرتا ہو!

تو خود اپنے لیے مرتد کا درجہ رکھے گا اور جادوگرنی اور فال گو اور احمق اور شکی اور ناپاک اور بدمعاش کا۔

تجھے چاہیے کہ تو اپنے آپ کو خود اپنے شعلے میں جلا ڈالے۔ نئے بننے کی تجھے کیوں کر امید ہو سکتی ہے اگر تو اپنے آپ کو جلا کر خاکستر نہ کر ڈالے۔

اے گوشہ نشین، تیرا راستا خلق کرنے والے کا راستا ہے۔ تو اپنے سات شیطانوں میں سے اپنے لیے ایک خدا کو خلق کرے گا!۔

اے گوشہ نشین، تیرا راستہ عاشق کا راستہ ہے۔ تجھے خود اپنی ذات سے عشق ہے اور اس لیے تو اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے جیسا کہ محض عاشق لوگ حقیر سمجھا کرتے ہیں۔

عاشق تخلیق کرنا چاہتا ہے کیوں کہ وہ تحقیر کرتا ہے۔ جو شخص علی الرغم اپنے محبوب کی تحقیر نہیں کرتا وہ کیا جانے کہ محبّت کیا ہوتی ہے!۔

بھائی میرے، اپنی محبت اور اپنی تخلیق کو اپنے گوشۂ تنہائی میں لیتا جا۔ اور ایک مدّت کے بعد خوفِ خدا لنگڑاتا ہوا خود تیرے پیچھے پہنچے گا۔

بھائی میرے، میرے آنسوؤں کو اپنے گوشۂ تنہائی میں لیتا جا مجھے اس سے محبّت ہے جو اپنے سے بڑھکر پیدا کرنا چاہتا ہے اور اس طرح نیست و نابود ہو جاتا ہے

یہ تھی تقریر زرتُشت کی۔

بُوڑھی اور جوان عورتیں

اے زردُشت، تو شفق کی تاریکی میں کیا سر جھکائے چھپا چھپا چلا جاتا ہے؟ اور تو اپنے دامن میں کیا چیز حفاظت سے چھپائے ہوئے ہے؟

"کیا یہ کوئی خزانہ ہے جو تجھ کو کہیں سے مل گیا ہے؟ کیا کوئی تیرا نوزائیدہ بچّہ ہے؟ یا تو نے اب چوروں کا راستہ اختیار کیا ہے، اے برائی کے چاہنے والے؟"

زردُشت نے جواب دیا: بھائی میرے، تم سچ کہتے ہو، یہ خزانہ ہے جو مجھے کہیں سے مل گیا ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی سچائی ہے جو میں لیے جا رہا ہوں۔

لیکن یہ ایک چھوٹے بچّے کی طرح شریر ہے۔ اور اگر میں اس کا منہ نہ بند رکھوں تو یہ بہت شور مچائے گا۔

آج سورج ڈوبنے کے وقت جب میں چلا جا رہا تھا تو ایک بوڑھی عورت سے آنکھیں چار ہوئیں اور وہ میری روح سے یوں کہنے لگی:۔

"ہم عورتوں سے بھی زردُشت نے بہت سی باتیں کہیں لیکن عورت کے بارے میں اس نے کبھی کچھ نہ کہا۔"

اور میں نے اس کو یہ جواب دیا "عورت کے بارے میں تو صرف مردوں سے کہنا چاہیے۔"

اس نے کہا "مجھ سے بھی عورت کے بارے میں کچھ کہہ۔ میں اتنی بوڑھی ہوں کہ اس کو فوراً بھول جاؤں گی۔"

اور میں نے اس بڑھیا کا کہنا مان لیا اور اس سے کہنے لگا:۔

عورت سرتا پا معمّا ہے اور عورت کا سرتا پا ایک ہی حل ہے جس کا نام حمل ہے۔

عورت کے واسطے مرد ایک وسیلہ ہوتا ہے۔ مقصد ہمیشہ بچّہ ہوتا ہے۔ لیکن عورت مرد کے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے؟

کھرا مرد دو چیزیں چاہتا ہے 'خطرہ اور کھیل'۔ اس لیے وہ عورت کو بہ حیثیت ایک خطرناک کھیل کے چاہتا ہے۔

مرد کی تعلیم جنگ ہونی چاہیے اور عورت کی تعلیم جنگ آوروں کی تفریحِ طبع۔ باقی تمام چیزیں حماقت ہیں۔

جنگ آور کو بہت زیادہ میٹھے پھل پسند نہیں ہوتے۔ اس لیے اسے عورت پسند ہے۔ میٹھی سے میٹھی عورت میں بھی ترشی ہوتی ہے۔

مرد سے بہتر عورت بچّوں کو سمجھتی ہے۔ لیکن مرد میں عورت سے زیادہ بچپن ہے۔ کھرے مرد میں بچّہ پوشیدہ ہوتا ہے اور یہ بچّہ کھیلنا چاہتا ہے۔ عورتو، اٹھو اور مرد میں بچّے کو ڈھونڈ نکالو!

عورت کو ایک کھلونا ہونا چاہیے۔ پاک اور لطیف مثل جواہرات کے جس میں ایک ایسی دنیا کی شعاعیں چمک رہی ہوں جو ابھی وجود میں نہیں آئی ہے

تمھاری محبّت میں ستارے کی کرن چمکنی چاہیے! تمھاری امید یہ ہونی چاہیے "کاشکے مجھ سے فوق البشر پیدا ہو!"

تمھاری محبّت میں بہادری ہونی چاہیے! تمھیں اپنی محبّت کے حربے سے اس شخص پر حملہ آور ہونا چاہیے جو تمھارے دل میں خوف پیدا کرتا ہے۔

تمھاری محبت میں تمھاری عزّت ہونی چاہیے! اس کے علاوہ

عورت عزت کے بارے میں کچھ نہیں سمجھتی۔ لیکن تمھاری عزت کا یہ مقتضا
ہونا چاہیے: جتنی تمھارے ساتھ محبت کی جائے تم اس سے بڑھکر محبت کرو۔
اور اپنے آپ کو کبھی دوسرے درجے پر نہ رکھو۔
جب عورت محبت کرے تو مرد کو اس سے ڈرنا چاہیے۔ کیونکہ اس
حالت میں وہ ہر قربانی کرنے کے لیے آمادہ ہوتی ہے اور اس کے علاوہ
ہر چیز اس کے لیے بے حقیقت ہوتی ہے
جب عورت نفرت کرے تو مرد کو اس سے ڈرنا چاہیے، کیوں کہ
مرد کے دل میں محض بدی ہوتی ہے مگر عورت کے دل میں بد طینتی۔
عورت سب سے زیادہ کس سے نفرت کرتی ہے؟ لوہے نے مقناطیس
سے کہا: "میں سب سے زیادہ تجھ سے نفرت کرتا ہوں، کیوں کہ تجھ میں
کشش تو ہے لیکن اپنی طرف جذب کرنے کے لیے تو کافی طاقتور نہیں"۔
مرد کی خوش وقتی کا یہ نام ہے "میں یہ چاہتا ہوں" عورت کی
خوش وقتی کا یہ نام ہے "وہ یہ چاہتا ہے"۔
جب عورت کامل محبّت کے ساتھ مطیع ہوتی ہے تو اس کے دھیان
میں یہ بات ہوتی ہے: "دیکھ دنیا ابھی ابھی مکمّل ہوئی ہے"۔
اور عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اطاعت کرے اور اپنی سطحیت
کے لیے گہرائی تلاش کرے۔ عورت کی طبیعت سطحی ہوتی ہے جس طرح
کہ چھچھلے پانی کے اوپر ایک متحرک اور طوفان خیز چھلکا۔
مگر مرد کی طبیعت گہری ہوتی ہے۔ اس کا طوفان نیچے ہی نیچے
غاروں میں شور مچاتا ہے۔ عورت کو اندازے سے یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں
طاقت ہوگی لیکن یہ امر پورے طور سے اس کی سمجھ میں نہیں آتا۔

اس پر بڑھیا نے مجھے یہ جواب دیا: "زردُشت نے بہت سی معقول باتیں کہیں، بالخصوص ان کے لیے جو ان کو سننے کے لیے کافی جوان ہیں۔

یہ بھی عجیب و غریب بات ہے: زردُشت عورتوں کو کم جانتا ہے، لیکن وہ جو کچھ ان کے متعلق کہتا ہے وہ ٹھیک ہے۔ اس کی وجہ یہ تو نہیں ہے کہ عورت کے متعلق کوئی بات ناممکن نہیں؟

اور اب بطور شکریہ کے ایک چھوٹی سی سچائی لیتا جا۔ میں تو اس کے لیے کافی بوڑھی ہو چکی ہوں!

اس کو کپڑے میں لپیٹ لے اور اس کا مُنہ بند رکھ، ورنہ وہ بہت زیادہ شور و غل مچائے گی، یعنی یہی چھوٹی سی سچائی۔

میں نے کہا: "اے عورت، اپنی چھوٹی سی سچائی مجھے دے دے!"

اور وہ بڑھیا یوں کہنے لگی:-

"تو عورتوں کے پاس جاتا ہے؟ تو چابک نہ بھولنا!"

یہ تھی تقریر زردُشت کی۔

کالے سانپ نے ڈس لیا

ایک روز جب کہ گرمی سخت پڑ رہی تھی زردُشت ایک انجیر کے درخت کے نیچے اپنی بانہوں کو چہرے کے اوپر رکھ کر سو گیا۔ اس وقت ایک کالے سانپ نے آکر اس کی گردن میں اس زور سے کاٹا کہ زردُشت درد کے مارے چیخ اٹھا۔ اس نے اپنے ہاتھ کو چہرے پر سے ہٹا کر سانپ کو غور سے دیکھا۔ اب اس نے زردُشت کی آنکھیں پہچانیں اور گھبرا کر پیچھے پھرا اور وہاں سے چلتا ہونا چاہتا تھا کہ زردُشت نے کہا: "ارے

کہیں ایسا نہ کرنا۔ ابھی تو تونے میرا شکریہ قبول نہیں کیا! ٹھیک وقت پر آکر تونے مجھے جگایا ہے۔ مجھے ابھی دور جانا ہے" کالے سانپ نے افسوس کے ساتھ جواب دیا۔ "تیرا راستا اب تھوڑا سا رہ گیا ہے۔ میرا زہر قاتل ہے" زردشت نے مسکرا کر کہا " بھلا کبھی کوئی اژدہا بھی سانپ کے زہر سے مرا ہے؟ لیکن تو اپنا زہر واپس لے لے! تو اتنا امیر نہیں ہے کہ تو وہ زہر مجھے مفت میں دے دے" کالا سانپ دوبارہ اس کے گلے سے لپٹ گیا اور اس کے زخم کو چاٹنے لگا۔

ایک مرتبہ جب زردُشت نے یہ واقعہ اپنے چیلوں سے بیان کیا تو انھوں نے کہا "اے زردُشت، مگر اس قصّے سے سبق کیا حاصل ہوتا ہے؟" زردُشت نے جواب دیا:۔

نیک اور خدا ترس لوگ مجھے مخرّبِ اخلاق کہتے ہیں۔ میرے قصّے میں بد اخلاقی ہے۔

لیکن اگر تمھارا کوئی دشمن ہو تو اس کی بدی کا بدلہ تمھیں نیکی سے نہ دینا چاہیے، کیوں کہ اس سے اسے شرمندگی ہوگی۔ بلکہ تم اس پر یہ ثابت کردو کہ اس نے تمھارے ساتھ نیکی کی ہے۔

کسی کو شرمندہ کرنے سے تو یہ بہتر ہے کہ تم اس پر ناراض ہو لو۔ اور مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ جب تمھیں کوئی گالیاں دے تو تم اسے دعائیں دو۔ بہتر ہے کہ ساتھ ساتھ تم بھی اس کو گالیاں دو۔

اور اگر کسی نے تمھارے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے تو تم بھی پانچ اور چھوٹے چھوٹے ظلم کرو۔ دہشت ناک ہے اس شخص کا منظر جو تنہا ظلم کے نیچے دبا پڑا ہو۔

کیا تمھیں یہ پہلے سے معلوم تھا؟ تقسیم شدہ ناانصافی آدھا انصاف ہی۔ اور ناانصافی کا بوجھ اپنے اوپر اس کو لینا چاہیے جو اسے اٹھا سکے۔

کچھ بدلہ لینا قریب تر ہی انسانیت کے بہ نسبت بالکل بدلہ نہ لینے کے اور اگر سزا مجرم کے لیے باعثِ انصاف وعزت بھی نہ ہو تو تمھاری ایسی سزا مجھ کو پسند نہیں۔

اپنے آپ کو غلطی پر سمجھنے میں زیادہ شرافت پائی جاتی ہی بہ نسبت اپنے آپ کو حق پر سمجھنے کے، بالخصوص جب انسان حق پر ہو۔ ہاں یہ ضروری ہی کہ اس کے لیے کافی امیر ہو۔

مجھے تمھارا ایسے رحم انصاف پسند نہیں۔ اور مجھے تمھارے منصفوں کی آنکھوں میں ہمیشہ جلّاد اور اس کا سرد لوہا دکھائی دیتا ہی۔

بتاؤ تو سہی کہ انصاف، یعنی کشادہ چشم محبت، ہی کہاں؟

لہٰذا ایسی محبت کو پہلے اختراع تو کرو جو نہ محض تمام سزائیں بلکہ سارے جرم بھی اپنے اوپر اٹھالے!

لہٰذا ایسا انصاف پہلے اختراع تو کرو جو سزا دینے والوں کے علاوہ سب کو بَری کر دے۔

کیا تم یہ بھی سننا چاہتے ہو؟ جو شخص دل سے انصاف پسند ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہی اس کے نزدیک جھوٹ بھی خلقِ خدا کی دوستی میں مبدّل ہو جاتا ہی۔

لیکن میں کس طرح دل سے انصاف پسند ہو سکتا ہوں! میں کیوں کر ہر شخص کو اس کی چیز دے سکتا ہوں! میرے لیے محض اتنا کافی ہونا چاہیے۔ میں ہر شخص کو اپنی چیز دیتا ہوں۔

آخر میں میں تم سے، اے میرے بھائیو، یہ کہتا ہوں کہ گوشہ نشینوں
کے ساتھ ناانصافی کرنے سے پرہیز کرو۔ گوشہ نشین کیوں کر بھول سکتا
ہے! وہ کس طرح بدلہ لے سکتا ہے!
گوشہ نشین کی مثال کنوئیں کی سی ہوتی ہے۔ اس کے اندر پتھر پھینکنا
آسان ہے۔ لیکن جب وہ تھاہ میں پہنچ گیا تو پھر اس کو کون نکالے گا؟
گوشہ نشین کی توہین کرنے سے احتراز کرو! لیکن اگر تم نے اس کی
توہین کی ہے تو پھر اس کو مار ہی کیوں نہ ڈالو!
یہ تھی تقریر زردُشت کی۔

بچّہ اور شادی

بھائی میرے، میں محض تجھ سے ایک سوال کرتا ہوں۔ اور اس سوال
کو میں لنگر کی طرح تیری روح کے اندر ڈالتا ہوں تاکہ مجھے اس کی گہرائی
معلوم ہو جائے۔
تو جوان ہے اور تجھے بچے اور شادی کی خواہش ہے۔ مگر میں تجھ سے
پوچھتا ہوں: کیا تجھ ایسوں کو بچے اور شادی کی خواہش کا حق حاصل ہے؟
کیا تو اپنا فاتح اور اپنے آپ کو قابو میں رکھنے والا اور اپنی حسیات
کا مالک اور اپنی خوبیوں کا آقا ہے؟ یہ سوال میں تجھ سے کرتا ہوں۔
یا تیری خواہش میں جانور اور ضرورت پنہاں ہے؟ یا تنہائی؟ یا
اپنے آپ سے ناراضگی؟
میں چاہتا ہوں کہ تیری فتح مندی اور آزادی کو اولاد کی تمنا ہو؟
تجھے چاہیے کہ تو اپنی فتح اور اپنی حریت کی زندہ لاٹیں تعمیر کرے۔

تجھے اپنے آپ سے بڑھ کر تعمیر کرنا چاہیے۔ مگر پہلے خود تیری اپنی تعمیر ہونی چاہیے اور تیرا جسم اور روح قائم الزاویہ ہونی چاہیے۔

تیری کھیتی صرف لمبائی اور چوڑائی ہی میں نہ بڑھنی چاہیے بلکہ اونچائی میں بھی! اس کی مدد شادی کے باغ سے ہونی چاہیے۔

تجھے ایک بلند پایہ جسم خلق کرنا چاہیے، ایک حرکت اوّل، ایک خود رَو پہیا۔ تجھے ایک ایسا شخص خلق کرنا چاہیے جو خود خالق ہو۔

شادی: یہ میرے نزدیک نام ہے دو شخصوں کے اس عزم کا کہ وہ ایک ایسے شخص کو پیدا کریں جو والدین سے بڑھ چڑھکر ہو۔ میرے نزدیک شادی نام ہے ایک دوسرے کے احترام کا جو ایسا ہی ہونا چاہیے جیساکہ اس عزم کے رکھنے والوں میں ہوتا ہے۔

یہی ہونا چاہیے تیری شادی کا مقصد اور اس کی حقیقت۔ لیکن افسوس! جس چیز کو یہ بے شمار یعنی زاید از ضرورت لوگ شادی کہتے ہیں اس کا کوئی نام میرے پاس نہیں ہے۔

حیف ہے روح کے جوڑے کی اس ناداری پر! حیف ہے روح کے جوڑے کی اس گندگی پر! افسوس ہے اس جوڑے کی قابلِ رحم مسرتِ نفسانی پر!

ان کے نزدیک ان سب کا نام شادی ہے۔ اور ان کا کہنا یہ ہے کہ ان کی شادیاں آسمان پر کی گئی ہیں۔

ہاں، مجھے ان زاید از ضرورت لوگوں کا آسمان پسند نہیں۔ مجھے یہ آسمانی جال میں پھنسے ہوئے جانور ہرگز ہرگز پسند نہیں!

دور باد مجھ سے وہ خدا بھی جو اس چیز کو متبرّک کرنے کے لیے لنگڑاتا ہوا چلا آتا ہے جس کو اس نے خود مُرتّب نہیں کیا!

ایسی شادیوں کا مضحکہ نہ اُڑاؤ! کس اولاد کے پاس اس کی وجہ موجود نہیں ہے کہ وہ اپنے والدین پر روئے؟

ایک شخص مجھے ایسا معلوم ہوا کہ وہ قابلِ قدر ہے اور دنیا کا ما حصل بننے کے لیے پختہ۔ لیکن جب میں نے اس کی بیوی کو دیکھا تو مجھے زمین پاگل خانہ معلوم ہوئی۔

ہاں میں چاہتا ہوں کہ جب ایک پاک مرد اور ایک بطخ[1] کا جوڑا بنے تو زمین تھرا جائے۔

ایک شخص بہ حیثیت سورما کے سچائی کی تلاش میں گیا اور شکار کرکے لایا تو ایک چھوٹے سے بنے سنورے جھوٹ کو۔ وہ اسے اپنی شادی کے نام سے یاد کرتا ہے۔

دوسرا ملنے جلنے میں شرمیلا تھا اور اس نے بڑی احتیاط سے انتخاب کیا۔ لیکن یک بہ یک اس نے سارے ہم صحبتوں کو درہم برہم کر ڈالا وہ اسے اپنی شادی کے نام سے یاد کرتا ہے۔

اس کو ایک فرشتہ صفت نوکرنی کی تلاش تھی۔ مگر وہ یک بیک ایک عورت کی خود نوکرنی بن گیا۔ اور اب صرف یہ باقی رہ گیا ہے کہ وہ اس سے ترقی کرکے فرشتہ بھی بن جائے۔

اب مجھے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تمام خریدار محتاط ہوتے ہیں اور سب کی آنکھیں متفنی ہوتی ہیں لیکن تفنی سے متفنی شخص بھی اپنی بیوی کو تھیلے میں بند خریدتا ہے۔

---

[1] جرمن زبان میں جب کسی عورت کو طنزاً بے وقوف کہنا ہوتا ہے تو اسے "بطخ" یا "بے وقوف بطخ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ مترجم۔

بہت سی چھوٹی موٹی بے وقوفیاں: اس کا نام تم نے محبت رکھا ہے۔ اور تمہاری شادی ایک لمبی چوڑی بے وقوفی کر کے ان تمام چھوٹی موٹی بے وقوفیوں کا خاتمہ کر دیتی ہے۔

تمہاری محبت عورت سے اور عورت کی محبت مرد سے: آہ، کاش کہ اس کے عوض مریض اور پردہ نشین خداؤں کے ساتھ ہمدردی ہوتی! لیکن اکثر دو جانور سونگھ کر ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔

لیکن تمہاری اچھی سے اچھی محبت بھی محض ایک دل خوش کن تشبیہ اور ایک تکلیف دہ آنچ ہے۔ وہ ایک مشعل ہے جس سے تمھیں بلندی کی طرف جانے کے لیے روشنی دکھانی چاہیے۔

ایک روز تمھیں اپنے آپ سے بڑھ چڑھ کر محبت کرنی ہوگی! لہذا پہلے محبت کرنا سیکھ تو لو! اور اسی لیے تمھیں چاہیے کہ اپنی محبت کا تلخ جام پی جاؤ۔

بہترین محبت کے جام میں بھی تلخی ہوتی ہے۔ لہذا اسے فوق البشر کی تمنا بناؤ! لہذا اس کو اپنے یعنی خالق کے لیے پیاس بناؤ!

خالق کے لیے پیاس، فوق البشر تک پہنچنے کا تیر اور تمنا: کہ تو ہی، بھائی میرے، کیا عزم شادی کا یہی مقصد ہے؟

اس قسم کا عزم اور ایسی شادی میرے نزدیک پاک ہے۔

یہ تھی تقریر زرتشت کی۔

خوشی کی موت

اکثر لوگ بہت دیر میں مرتے ہیں اور بعض بہت جلد مر جاتے ہیں،

"ٹھیک وقت پر مرو!"؛ یہ تعلیم ابھی تک عجیب و غریب معلوم ہوتی ہے۔
ٹھیک وقت پر مرو: یہ زرتشت کی تعلیم ہے۔
ظاہر ہے کہ جو کبھی ٹھیک وقت پر زندہ نہیں رہتا تو یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ وہ ٹھیک وقت پر مرے بھی۔ کاش کے وہ پیدا ہی نہ ہوا ہوتا! یہ میرا مشورہ ہے زاید از ضرورت لوگوں کے لیے۔
مگر زاید از ضرورت لوگ بھی اپنے مرنے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ کھوکھلا اخروٹ بھی یہی چاہتا ہے کہ وہ توڑا جائے۔
سب لوگ مرنے کو بہت اہم سمجھتے ہیں۔ تاہم اب تک موت کو ایک جشن کا مرتبہ حاصل نہیں ہوا۔ ابھی تک لوگوں نے یہ نہیں سیکھا کہ "اچھے سے اچھے" جشن کس طرح منائے جائیں۔
میں تمھیں تکمیل تک پہنچانے والی موت کا معاینہ کراتا ہوں جو زندوں کے لیے مہمیز اور وعدے کا کام دے۔
فاتحانہ اور ان لوگوں کے درمیان مرنا جو اپنی امید اور وعدے پر قایم ہیں: یہ ہے موت تکمیل تک پہنچانے والے کی۔
لہٰذا انسان کو پہلے مرنا سیکھنا چاہیے۔ اور ایک بھی ایسا جشن نہ ہونا چاہیے جہاں کوئی نہ کوئی اس طرح سے مرنے والا زندوں کی قسموں کو متبرک کرنے کے لیے موجود نہ ہو!
اس طرح مرنا بہترین موت ہے۔ اور دوسرے درجے کی موت یہ ہے: لڑائی میں مرنا اور ایک عظیم الشان روح کی فضول خرچی کرنا۔
لیکن تمھارا ناک رگڑ رگڑ کر مرنا جنگ آور اور فاتح دونوں کے نزدیک قابلِ نفرین ہے۔ یہ موت چور کی طرح چھپ چھپ کر چلتی ہے اور

آقا کی طرح آدھمکتی ہی۔

میں تم سے تعریف کرتا ہوں اپنی موت کی، آزادی کی موت کی جو میرے پاس اس لیے آتی ہی کہ میں خود اس کو بلاتا ہوں۔

اور میں کب اسے بلانا چاہوں گا؟ جس کا ایک مقصد ہو اور ایک وارث وہ موت کو ایک ایسے وقت بلائے گا جو مقصد اور وارث کے لیے ٹھیک وقت ہو۔

اور مقصد اور وارث کے احترام کی وجہ سے وہ کعبۂ زندگی میں کبھی سوکھے ہوئے ہار نہیں چڑھائے گا۔

سچ مچ، میں رسّی بٹنے والوں کی سیالی نہیں کرنا چاہتا۔ وہ اپنی رسّی لمبی کرتے جاتے اور خود ساتھ ساتھ پیچھے ہٹتے چلے جاتے ہیں۔

کئی ایک تو اتنے بوڑھے ہوجاتے ہیں کہ وہ خود اپنی سچائیاں اور فتح مندیاں نہیں سنبھال سکتے۔ پوپلے مُنہ کو ہر سچائی کا حق نہیں۔

اور جو شخص شہرت کا خواہاں ہو اس کو چاہیے کہ جلد عزت سے دست کش ہوجائے اور ٹھیک وقت پر کوچ کرنے کے مشکل فن کی مشق کرے

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو پھر نہ لقمہ بننے دے جب کہ اس کو کھانے میں لوگوں کو خوب مزہ آنے لگے۔ یہ بات ان لوگوں کو معلوم ہی جو چاہتے ہیں کہ لوگ ان سے دیر تک محبّت کریں۔

کھٹّے سیب ہوتے تو ضرور ہیں لیکن ان کی قسمت میں یہ لکھا ہی کہ خزاں کے آخری زمانے تک انتظار کریں۔ اور اسی وقت وہ پک کر زرد ہوجاتے ہیں اور ان پر جھرّیاں پڑجاتی ہیں۔

دوسرے قسم کے وہ ہوتے ہیں جن کا دل پہلے بوڑھا ہوجاتا ہی، اور

ایک قسم وہ بھی ہو جن کی روح پہلے بوڑھی ہو جاتی ہو۔ اور بعض تو ایسے ہیں کہ جوانی میں بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو دیر میں جوان ہوتے ہیں وہ دیر تک جوان رہتے ہیں۔

بعضوں کی زندگی ناکام رہتی ہو۔ ان کے دل میں ایک زہریلا کیڑا لگ جاتا ہو۔ لہٰذا ان کو کم از کم اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان کی موت نسبتاً کامیاب رہے۔

بعض سیب کبھی میٹھا نہیں ہوتا۔ وہ گرمیوں میں ہی سڑنے لگتا ہو۔ یہ اس کی بزدلی ہو جو اس کو اپنی شاخ سے وابستہ رکھتی ہو۔

بے شمار تعداد ان کی ہو جو زندہ رہتے ہیں اور بے حد دیر تک اپنی شاخوں میں لٹکتے رہتے ہیں۔ کاش کہ آندھی آئے اور ان تمام سڑے گلے اور کرم خوردہ سیبوں کو درخت سے جھاڑ دے!

کاش کہ مرگِ مفاجات کے واعظین آئیں! میرے نزدیک بس یہی لوگ آندھیاں اور درختِ زندگی کے جھاڑنے والے ہیں۔ لیکن میرے کان تک جو وعظ پہنچتا ہو وہ تدریجی موت کا ہو اور تمام دنیاوی چیزوں پر صبر کرنے کا۔

افسوس، تم دنیاوی چیزوں پر صبر کرنے کا وعظ کرتے ہو؟ اے بے ادبو، یہی دنیاوی چیزیں تو ہیں جنھوں نے تمھارے ساتھ بے حد صبر سے کام لیا ہو!

واقعی اس عبرانی[1] نے بہت کم عمر پائی جس کا احترام تدریجی موت

---

[1] عبرانی سے مراد Jesus Christ کی ہو جو عیسائیوں کے مختلف اقوال کے موافق تیس سال تک یا دو ایک سال زیادہ جیے۔ - مترجم

کے واعظین کرتے ہیں۔ لیکن اس کا جلد مرجانا بعد میں بہتیروں کے لیے وبال جان ہو گیا۔

اس عبرانی عیسی کو ہنوز دوسرے عبرانیوں کی طرح ابھی محض آنسوؤں اور مردہ دلی اور نیکوں اور خدا ترسوں کی نفرت ہی کا پتا چلا تھا کہ اس پر موت کی آرزو غالب آ گئی۔

کاش کے وہ ریگستان ہی میں زندگی بسر کرتا اور نیکوں اور خدا ترسوں سے دور رہتا! ممکن ہے کہ وہ زندہ رہتا اور زمین سے محبت کرنا سیکھ جاتا، اور ساتھ ساتھ ہنسنا بھی!

بھائیو، میرا کہنا مانو کہ اس کی موت بہت جلد آ گئی۔ اگر وہ میرے برابر زندہ رہتا تو خود اپنی تعلیم کو رد کر دیتا۔ اس میں اپنی بات کی تردید کرنے کی شرافت موجود تھی۔

لیکن وہ ابھی خام تھا اور جب تک لڑکا خام ہوتا ہے تو انسانوں اور زمین کے ساتھ اس کی محبت بھی خام ہی ہوتی ہے۔ اس زمانے تک اس کی اور اس کی روح کے بازو جکڑے ہوئے اور بوجھل ہوتے ہیں۔

لیکن جوان شخص میں لڑکے سے زیادہ بچّہ موجود ہوتا ہے۔ اور مردہ دلی کم۔ وہ موت اور زندگی سے بہتر واقف ہوتا ہے۔

مرنے کے لیے بھی آزاد اور مر کر بھی آزاد، پاک 'نہیں' کہنے والا اگر 'ہاں' کا وقت نکل گیا ہو: یہ سبب ہے اس کی واقفیت کا موت اور زندگی سے۔

میں تمھاری شیرینی روح سے اس بات کی استدعا کرتا ہوں کہ تمھارا مرنا انسان اور زمین کا کفرانِ نعمت نہ ہو،

تمھارے مرنے میں تمھاری روح اور تمھارے اوصاف کی چمک

باقی رہے جس طرح کہ زمین کے گرد شام کی شفق۔ ورنہ یہ سمجھو کہ تمھارا مرنا
بُری طرح ہوا۔
میں بھی اسی طرح مرنا چاہتا ہوں کہ تم دوستوں کو میری وجہ سے
زمین کی محبت دو بالا ہو جائے۔ اور میں دوبارہ جزوِ زمین ہو جانا چاہتا ہوں
تاکہ مجھے اس میں کما حقّہ آسایش ملے۔
فی الحقیقت زردُشت کا ایک مقصد تھا، اس نے اپنی گیند پھینکی۔
اور اب ! اے دوستو، تم میرے مقصد کے وارث ہو، میں سنہری گیند
تمھاری طرف پھینکتا ہوں۔
دوستو، سب سے عزیز یہ بات ہے کہ میں تم کو بھی سنہری گیند پھینکتا ہوا
دیکھوں۔ اور اس لیے میں کچھ دیر اور زمین پر ٹھیرتا ہوں اور اس کی معافی
چاہتا ہوں۔
یہ تھی تقریر زردُشت کی۔

بخشش کرنے والی نیکی

(ا)

جب زردُشت اس شہر سے رخصت ہوا جس کی جگہ اس کے دل
میں ہو گئی تھی اور جس کا نام "چتکبری گائے" ہے تو بہت سے لوگوں
نے جو اپنے آپ کو اس کا چیلا کہتے تھے اس کی پیروی کی اور اس کے
ساتھ ساتھ ہو لیے۔ اس طرح سے جب وہ ایک چوراہے پر پہنچے تو زردُشت
نے ان سے کہا کہ اب آگے میں تنہا جانا چاہتا ہوں، کیوں کہ اسے تنہا
چلنا پسند تھا۔ رخصت کے وقت اس کے چیلوں نے اسے ایک چھڑی

پیش کی جس کے سنہرے دستے پر سورج تھا اور اس کے گرد ایک سانپ لپٹا ہوا تھا۔ اس چھڑی پر زردشت بہت خوش ہوا اور اس کی ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور اپنے چیلوں سے یوں مخاطب ہوا۔

یہ تو بتاؤ کہ سونے کی قیمت کیوں سب سے زیادہ ہو گئی؟ اس وجہ سے کہ وہ غیر معمولی ہے اور بے سُود اور بارونق اور مدّھم۔ وہ ہمیشہ بخشش میں دے دیا جاتا ہے۔

سونا محض اس لیے سب سے زیادہ قیمتی ہو گیا کہ اس کو اعلیٰ ترین اوصاف سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ بخشش کرنے والے کی آنکھیں سونے کی طرح چمکتی ہیں۔ سونے کی چمک چاند اور سورج کے درمیان صلح و آشتی پیدا کرتی ہے۔

اعلیٰ ترینِ وصف غیر معمولی ہے اور بے سود۔ وہ بارونق ہے اور مدّھم۔ بخشش کرنے کا وصف اعلیٰ ترین وصف ہے۔

میرے چیلو، میں تمھارا مطلب سمجھتا ہوں۔ تم بھی میری طرح بخشش کرنے کے وصف کے درپے ہو! تم میں اور بلیوں اور بھیڑیوں میں کون سی چیز مشترک ہونی چاہیے؟

یہ تمھارا شوق ہے اپنے آپ کو بھینٹ اور بخشش بنا دینے کا۔ اور اسی وجہ سے تمھیں اپنی روح میں تمام دولتوں کے جمع کرنے کا شوق ہے۔

تمھاری روح کو خزانوں اور جواہرات کے درپے ہونے سے سیری نہیں ہوتی، کیوں کہ تمھاری نیک خصلت کو بخشش کرنے کی خواہش سے سیری نہیں ہوتی۔

تم ہر چیز کو بہ زور اپنی طرف اور اپنے اندر کھینچتے ہو تاکہ وہ تمھاری

محبت آمیز بخشش بن کر دوبارہ تمھارے فوآرے سے پھوٹ کر نکلے۔
واقعی ایسی بخشش کرنے والی محبت کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام
قیمتیات پر ڈاکہ ڈالے۔لیکن میرے نزدیک یہ خود غرضی مصلح اور پاک ہے۔
ایک خود غرضی اور بھی ہے جو بے حد غریب و نادار ہے اور گرسنہ اور
جو ہمیشہ چوری پر آمادہ رہتی ہے۔ وہ بیماروں کی خود غرضی ہے، بیمار خود غرضی۔
وہ ہر چمکدار چیز کی طرف چور کی طرح نظر دوڑاتی ہے۔ وہ بھوک کی ہوس
سے اس شخص کا معاینہ کرتی ہے جس کے پاس بہت کھانے کو ہوتا ہے۔ وہ
ہمیشہ چپکے سے بخشش کرنے والے کے دسترخوان پر پہنچ جاتی ہے۔
ایسی ہوس میں صاف صاف بیماری پائی جاتی ہے! اور درپردہ انحطاط
اس خود غرضی کی پوشیدہ ہوس سے صاف ظاہر ہے کہ جسم میں کیڑا لگ گیا ہے۔
بھائیو، کہو تو سہی کہ ہمارے نزدیک بد اور بدترین چیز کیا ہے؟ کیا وہ
یہی انحطاط نہیں ہے؟ اور جہاں بخشش کرنے والی روح مفقود ہوتی ہے
تو ہم انحطاط میں جا پڑتے ہیں۔
ہمارا راستا اوپر کی طرف جاتا ہے، موجود جنس سے فوق الجنس کی طرف
مگر خطرناک ہے ہمارے لیے خارج از جنس مقصد جس کا یہ مقولہ ہے:-
"ہر چیز میرے لیے"
ہمارے مقصد کی پرواز بلندی کی طرف ہے۔ لہٰذا وہ ہمارے جسم کا
عکس ہے، بالیدگی کا عکس۔ ایسی بالیدگیوں کے عکس نام ہیں اوصاف
حمیدہ کے۔
اسی طرح سے جسم تاریخ میں سے ہو کر گزرا ہے، یعنی بہ حیثیت ایک
ہو جانے والے اور ایک لڑنے والے کے۔ اب رہی روح، اس کو اس

سے کیا تعلق ہے؟۔ وہ اس جسم کی جنگوں اور فتوحات کا پیش خیمہ ہے اور رفیق اور آوازِ بازگشت۔

اچھائی اور برائی کے تمام نام محض تشبیہیں ہیں۔ وہ اظہارِ مطلب سے قاصر ہیں اور محض اشارتاً کنایتاً بیان کرتے ہیں۔ بے وقوف ہے وہ شخص جو ان سے کچھ علم حاصل کرنا چاہے۔

بھائیو میرے، اس گھڑی کو خوب دھیان میں رکھو جب کہ تمھارا جی تشبیہ و استعارے میں باتیں کرے۔ بس وہی ہے ابتدا تمھارے اوصاف حمیدہ کی۔

وہیں تمھارا جسم عروج پکڑتا اور دوبارہ زندہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی دلی مسرت سے جی میں اُمنگ پیدا کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ خالق بن جاتا ہے اور عاشق اور قدر شناس اور ہر چیز کا محسن۔

جب تمھارا دل دریا کی طرح پھیل کر اور بھر کر امنڈنے لگے، جو پاس کے رہنے والوں کے لیے باعثِ برکت بھی ہے اور خطرناک بھی، تو بس وہی ہے ابتدا تمھارے اوصاف حمیدہ کی۔

جب تم تعریف اور مذمت سے بالاتر ہو جاؤ اور تمھارا عزم ہر چیز پر حکمرانی کرنے لگے، جیسے کہ عاشق کا عزم کرتا ہے، تو بس وہی ہے ابتدا تمھارے اوصاف حمیدہ کی۔

جب تم مرغوبِ خاطر چیز اور نرم بچھونے کو حقیر سمجھنے لگو اور نازک بدنوں سے اپنا بستر دور سے دور ہٹا کر لگاؤ، تو بس وہی ہے ابتدا تمھارے اوصاف حمیدہ کی۔

جب تم ایک ہی عزم کے عازم ہو جاؤ اور جب یہ تمام ضروریات کا

تغیر تمھارے لیے ضروری ہو جائے، تو بس وہی ہر ابتدا تمھارے اوصاف حمیدہ کی
در حقیقت یہ نئی قسم کی نیکی اور برائی ہر! در حقیقت ایک نیا زمین دوز
شور و غُل اور ایک نئے چشمے کی آواز!
یہ نیا وصف قوت ہر۔ وہ حکمران خیال ہر اور اس کے گرد ہوشیار
روح ہر۔ وہ سنہرا سورج ہر اور اس کے گرد معرفت کا سانپ

(۲)

یہاں پہنچ کر زرُدشت نے زرا دَم لیا اور اپنے چیلوں کو محبت سے دیکھنے
لگا۔ پھر اس نے اپنی تقریر جاری کی اور اس کی آواز بدل گئی تھی:
میرے بھائیو، اپنے اوصاف حمیدہ کی پوری قوت کے ساتھ زمین کی
وفا داری پر جمے رہو! تمھاری بخشش کرنے والی محبت اور تمھاری معرفت کو
زمین کے مفہوم کی خدمت کرنی چاہیے! یہی میری التجا ہر اور اسی کی میں تم
کو قسم دلاتا ہوں۔
کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ وصف زمینی چیزوں سے اُڑ بھاگے اور اس کے
بازو ابدی دیواروں سے ٹکر کھانے لگیں! آہ، بہت سے ایسے اوصاف
حمیدہ گزرے ہیں جو اڑ بھاگے ہیں!۔
میری طرح تم بھی گم شدہ اوصافِ حمیدہ کو زمین کی طرف واپس لے
آؤ، ہاں جسم اور زندگی کی طرف واپس لے آؤ، تاکہ وہ زمین کو اس کا
مفہوم عطا کریں، یعنی انسانی مفہوم!
روح اور اوصاف حمیدہ دونوں سیکڑوں بار اُڑ چکے اور غلط جگہ پر
پہنچ چکے ہیں۔ آہ، یہ ساری خام خیالی اور غلط فہمی اب تک ہمارے جسم میں
جاگزیں ہر۔ اور وہاں پہنچ کر وہ خود جسم اور ارادے میں مبدل ہو گئی ہر۔

روح اور اوصاف حمیدہ دونوں سیکڑوں بار کوشش کر چکی اور گمراہ ہو چکی ہیں۔ ہاں ایک کوشش کا نتیجہ تو خود انسان ہی۔ آہ، بہت سی لاعلمی اور غلط فہمی نے ہمارے اوپر جسم کی شکل اختیار کر لی ہی!

نہ فقط ہزار ہا سال کی سمجھ داری بلکہ ان کی ناسمجھی بھی ہم میں سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہی۔ وارث بننا خطرناک چیز ہی۔

ابھی تک ہم اس دیو سے ہر ہر قدم پر لڑ رہے ہیں جس کا نام اتفاق ہی۔ اور کل نوعِ بشر پر اب بھی ان باتوں کی حکمرانی ہی جو بے معنی ہیں، جن میں معنی مفقود ہیں۔

تمھاری روح اور تمھارے اوصافِ حمیدہ کو زمین کے مفہوم کی خدمت کرنی چاہیے، اي میرے بھائیو، اور تمھیں تمام چیزوں کی قیمت از سرِ نو پیدا کرنی چاہیے! اسی لیے تمھیں جنگجو بننا چاہیے! اسی لیے تمھیں خالق بننا چاہیے!

علم کے ساتھ جسم اپنے آپ کو پاک صاف کرتا ہی۔ علم کے ساتھ کوشاں ہو کر وہ اپنے آپ کو ابھارتا ہی۔ صاحبِ معرفت کے تمام جذبات پاک بن جاتے ہیں۔ بلند پایہ جسم کی روح مسرت آمیز ہو جاتی ہی۔

اي طبیب، پہلے خود اپنا علاج کر! یہی طریقہ ہی اپنے بیمار کے علاج کرنے کا۔ اس بیمار کا بہترین علاج یہی ہی وہ اس شخص کو اپنی آنکھوں سے دیکھے جو اپنے آپ کو خود تندرست بناتا ہی۔

ہزاروں راستے ایسے ہیں جہاں سے کبھی کوئی نہیں گزرا ہزاروں تندرستیاں اور زندگی کے نامعلوم جزیرے انسان اور انسانی زمین اب تک کم مستعمل اور نادریافت شدہ ہیں۔

ای گوشہ نشینو، جاگو اور کان لگا کر سنو! آہستہ آہستہ چلنے والی ہوائیں مستقبل سے آ رہی ہیں اور لطیف کانوں کو خوش خبری پہنچ رہی ہے۔

ای آج کے گوشہ نشینو، ای گزر جانے والو، ایک روز تم ایک قوم بن کر رہو گے۔ تم میں سے، جن کو تم نے خود منتخب کیا ہے، ایک منتخب قوم بنے گی اور اس میں سے فوق البشر پیدا ہو گا۔

درحقیقت زمین ایک روز جائے صحت بن کر رہے گی! اور اس کے گرد ایک نئی خوشبو پھیل چکی ہے، اور ایک نئی امید!

(۳)

جب زرتشت یہ باتیں کہہ چکا تو وہ چپ ہو گیا مثل اس شخص کے جسے ابھی کچھ کہنا باقی ہو۔ بہت دیر تک وہ اپنے عصا کو ہاتھ میں تولے ہوئے شش و پنج میں پڑا رہا۔ بالآخر وہ یوں گویا ہوا، اور اس کی آواز میں فرق آگیا تھا:

ای میرے چیلو، اب میں تنہا جاتا ہوں۔ تم بھی جاؤ اور تنہا جاؤ! یہ میری خواہش ہے۔

واقعی میں تم کو یہ صلاح دیتا ہوں: میرے پاس سے چلے جاؤ اور اپنے آپ کو زرتشت سے بچاؤ! اور اس سے بھی بہتر یہ ہے: تم اس سے منفعل ہو! کہیں اس نے تمھیں دھوکا نہ دیا ہو!

صاحبِ معرفت میں نہ فقط اپنے دشمن سے محبت کرنے کی قابلیت ہونی چاہیے بلکہ اپنے دوست سے نفرت کرنے کی بھی۔

اگر انسان ہمیشہ شاگرد رہے تو یہ استاد کے ساتھ برا سلوک ہے۔ اور تم میرے ہار کو نوچنا کھسوٹنا کیوں نہیں چاہتے؟

تم میری تعظیم کرتے ہو۔لیکن اگر تمھاری تعظیم ایک روز ساقط ہو جائے تو پھر؟ حفاظت کرو اپنی! کہیں تم ایک مورت کے بھینٹ نہ چڑھ جاؤ!

تم زرتشت پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہو؟ لیکن زرتشت ہی کیا! تم میرے معتقدین ہو۔لیکن تمام معتقدین کی کیا حقیقت ہی!

تم نے ہنوز اپنے آپ کو ڈھونڈا نہ تھا کہ میں تمھیں مل گیا۔سارے معتقدین یہی کرتے ہیں۔ اسی لیے سارے اعتقادات ہیچ ہیں۔

اب میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تم مجھے گم کر دو اور اپنے آپ کو پالو۔ اور جب تم سب مجھے جھٹلا چکے ہوگے تو میں تمھارے پاس لوٹوں گا۔

درحقیقت، میرے بھائیو، اس وقت میں دوسری نظر سے اپنے کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈوں گا۔ اور پھر دوسری محبت سے میں تمھیں پیار کروں گا۔

اور ایک روز وہ ہوگا کہ تم میرے دوست بن گئے ہوگے اور بچے اس یکہ وتنہا امید کے۔ پھر میں تیسری بار تمھارے پاس آؤں گا اور عظیم الشان نصف النہار کا جشن تمھارے ساتھ مناؤں گا۔

اور وہ عظیم الشان نصف النہار یہی ہی جب کہ انسان جانور اور فوق البشر کے درمیاں وسطِ راہ پر کھڑا ہوا ہی اور شام کی طرف روانگی کے راستے کا جشن منا رہا ہی بہ حیثیت اپنی اعلیٰ ترین امید کے۔ کیوں کہ یہی راستا ہی ایک نئی صبح کی طرف جانے کا۔

اس وقت غروب ہونے والا خود اپنے آپ کو دعا دے گا کہ وہ پار اتر جائے اور اس کی معرفت کا سورج اس کے لیے بمنزلۂ نصف النہار ہوگا۔

"مردہ ہو چکے ہیں سارے خدا۔ اب ہماری یہ آرزو ہی کہ فوق البشر زندہ رہے۔" یہ ہونی چاہیے ایک روز عظیم الشان نصف النہار پر ہماری آخری آرزو!

یہ تھی تقریر زرتشت کی۔

تقریرِ زردُشت

دوسرا دفتر

شعرائے متقدمین

شیخ اسحٰق

بچّے کے ہاتھ میں آئینہ

اس کے بعد زرتُشت پھر پہاڑوں کی طرف واپس گیا اور اپنے غار میں گوشہ نشین ہو گیا اور انسانوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ اور اس کسان کی طرح انتظار کرتا رہا جو اپنے بیج چھڑک چکا ہو۔ لیکن اس کی روح لبریز تھی بے کلی اور ان لوگوں کے اشتیاق سے جن سے اسے محبّت تھی، کیونکہ اسے ابھی بہت کچھ ان کو دینا تھا۔ سب سے زیادہ مشکل کام یہ ہے: محبّت کی بنا پر کھلے ہوئے ہاتھ کو بند کرنا اور بہ حیثیت بخشش کرنے والے کے اپنی عزّت نہ کھونا

اس طرح سے اس گوشہ نشین پر مہینے اور سال گزرتے گئے۔ لیکن اس کی دانشمندی بڑھتی گئی اور اس کی زیادتی کی وجہ سے اسے تکلیف ہونے لگی۔

لیکن ایک روز وہ صبح کو پو پھوٹنے سے پہلے بیدار ہوا اور لیٹے لیٹے دیر تک سوچتا رہا اور بالآخر اپنے دل سے یوں مخاطب ہوا:-

"میں نے کیا ایسا بھیانک خواب دیکھا کہ میں بیدار ہو گیا؟ ہاں میں نے یہ خواب دیکھا کہ ایک بچّہ میرے پاس آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک آئینہ تھا۔

اور اس بچّے نے مجھ سے کہا کہ اے زرتُشت ذرا آئینے میں اپنا مُنہ تو دیکھ! مگر جب میں نے آئینہ دیکھا تو چلّا اٹھا اور میرا دل دہل گیا، کیوں کہ مجھے جو چیز اس آئینے میں نظر آئی وہ میں نہ تھا بلکہ ایک شیطان تھا جو دانت نکالے ہوئے مُنہ چڑا رہا تھا۔

واقعی میں خوب سمجھ گیا کہ اس خواب کا کیا اشارہ تھا اور وہ کس بات سے مجھے آگاہ کرنا چاہتا تھا: میری تعلیم معرضِ خطر میں ہے۔ گھاس پھوس اپنا نام گیہوں رکھنا چاہتے ہیں!

میرے دشمن قوت پکڑ گئے ہیں اور انھوں نے میری تعلیم کا حلیہ بگاڑ دیا ہی یہاں تک کہ میرے عزیز ترین دوستوں کو اس بخشش سے شرم آتی ہی جو میں نے ان کے ساتھ کی ہی۔

میرے دوست گم ہو گئے ہیں۔ اب میرے لیے وہ وقت آپہنچا ہی کہ میں کھوئے ہوؤں کو تلاش کروں۔"

یہ کہہ کر زرتُشت اٹھ کھڑا ہوا، لیکن اس شخص کی طرح نہیں جو سہم گیا ہو اور لمبی لمبی سانسیں لے رہا ہو، بلکہ مثل ایک بینا اور مطرب کے جسے الہام ہو رہا ہو۔ اور اس کے عقاب اور اس کے سانپ نے متعجّب ہو کر اسے دیکھا کیوں کہ اس کے چہرے سے آنے والی خوش وقتی کے آثار صبح کی شفق کی طرح نمودار تھے۔

زرتُشت نے کہا کہ اے میرے جانورو، کچھ کہو تو سہی کہ مجھے کیا ہو گیا ہی؟ کہیں میری شکل تو نہیں بدل گئی؟ کہیں آندھی کی طرح میرے پاس انبساطِ خاطر تو نہیں آپہنچا؟

احمق ہی میری خوش وقتی اور حماقت آمیز ہی باتیں وہ بکا کرے گی۔ وہ ابھی بہت کم عمر ہی۔ لہٰذا اس کے ساتھ ذرا تحمل سے کام لو!

میری خوش وقتی نے مجھے گھایل بنا دیا ہی۔ تمام مریضوں کو چاہیے کہ میرے طبیب بنیں!

اب پھر میں اپنے دوستوں کے پاس بھی جانے کے قابل ہو گیا ہوں اور دشمنوں کے پاس بھی۔ زرتُشت پھر تقریر کر سکتا ہی اور بخشش دے سکتا ہی اور پیاروں کے ساتھ پیاری پیاری باتیں کر سکتا ہی۔

میری ناشکیب محبّت دریا کی طرح اُبل اُبل کر بہہ رہی ہی، نیچے کی طرف

جہاں بلندی بھی ہو اور پستی بھی ۔ میری روح خاموش پہاڑوں اور درد کی گھٹاؤں
سے شور مچاتی ہوئی نیچے وادیوں کی طرف بہ نکلی ہو۔

بہت دیر سے مجھ میں اشتیاق کی آگ بھڑک رہی ہو اور میں اپنی نظر
دور دور دوڑا رہا ہوں ۔ بہت عرصے تک میں تنہائی کا قیدی رہا ہوں ۔ لہٰذا
چپ رہنا میں بھول گیا ہوں ۔

میں سرتاپا گویائی بن گیا ہوں اور مثل اس ندی کے شور و غل کے
ہو گیا ہوں جو پہاڑ سے نکلتی ہو ۔ میں اپنی تقریر نیچے وادیوں کی طرف زور
سے بہانا چاہتا ہوں ۔

اور کچھ پروا نہیں اگر میرا دریائے محبت غلط راستے پر بہے ! بالآخر ہر دریا
سمندر تک پہنچ ہی جاتا ہو !

یہ ٹھیک ہو کہ مجھ میں ایک جھیل ہو جو ویرانے میں ہو اور ہر بیرونی چیز
سے مستغنی ہو ۔ لیکن میرا دریائے محبت اسے نیچے کی طرف بہائے لیے جا رہا
ہو، سمندر میں ۔

میں نئے راستوں پر چل رہا ہوں ۔ ایک نئی تقریر میرے خیال میں آرہی
ہو ۔ میں پرانی باتوں سے تنگ آگیا ہوں جس طرح کہ ہر ایک پیدا کرنے والا تنگ
آجاتا ہو ۔ میری روح اب گھسے ہوئے جوتے پہن کر نہیں چلنا چاہتی ۔

ساری گویائی میرے لیے بے حد سست رفتار ہو ۔ اے آندھی، میں
تیری گاڑی میں سوار ہو رہا ہوں اور با ایں ہمہ میں تجھے اپنی بدی کی چابک
مار مار کر چلاؤں گا ۔

میں وسیع سمندروں پر سے مثل ایک شور اور ایک غوغے کے گزروں گا
یہاں تک کہ مجھے وہ دل خوش کُن جزیرے مل جائیں جہاں میرے احباب

بستے ہیں،

اور ان کے درمیان میرے دشمن بھی۔ کیسا پیارا ہی مجھے وہ شخص جس کے سامنے میں تقریر کرسکوں! میری بشاشتِ قلب میں میرے دشمنوں کا بھی حصہ ہی۔

اور جب میں اپنے سرکش سے سرکش گھوڑے پر سوار ہونا چاہوں گا تو اس میں میرا نیزہ میری بہترین مدد کرے گا۔ وہ ہر وقت میرے پانوؤں کی خدمت کے لیے آمادہ ہی۔

وہ نیزہ جسے میں اپنے دشمنوں کی طرف پھینکتا ہوں۔ میں اپنے دشمنوں کا کتنا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس کے پھینکنے کی مجھے اجازت دے دی!

میرا بادل بہت زیادہ پُر ہو چکا ہی۔ میں بجلی کے قہقہوں کے ساتھ اؤلوں کی بوچھار پستی کی طرف کردوں گا۔

اس وقت شدّت کے ساتھ میرا سینہ پھولے گا۔ شدّت کے ساتھ وہ پہاڑوں کی طرف آندھی کی طرح پھونکے گا۔ اس طرح اسے تسلّی ہوگی۔

واقعی میری خوش وقتی اور میری آزادی آندھی کی طرح آرہی ہی۔ لیکن کیا پروا اگر میرے دشمن خیال کریں کہ کوئی بُرا آدمی ان کے سر پر گرج رہا ہی!

ہاں، اے دوستو، تم بھی میری بے لگام دانشمندی کو دیکھ کر ششدر ہو جاؤ گے۔ اور بہت ممکن ہی کہ تم اور میرے دشمن سب کے سب بھاگ کھڑے ہوں۔

کاش کے میں چرواہوں کی بانسریوں سے تم کو روک لینا جانتا ہوتا! کاش کے میری شیرنی دانشمندی نرمی سے ڈکارنا جانتی ہوتی! اور ہم مل جُل کر بہت سی باتیں سیکھتے!

میری بے لگام دانشمندی کو تنہا پہاڑوں پر حمل رہ گیا تھا۔ اب سخت پتھروں
پر اس نے اپنا بچہ جنا ہے، سب سے چھوٹا بچہ۔
اب وہ دشوار گزار بیابان میں بوکھلائی ہوئی ماری ماری پھرتی ہے اور
نرم نرم سبزہ وار ڈھونڈ رہی ہے، میری بے لگام دانشمندی۔
دوستو، وہ چاہتی ہے کہ اپنے اس سب سے زیادہ چہیتے بچے کو تمھارے
دلوں کے نرم سبزہ وار اور تمھاری محبت کے بچھونے پر لٹائے۔
یہ تھی تقریر زردُشت کی۔

دل خوش کن جزیرے

انجیر درختوں سے گر رہے ہیں۔ وہ پک گئے ہیں اور میٹھے ہو چکے ہیں۔ اور
گرتے وقت ان کی کھال پھٹ جاتی ہے۔ پکے ہوئے انجیروں کے لیے میں
بادِ شمالی کا کام کرتا ہوں۔
جس طرح انجیر گرتے ہیں اسی طرح یہ تعلیمات تمھارے پاس گر رہی
ہیں۔ اب ان کا شیرہ اور ان کا میٹھا گودا نوشِ جان کرو! ہر سو خزاں کا
سماں ہے اور صاف آسمان اور سہ پہر۔
دیکھو، ہمارے آس پاس کس قدر افراط ہے! اور جو نظر اس کثرت
میں سے ہو کر دور کے سمندر پر پڑتی ہے وہ کس قدر خوش گوار ہے!
پہلے جب لوگ سمندر پر دور سے نظر ڈالتے تھے تو خدا کا نام زبان پر
لاتے تھے۔ لیکن اب میں نے تمھیں کہنا سکھایا ہے: فوق البشر۔
خدا ایک فرضی شے ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ تمھارا فرض کرنا تمھارے
خالق ارادے سے تجاوز نہ کرے۔

کیا تم ایک خدا کو بھی پیدا کر سکتے ہو ؟ تو بس پھر سارے خداؤں کا کیا ذکر! مگر ہاں تم فوق البشر کو پیدا کر سکتے ہو۔

شاید تم خود پیدا نہ کر سکو، میرے بھائیو! لیکن تم اپنے آپ کو فوق البشر کے آباو اجداد میں منتقل کر سکتے ہو۔ اور یہ تمھاری بہترین تخلیق ہونی چاہیے!

خدا ایک فرضی شئی ہی۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ تمھارا فرض کرنا قرینِ قیاس کے حد کے اندر رہو۔

کیا تم ایک خدا کا تصوّر کر سکتے ہو ؟ مگر یہ تمھارے لیے ارادۂ صدق ہونا چاہیے تاکہ ہر چیز مبدل ہو سکے اس چیز میں جس کا انسان تصوّر کر سکے، جس کو انسان دیکھ سکے، جس کو انسان محسوس کر سکے! تمھیں چاہیے کہ خود اپنی حسیات کی آخر تک پیروی کرو!

اور جس کا نام تم نے دنیا رکھ چھوڑا ہو اسے پہلے تم پیدا تو کر لو۔ تمھاری سمجھ، تمھارے تصوّر، تمھارے ارادے اور تمھاری محبّت کو چاہیے کہ وہ خود دنیا بنے، اور اس سے تمھیں ابنساطِ خاطر ہو، ای اصحابِ معرفت!

اور ای اصحاب معرفت، بغیر اس امید کے تم اور کس طرح زندگی کا بوجھ اٹھا سکتے ہو ؟ نہ تو تم خارج از وہم و گمان چیز میں پیدا ہو سکتے ہو اور نہ نامعقول چیز میں۔

مگر ای دوستو، میں اپنا دل کھول کر تمھارے آگے رکھے دیتا ہوں :۔
اگر خداؤں کا وجود ہوتا تو میں یہ کس طرح گوارا کر سکتا تھا کہ میں بھی خدا نہ ہوتا
اس سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ خداوں کا وجود ہی نہیں۔

ہاں اس نتیجے پر تو میں پہنچ چکا ہوں۔ لیکن یہ نتیجہ اب مجھے اور آگے کھینچ رہا ہی۔

خدا ایک فرضی چیز ہی لیکن کون ہی جو بغیر اپنی جان دیے اس فرضی چیز کے
تمام آلام و مصائب کو پی جائے؟ کیا پیدا کرنے والے کا سارا اعتماد اپنے اوپر
سے اٹھ جائے اور عقاب کو اپنی عقابی بلندی سے روک دیا جائے؟

خدا ایک خیال ہی جو ہر سیدھی چیز کو ٹیڑھا کر دیتا ہی اور ہر ساکن چیز کو چکر
میں ڈال دیتا ہی۔ یہ کس طرح؟ اس طرح کہ وقت کی کوئی حقیقت باقی نہیں
رہتی اور ہر فانی چیز محض جھوٹ ہو جاتی ہی؟

اس خیال سے انسانی ڈھانچا چکر میں آجاتا ہی اور علاوہ بریں پیٹ
میں متلی ہونے لگتی ہی۔ سچ مچ، میں نے اس کا نام مرگی رکھا ہی، اس طرح
فرض کرنے کا نام۔

میں نے اس کا نام بدی رکھا ہی اور انسان کے ساتھ عداوت، یعنی
ان تمام تعلیمات کا نام جو ذات واحد اور مکمل اور غیر متحرک اور مستغنی اور لافانی
کے متعلق ہوں۔

ہر لافانی چیز، یہ محض ایک تشبیہ ہی[1]! اور شاعر بہت زیادہ جھوٹ بولتے ہیں
لیکن کہا جاتا ہی کہ بہترین تشبیہیں وقت اور تخلیق کے متعلق ہیں۔ وہ حمد
بیان کرتی ہیں اور ہر فانی چیز کی تصدیق کرتی ہیں۔

پیدا کرنا، اس کے معنی ہیں عظیم الشان نجات تکلیف سے اور ہلکا ہونا
زندگی کا۔ لیکن خود خالق بننے کے لیے تکلیف اٹھانا اور تغیرات لابدی ہیں۔

ہاں اے تخلیق کرنے والو، تمھاری زندگی میں بہت سی تلخ موتوں کی
ضرورت ہی! اسی وجہ سے تو تم ہر فانی چیز کے حامی اور تصدیق کرنے والے ہو۔

خود خالق کو نو زائیدہ بچّہ ہونے کے لیے ماں بھی ہونا چاہیے اور دردِ زہ بھی۔

---

[1] ہر فانی چیز محض ایک تشبیہ ہی Goethe's Faust مترجم

واقعی میرا راستا سیکڑوں روحوں اور سیکڑوں گہواروں اور دردِ زہ میں سے ہوکر گزرا[1] ہی۔ میں کئی بار مرچکا ہوں اور جاں کنی کی جان کاہ گھڑیاں مجھے اب تک یاد ہیں۔

لیکن میرے خالق عزم یعنی قسمت کا یہی مقتضا ہی۔ یا اگر میں تم سے اور ایمان داری کے ساتھ کہوں: میرا عزم بس ایسی ہی قسمت چاہتا ہی۔

کل حسیّات کو مجھ سے تکلیف پہنچتی ہی اور گویا وہ محبوس ہیں۔ لیکن میرا عزم ہمیشہ مجھ کو رہائی دلانے اور خوش خبری دینے کے لیے آتا ہی۔

عزم رہائی دیتا ہی۔ یہ ارادے اور آزادی کی سچّی تعلیم ہی۔ یہی تمھیں زرتُشت سکھاتا ہی۔

ترکِ ارادہ اور ترکِ قدر و قیمت اور ترکِ تخلیق! کاش کے یہ سخت تکان مجھ سے دور ہی رہے!

معرفت میں بھی مَیں محض اپنے عزم کا سرورِ تولید اور سرورِ تکوین محسوس کرتا ہوں۔ اور اگر میرے عزم میں معصومیت پائی جاتی ہی تو اس کی وجہ یہ ہی کہ اس میں عزمِ تولید موجود ہی۔

یہ عزم مجھے پھسلا کر ایک خدا اور بہت سے خداؤں سے الگ تھلگ لے گیا ہی۔ اگر خدا موجود ہوتے تو پھر اور کس چیز کے پیدا کرنے کی ضرورت تھی!

مگر میرا پُرجوش عزمِ تخلیق مجھے بار بار انسان ہی کی طرف لے جاتا ہی۔ یہی وجہ ہی جو ہتوڑے کو پتھر کی طرف لے جاتی ہی۔

آہ انسانو، میرے خیال میں تو پتھر میں ایک مورت خوابیدہ ہی، یعنی میری مورتوں کی ایک مورت! کاش کے اسے سخت ترین اور سب سے زیادہ کریہ المنظر

---

[1] مولانا روم:۔ من چو سبزہ بارہا روئیدہ ام * ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام۔ مترجم

پتھر میں سونا پڑے !
اب اس مورت کے محبس پر میرا ہتوڑا بے رحمی کے ساتھ دھڑا دھڑ پڑ رہا ہی
پتھر میں سے ریزے اڑ رہے ہیں۔ مگر مجھے اس کی کیا پروا ؟
میں اسے تکمیل تک پہنچا دینا چاہتا ہوں۔ کیوں کہ کسی چیز کا پرتو میرے
سامنے پڑا ہی۔ ساکن ترین اور سبک ترین چیز مجھ پر ظاہر ہو چکی ہی۔
فوق البشر کا حسن مجھ پر بطور پرتو کے ظاہر ہوا ہی۔ آہ میرے بھائیو! اب
مجھے خداؤں کی کیا پروا !
یہ تھی تقریر زرُدشت کی۔

ہمدرد لوگ

ای میرے دوستو، تمھارے دوست پر ایک طعنہ زنی کی گئی ہی: "زرُدشت
کو تو دیکھو! وہ ہمارے درمیان میں اس طرح رہتا ہی جیسے کہ جانوروں کے
درمیان میں ؟"
لیکن بہتر ہی کہ یوں کہا جائے: "صاحبِ معرفت انسانوں کے درمیان
میں اس طرح رہتا ہی کہ گویا وہ جانوروں کے درمیان میں ہی۔"
مگر خود انسان کا نام صاحبِ معرفت کے نزدیک یہ ہی: لال گالوں والا جانور۔
اس کے یوں ہو جانے کی وجہ کیا ہی؟ کیا اس کی وجہ یہ نہیں ہی کہ اس
کو بے شمار مرتبہ شرمندہ ہونا پڑا ہی؟
ای دوستو! صاحبِ معرفت کا یہ مقولہ ہی: شرمندگی، شرمندگی، شرمندگی
یہ ہی کل سرگذشت انسان کی !
اور اسی لیے شریف آدمی نے شرمندہ کرنے کی قسم کھائی ہی۔ بلکہ وہ

سب سے پہلے تکلیف زدوں کے مقابلے میں اپنے اوپر شرمندگی گوارا کرتا ہی۔

واقعی مجھے یہ رحم دل لوگ پسند نہیں، جو اپنی ہمدردی میں مگن ہیں۔ واقعی ان کو شرمندہ ہونے کی بے حد ضرورت ہی۔

اگر مجھ کو ہمدردی کرنی ہی پڑے تب بھی میں اس کا نام یہ نہیں رکھوں گا اور اگر میں واقعی ہمدرد ہوں گا تو دور سے ہمدردی کرنا پسند کروں گا۔

قبل اس کے کہ لوگ مجھے پہچانیں میں اس بات کو پسند کروں گا کہ اپنے سر کو بھی ڈھانپ لوں اور بھاگ کھڑا ہوں۔ اور اے دوستو، میں تمھیں بھی یہی مشورہ دیتا ہوں۔

کاش کے میری قسمت میں یہ ہو کہ ہمیشہ تم جیسے لوگوں سے میرا پالا پڑے اور ایسوں سے جن کی امید اور غذا اور شہد میرے ساتھ مشترک ہو!

واقعی یہ درست ہی کہ میں نے تکلیف زدہ لوگوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ سلوک کیا ہی۔ لیکن جب کبھی مجھے اس میں زیادہ خوشی ہونے لگتی تھی تو میں ہمیشہ یہی سمجھتا تھا کہ میں نے کوئی بہتر کام کیا ہی۔

جب سے انسانوں کا وجود ہوا ہی اس وقت سے آدمیوں میں خوشی کمیاب ہو گئی ہی۔ بھائیو، فقط یہی ہمارا موروثی گناہ ہی۔

اور اگر ہم بہتر خوش ہونا سیکھ لیں تو یہ بہترین طریقہ ہی دوسروں کی ایذا رسانی اور اس کی ترکیبیں سوچنے کے بھول جانے کا۔

لہٰذا میں اس ہاتھ سے دست کشی کرتا ہوں جس نے تکلیف زدہ کی مدد کی ہی۔ اور اسی لیے میں روح کو بھی جھاڑ پونچھ کر صاف کر دینا چاہتا ہوں کیوں کہ جب میں نے تکلیف زدہ کو تکلیف اٹھاتے دیکھا تو اس کی شرمندگی پر میں خود شرمندہ ہو گیا۔ اور جب میں نے اس کی مدد کی تو

اس کی غیرت وحمیت کے خلاف میں نے سخت گناہ کیا۔
بڑی مہربانیاں شکر گزار نہیں بناتیں بلکہ کینہ پرور۔ اور اگر چھوٹی بھلائی
فراموش نہ ہو جایا کرے تو وہ کُترنے والا کیڑا بن جائے۔
"لینے میں تم کشیدہ رہو! اس میں تم اپنی آن بان دکھاؤ کہ تم لیتے ہو!
یہ ہی میری رائے ان لوگوں کے لیے جن کے پاس کچھ دینے کو نہیں۔
مگر میں بخشش کرنے والا شخص ہوں۔ میں بہ خوشی بخشش کرتا ہوں جس
طرح کہ دوست دوستوں سے کرتا ہی۔ لیکن اجنبی اور غریب چاہیں تو خود میرے
درخت سے پھل توڑ لیں۔ اس سے ان کو کمتر شرمندگی ہوگی۔
لیکن بھیک منگوں کا بالکل قلع قمع کر دینا چاہیے! واقعی ان کو دینا بھی
تکلیف دہ ہی اور نہ دینا بھی تکلیف دہ۔
اور یہی حال گنہگاروں اور بُرے ضمیر والوں کا ہی۔ دوستو، میرا یہ کہنا
مان لو؛ ضمیر کا کانٹا کٹ کھنا بنانے کی تعلیم ہی۔
مگر سب سے زیادہ بُرے ہیں پست خیالات۔ واقعی برائی کرنا بہتر ہی
بہ نسبت پست خیال رکھنے کے۔
تم یہ کہتے تو ہو: "چھوٹی برائیوں میں پڑ کر ہم بہت سے بڑے بڑے
بُرے کاموں سے بچ جاتے ہیں"۔ مگر یہاں بچنے بچانے کی تو ضرورت ہی نہیں۔
بُرے کام کی مثال پھوڑے کی سی ہی۔ وہ کھجاتا ہی اور نوچتا ہی اور
پھوٹ بہتا ہی۔ اس کی باتیں ایمان داری کی ہیں۔
"دیکھو میں بیماری ہوں"۔ یہ ہیں الفاظ بُرے کام کے۔ یہی اس کی
ایمان داری ہی۔
لیکن پست خیال کُکرُمتے کی طرح ہوتا ہی۔ وہ اندر ہی اندر سرایت کرتا ہی

اور کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے گُرمُتوں سے سارا بدن چور چور ہو جاتا اور مرجھا جاتا ہی۔

لیکن جس پر جن کا سایہ ہو گیا ہو اس کے کان میں یہ بات کہنا چاہتا ہوں "موجودہ حالت سے بھی بہتر یہ ہو کہ تو اپنے جن کو پرورش کر کے بڑا کرے تیرے لیے بھی بڑائی کا ایک راستا کھلا ہوا ہی"۔

آہ میرے بھائیو! انسان ہر ایک کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرورت سے زیادہ جانتا ہی اور بعض تو ایسے ہیں کہ ہماری نظر ان کے بالکل آر پار ہو جاتی ہی۔ مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ ہم ان میں سے ہو کر گزر سکتے ہیں۔

آدمیوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا مشکل کام ہی۔ کیونکہ خاموشی بڑی مشکل چیز ہی۔

اور ہم سب سے برا سلوک اس شخص سے نہیں کرتے جس سے ہمیں نفرت ہوتی ہی بلکہ اس سے جس کا ہم سے ذرا بھی تعلق نہیں ہوتا۔

لیکن اگر تیرا کوئی تکلیف زدہ دوست ہو تو اس کی تکلیف کو دور کر۔ مگر مثل سخت بچھونے کے مثل میدانِ جنگ کے بچھونے کے۔ اس طرح سے تو اس کو زیادہ سے زیادہ فایدہ پہنچا سکتا ہی۔

اور اگر کوئی دوست تیرے ساتھ برائی کرے تو تجھے یہ کہنا چاہیے:-
"جو کچھ تو نے میرے ساتھ کیا اس کو تو میں معاف کرتا ہوں۔ لیکن یہ کہ تو نے اپنے ساتھ برائی کی ہی اس کو میں کس طرح معاف کروں"۔

ہر اعلیٰ محبت کا یہ مقولہ ہی: وہ معافی اور ہمدردی سے بھی آگے بڑھ گئی ہی۔

انسان کو چاہیے کہ اپنا دل مضبوط پکڑے رہے۔ کیوں کہ اگر اس نے

اس کو جانے دیا تو ظاہر ہی کہ اس کا سر کتنی جلد چلتا نظر آئے گا!

آہ، ہمدردوں سے زیادہ دنیا میں اور کہاں حماقتیں سرزد ہوئی ہیں؟ اور ہمدردوں کی حماقتوں سے زیادہ دنیا میں کس چیز نے درد پیدا کیے ہیں؟

تُف ہی تمام محبت کرنے والوں پر، اگر ان کے پاس ہمدردی سے بڑھ کر اور کوئی بلندی نہیں!

شیطان نے ایک بار مجھ سے یہ کہا تھا: "خدا کے لیے بھی ایک دوزخ ہی اور وہ اس کی محبّت ہی بنی نوع انسان کے ساتھ"۔

اور ابھی کل کی بات ہی کہ اس نے مجھ سے کہا تھا: "خدا مر گیا۔ اور اس کے مرنے کی وجہ انسانوں کے ساتھ ہمدردی تھی"۔

لہٰذا خبردار ہو جاؤ ہمدردی سے! اسی کی وجہ سے آدمیوں کو گھرے بادل سے سابقہ پڑتا ہی۔ واقعی میں موسم شناس ہوں!

لیکن اس بات پر بھی غور کرو: ہر بڑی محبّت کا درجہ ہنوز اس کی ہمدردی سے بالاتر ہی۔ کیوں کہ ابھی اسے اپنے محبوب کو پیدا کرنا ہی!

"میں خود اپنے آپ کو اپنی محبّت کے بھینٹ چڑھاتا ہوں اور علیٰ ہٰذا القیاس اپنے ہمسائے کو بھی"، تمام تخلیق کرنے والے اسی کے قائل ہیں۔ لیکن تخلیق کرنے والے سب سخت ہوتے ہیں۔

یہ تھی تقریر زرُدشت کی۔

پادری

اور ایک بار زرُدشت نے اپنے چیلوں کو اشارے سے بلایا اور ان سے یوں مخاطب ہوا:-

"یہاں پادری موجود ہیں۔ اور اگرچہ وہ میرے دشمن ہیں تاہم تم ان کے پاس سے چپ چاپ گزر جاؤ اور تلواروں کو میان میں رہنے دو!

سورما ان میں بھی ہیں۔ ان میں سے بہتیرے ایسے ہیں جنھوں نے بے حد تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ لہٰذا وہ چاہتے ہیں اور لوگ بھی تکلیفیں اٹھائیں۔

وہ بُرے دشمن ہیں۔ ان کی بردباری سے زیادہ اور کوئی چیز کینہ پرور نہیں۔ اور جو اُن پر حملہ آور ہوتا ہے وہ بہت جلد پلید ہو جاتا ہے۔

لیکن میرا خون اور ان کا خون ایک ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ ان کے خون میں بھی میرے خون کی عزّت کی جائے۔"

اور جب وہ چلے گئے تو زرُدشت کے درد اُٹھا۔ مگر درد میں تھوڑی ہی دیر تک مبتلا رہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور یوں کہنے لگا:۔

ان پادریوں پر مجھے رحم آتا ہے۔ اگرچہ میں ان کے مذاق کا نہیں تاہم یہ میرے لیے غیر اہم بات ہے جب سے کہ میں انسانوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا ہوں۔

مگر میں ان کے ساتھ اب بھی تکلیفیں برداشت کرتا ہوں اور پہلے بھی کرتا تھا۔ میرے خیال میں یہ قیدی ہیں اور سر بہ مہر قیدی۔ جس کو وہ نجات دہندہ کہتے ہیں اسی نے ان کو زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے،

یعنی غلط قیمتیات اور دوسری خام خیالی کی باتوں کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ کاش کہ کوئی ان کو ان کے نجات دہندہ سے بھی نجات دلائے!

ایک بار جب کہ سمندر ان کو اِدھر اُدھر ڈانوا ڈول کر رہا تھا تو ان کو یہ خیال ہوا کہ ہم ایک جزیرے پر پہنچ گئے۔ مگر وہ تو ایک خوابیدہ اژدہا نکلا!

غلط قیمتیات اور خام خیالی کی باتیں:۔ یہ انسانِ فانی کے لیے بدترین

اژدہے ہیں۔ قضا ان کے اندر بہت دیر تک پوشیدہ اور تاک میں لگی رہتی ہے۔
لیکن بالآخر وہ نکل آتی ہے اور بیدار ہو جاتی ہے اور جس جس نے اس
کے اوپر جھونپڑے بنا رکھے ہیں ان سب کو چبا کر نگل جاتی ہے۔
ذرا ان جھونپڑوں کو دیکھو تو سہی جو ان پادریوں نے بنا رکھے ہیں!
اپنے ان معطر غاروں کا نام انھوں نے گرجا رکھ چھوڑا ہے!
افسوس اس جھوٹی روشنی پر، اس بدبودار ہوا پر! اور وہ بھی ایسی
جگہ جہاں کہ روح اپنی بلندی پر پرواز نہ کر سکے،
بلکہ جہاں ان کے مذہب کا یہ حکم ہو: "اے گنہگارو، زینے پر گھٹنوں
کے بل چلو!"
واقعی ان لوگوں کی حیا اور نیاز کی چڑھی ہوئی آنکھوں سے زیادہ تو
میں ایک بے حیا کو دیکھنا پسند کرتا ہوں۔
آخر ان غاروں اور توبہ کے زینوں کی ایجاد کس نے کی؟ کیا یہ وہ
لوگ نہ تھے جو پوشیدہ رہنا چاہتے تھے اور پاک جنّت سے شرماتے تھے؟
اور جب پاک جنّت پھر بوسیدہ چھتوں میں سے جھانکے گی اور شکستہ
دیواروں کی گھاس اور پوستِ سرخ پر نظر ڈالے گی تو پھر اس وقت میں
اس خدا کے جائے قیام کی طرف اپنا رجحان کروں گا۔
انھوں نے اس کا نام خدا رکھ چھوڑا ہے جو ان کی مخالفت اور ایذا رسانی
کرتا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ان کی عبادت بڑی بہادری کا کام ہے!
اور خدا سے محبت کرنے کی اور کوئی سبیل ان کے پاس نہیں سوائے
اس کے کہ وہ آدمیوں کو سولی پر چڑھائیں۔
ان کا خیال تھا کہ مُردوں کی طرح زندگی بسر کریں۔ اپنی لاش کو انھوں نے

سیہ پوش کر دیا تھا۔ ان کی باتوں سے ابھی تک مُردہ خانوں کی بد بو آتی ہے۔
جو شخص ان کے قریب رہتا ہے وہ گویا غلیظ تالابوں کے پاس رہتا ہے جن میں سے مینڈک نکل کر اپنے راگ سریلے درد کے ساتھ گاتے ہیں۔
اگر وہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے نجات دہندہ پر ایمان لانا سیکھوں تو انھیں چاہیے کہ میرے سامنے بہترین گیت گائیں۔ اس کے چیلے مجھے بہتر نجات یافتہ دکھائی دیں!
میں ان کو عُریاں دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیوں کہ محض حُسن توبہ کی تلقین کر سکتا ہے۔ مگر یہ تہ در تہ غمگینی بھلا کس پر اپنا سکّہ جما سکتی ہے!
واقعی خود ان کے نجات دہندہ آزادی اور آزادی کے ساتویں آسمان سے نہیں آئے! واقعی انھوں نے کبھی معرفت کی قالینوں پر قدم نہیں رکھا۔
ان نجات دہندوں کی روحیں سوراخ در سوراخ ہیں لیکن ہر سوراخ کو انھوں نے اپنی خام خیالی سے بھر رکھا ہے، یعنی اپنی ہیچی کاری سے جس کا نام انھوں نے خدا رکھ چھوڑا ہے۔
ان کی ہمدردی میں ان کی روح غرق ہو چکی تھی۔ اور جب وہ ہمدردی سے لبریز ہو گئے اور اُبل نکلے تو بالائے سطح ایک عظیم حماقت تیرنے لگی۔
وہ اپنے گلّے کو بڑے جوش و خروش کے ساتھ اپنے پُل کے اوپر سے لے گئے۔ گویا کہ مستقبل کے لیے فقط ایک ہی پل ہے۔ واقعی ان گلّے بانوں کا شمار بھی بھیڑوں میں ہے!
ان گلّے بانوں کی جانیں چھوٹی مگر روحیں وسیع ہیں۔ مگر بھائیو، وسیع ترین رُوحیں بھی اب تک کیسے کیسے چھوٹے قطعات اراضی کے مانند ہیں!
جن جن راستوں پر وہ چلی ہیں ان پر وہ خون سے لکھتی گئی ہیں۔ اور

ان کی حماقت نے یہ تعلیم دی ہو کہ سچائی کا ثبوت خون سے دیا جاتا ہو۔
لیکن خون سچائی کا بدترین گواہ ہو۔ پاک ترین تعلیمات بھی خون کی وجہ
سے زہر آلود ہو کر خام خیالی اور دلوں کی نفرتوں میں مبتدل ہو جاتی ہیں۔
اور اگر کوئی شخص اپنی تعلیمات کے لیے آگ میں سے ہو کر بھی گزرے تو
اس سے ثابت ہی کیا ہوتا ہو! درست تر تو یہ ہو کہ اپنی آگ سے اپنی تعلیمات
پیدا ہوں۔

دل میں مرطوب گرمی اور سر میں خشکی، جہاں یہ دونوں ملتے ہیں وہاں
ایک آندھی پیدا ہوتی ہو یعنی "نجات دہندہ"۔

یہ واقعہ ہو کہ ان آندھیوں نے جن کا نام لوگوں نے نجات دہندہ رکھا
ہو بزرگ تر اور عالی نسب تر لوگ ہو چکے ہیں۔

بھائیو میرے، اور اگر تم آزادی کے راستے پر آنا چاہتے ہو تو تمھیں
ان لوگوں سے بھی نجات یاب ہونا چاہیے جو تمھارے تمام نجات دہندگان
سے بزرگ تر ہیں۔

اب تک کبھی فوق البشر کا وجود نہیں ہوا۔ میں بڑے سے بڑے اور
چھوٹے سے چھوٹے انسانوں دونوں کو عریاں دیکھ چکا ہوں۔
ابھی تک دونوں میں بے حد مشابہت پائی جاتی ہو۔ واقعی بڑے سے
بڑے کو بھی میں نے بدرجہ اولیٰ انسان ہی پایا۔

یہ تھی تقریر زرُدشت کی

نیک منش

سست اور خوابیدہ حسیات والوں سے گرج اور آسمانی آتشبازی

کے ساتھ گفتگو کرنی چاہیے۔

لیکن حسن کی آواز آہستگی سے بولتی ہے۔ وہ بیدار ترین روحوں میں چپکے سے گھس جاتی ہے۔

آج میری سپر آہستہ آہستہ لپلپا رہی اور ہنس رہی تھی۔ یہ حسن کا پاک ترین ہنسنا اور لپلپانا ہے۔

اے نیک لوگو، آج میرا حسن تمہاری ہنسی اڑا رہا تھا اور اس کی یہ آواز میرے کان تک پہنچی تھی: "علاوہ بریں وہ اجرت کے بھی خواہاں ہیں!"

اے نیک لوگو، تم علاوہ بریں اجرت بھی چاہتے ہو! کیا تم نیکی کرنے کی مکافات چاہتے ہو اور زمین کے بدلے جنت اور دنیا کے عوض ابدی زندگی؟

اور کیا تم مجھ سے ناراض ہو گئے ہو کیوں کہ میں یہ تعلیم دیتا ہوں کہ اجرت اور مشاہرہ دینے والا کوئی ہے ہی نہیں؟ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ میں بار بار یہی تعلیم دیتا ہوں کہ نیکی خود اپنی اجرت ہے۔

ہائے مجھے تو اسی کا رونا ہے: ہر چیز کی جڑ میں لوگوں نے جزا اور سزا کو جھوٹ موٹ داخل کر رکھا ہے۔ اور اب تمہارے دلوں کی جڑ میں بھی، اے نیک لوگو!

لیکن میری تعلیم تمہاری روحوں کی تہ کو جنگلی سؤر کی تھوتھنی کی طرح پھاڑ ڈالے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرا نام ہَل کا پھل رکھو۔

تمہارے سارے اندرونی رازوں کو طشت از بام ہونا چاہیے۔ اور جب تم تہ و بالا اور شکستہ حال دھوپ میں پڑے ہو گے تو تمہارا جھوٹ بھی تمہاری سچائی سے علیحدہ ہو چکا ہوگا۔

کیوں کہ تمہاری سچائی یہ ہے: تم بہت زیادہ پاک ہو گندگی سے ان الفاظ کے: قِصاص، سزا، جزا، بدلہ۔

تم اپنی نیکی سے ایسی محبّت کرتے ہو جیسے ماں اپنے بچّے سے۔ لیکن یہ بھی کبھی سنا گیا ہو کہ ماں اپنی محبّت کی اجرت چاہتی ہو؟

تمہاری نیکی خود تمہارا محبوب ہو۔ تمہارا شوق حلقے کا سا شوق ہو! پھر کر اپنے آپ سے مل جانا۔ اسی مقصد سے ہر حلقہ جد وجہد کرتا اور گھومتا ہو۔

اور تمہاری نیکی کا ہر ایک فعل اس ستارے کی طرح ہو جو ٹھنڈا ہو رہا ہو۔ ابھی تک اس کی روشنی اِدھر اُدھر جا رہی ہو۔ وہ وقت کب آئے گا جب اس کی روشنی بند ہو جائے؟

علیٰ ہذاالقیاس کام کی تکمیل کے بعد بھی تمہاری نیکیوں کی روشنی اب تک جاری ہو۔ کاش کے اب وہ ختم اور نسیًا منسیًا ہو جائے۔ اس کی شعاع نور اب تک روشن ہو اور ادھر ادھر پھرتی ہو۔

اے نیک لوگو، تمہاری روح کی تہ میں اب تک یہ سچائی موجود ہو کہ تمہاری نیکی خود تمہاری ذات ہو نہ کہ ایک اجنبی، ایک چھلکا، ایک پوشش

لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جن کی نیکی اس تشنج کا نام ہو جو کوڑے کی مار سے پیدا ہوتا ہو۔ اور میرے خیال میں تم نے ان کی چیخ پکار کی بہت سماعت کی ہو۔

اور ایسے بھی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کے تعفّن کا نام نیکی رکھ چھوڑا ہو۔ اور اگر ان کی نفرت وحسد کبھی اپنے ہاتھ پانو پھیلائیں تو ان کی "خدا پرستی" جاگ اُٹھے گی اور اپنی خواب آلودہ آنکھیں ملنے لگے گی۔

اور ایسے بھی لوگ ہیں جو پستی کی طرف کشاں کشاں جا رہے ہیں۔ ان کے شیاطین ان کو کھینچ رہے ہیں۔ اور جس قدر زیادہ وہ گہرائی میں پہنچتے جاتے ہیں اسی قدر فرطِ اشتیاق ان کی آنکھوں سے نمایاں ہوتا ہو اور ان کی ہوس اپنے خدا سے ملنے کی بڑھتی جاتی ہو۔

آہ، اے نیک لوگو، ان کی چیخ پکار بھی تمھارے کانوں میں گھس گئی: "جو میں خود نہیں ہوں بس وہی میرے نزدیک خدا اور نیکی ہو!"

اور ایسے بھی لوگ ہیں جو بھاری قدموں اور چرچر کرتے ہوئے آتے ہیں مثل اُن گاڑیوں کے جن پر پتھر لدے ہوں اور جو نیچے کی طرف جا رہی ہوں۔ وہ لوگ وقار اور نیکی کے متعلق بہت سی باتیں کرنی جانتے ہیں۔ اپنے جھگڑے کا نام انھوں نے نیکی رکھ چھوڑا ہو۔

اور ایسے بھی لوگ ہیں جن کی مثال روزمرہ کی گھڑیوں کی ہو جن میں کوک دی گئی ہو۔ وہ ٹک ٹک کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی ٹک ٹک کو نیکی کے نام سے تعبیر کریں۔

واقعی اس قسم کے لوگوں میں مجھے لطف آتا ہو۔ جہاں کہیں بھی مجھے ایسی گھڑیاں ملیں گی میں اُن میں اپنے تمسخر کی کوک دوں گا۔ اور میں چاہتا ہوں کہ وہ کوک دیتے وقت بھرّے آواز بھی کریں۔

اور ایسے بھی لوگ ہیں جن کو اپنی مٹھی بھر خدا ترسی پر گھمنڈ ہو اور اس کی وجہ سے وہ تمام اور چیزوں پر ظلم کرتے ہیں، یہاں تک کہ دنیا ان کی ناخدا ترسی میں غرق ہو جاتی ہو۔

ہائے، ان کی زبان سے لفظ "نیکی" کیسا بُرا لگتا ہو! اور جب وہ کہتے ہیں: "میں خدا ترس ہوں" تو ایسا معلوم ہوتا ہو کہ: "میرا بدلہ لے لیا گیا ہو!"[1]

وہ اپنی نیکیوں کی خاطر اپنے دشمنوں کی آنکھیں نکال لینا چاہتے ہیں اور وہ محض اس لیے اونچے ہوتے ہیں کہ دوسروں کو نیچا دکھائیں۔

---

[1] خدا ترس کے لیے جرمن لفظ gerecht اور بدلہ لیا گیا کے لیے gerächt ہو جو دونوں ہم آواز ہیں۔ مترجم

اور پھر ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی دَل دَل میں پھنسے ہوئے ہیں اور اپنے سرکنڈوں میں سے اس طرح آواز نکالتے ہیں: "نیکی، اس کے معنے ہیں دَل دَل میں چپ چاپ بیٹھے رہنا۔

ہم کسی کو کاٹنے نہیں دوڑتے اور کٹ کھنوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔

اور ہر بات میں ہماری وہی رائے ہے جو ہمیں بتائی گئی ہے۔"

اور پھر ایسے لوگ بھی ہیں جو تیور پسند کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں: نیکی ایک قسم کا تیور ہے۔

ان کے گھٹنے ہمیشہ محوِ عبادت رہتے ہیں اور اُن کے ہاتھ نیکیوں کی تعریف کا پُل باندھ دیتے ہیں۔ مگر ان کے دل کو اس کی مطلق خبر نہیں ہوتی۔

اور پھر ایسے لوگ بھی ہیں جن کے نزدیک یہ کہنا نیکی ہے: "نیکی ضروری شے ہے"

لیکن دل سے ان کا اعتقاد یہ ہے کہ پولیس ضروری شے ہے۔

اور بہتیرے جو کہ انسانوں کی بلندی کو نہیں دیکھ سکتے اس بات کو نیکی سے تعبیر کرتے ہیں کہ وہ ان کی پستی اپنے بہت قریب دیکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنی نظرِ بد کو نیکی کہتے ہیں۔

اور بعض اپنی تعمیر اور ترفیع چاہتے ہیں اور اس کا نام انھوں نے نیکی رکھ چھوڑا ہے۔ اور بعض لوگ مسمار ہونا چاہتے ہیں اور اس کو بھی نیکی ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اور یہ تو قریب قریب ہر شخص خیال کرتا ہے کہ نیکی میں اس کا بھی ایک حصّہ ہے۔

اور ہر شخص کو کم از کم اس کا دعویٰ ہے کہ وہ "نیکی" اور "بدی" کو خوب سمجھتا ہے۔

لیکن زرتُشت کے آنے کا یہ مقصد نہیں کہ وہ ان تمام جھوٹوں اور احمقوں سے کہے: "تم کیا جانو نیکی کیا ہے! تم میں نیکی کے جاننے کی قابلیت کہاں!"

بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ تم لوگ، اے میرے دوستو، پرانی باتوں سے سیر ہو جاؤ

جن کو تم نے احمقوں اور جھوٹوں سے سیکھا ہے:

اسیر ہو جاؤ "جزا" "بدلہ" "سزا" "انصاف کی خاطر قصاص" کے لفظوں سے،

اسیر ہو جاؤ یہ کہنے سے: "ایک عمل اس وجہ سے نیک ہے کہ اس میں خودغرضی نہیں پائی جاتی"۔ میرے خیال میں تمھارا فیصلہ نیکی کے متعلق یہی ہے۔

سچ ہے کہ میں نے تم سے سو لفظ لیے ہیں اور نیز تمھاری نیکی کے عزیز ترین کھلونے۔ اور اب بچوں کی طرح تم مجھ سے ناراض ہو گئے ہو۔

وہ بچے سمندر کے کنارے کھیل رہے تھے۔ ایک موج آئی اور اس نے ان کے کھلونے کو چھین کر سمندر میں غرق کر دیا۔ اب وہ رو رہے ہیں۔

مگر یہی موج ان کے لیے نئے کھلونے لائے گی اور رنگ برنگ سیپیں ان کے آگے انڈیل جائے گی۔

اس طرح ان کی تسلی ہو جائے گی۔ اور اسی طرح، اے میرے دوستو، تمھیں بھی اطمینان حاصل ہوگا اور نئی رنگ برنگ سیپیں۔

یہ تھی تقریر زردشت کی۔

اوباش

زندگی مسرتوں کا کنواں ہے مگر جہاں اوباش بھی اوروں کے ساتھ پانی پیتے ہیں وہاں تمام کے تمام کنوئیں زہر آلود ہو جاتے ہیں۔

ہر پاک چیز کی طرف میرا دلی رجحان ہے۔ مگر میں زہرخند تھوتھنے نہیں دیکھنا چاہتا اور نہ ناپاکوں کی پیاس۔

انھوں نے اپنی نظریں کنوئیں کے اندر ڈالی ہیں۔ اب ان کی مکروہ مسکراہٹ کنوئیں سے پلٹ کر میرے پاس آ رہی ہے

پاک پانی کو انھوں نے اپنی نفس پرستی سے زہر آلود بنا دیا ہو اور جب انھوں نے اپنے گندے خوابوں کا نام مسرت رکھا تو انھوں نے الفاظ کو بھی زہر آلود کر دیا۔

جب وہ اپنے آلودہ دلوں کو آگ کے پاس لاتے ہیں تو شعلہ بھی طیش میں آجاتا ہو جب اوباش آگ کے پاس جاتے ہیں تو خود روح کھولنے اور بھاپ بن کر اُڑنے لگتی ہو۔

ان کے ہاتھ لگانے سے میوہ گھنونا اور چور چور ہو جاتا ہو۔ اور ان کی نظر ڈالنے سے میوے کا درخت چھوئی موئی بن جاتا ہو اور اس کی کونپلیں سوکھ جاتی ہیں۔

اور بہتیرے جو زندگی سے کنارہ کش ہوئے ہیں وہ محض اوباش سے کنارہ کش ہوئے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اوباش ان کے ساتھ کُنوئیں اور شعلے اور میوے میں شامل ہوں۔

اور بہتیرے جو بیابانوں میں چلے گئے ہیں اور درندوں کے ساتھ پیاسے مرتے ہیں ان کا مقصد یہی تھا کہ انھیں گندے ساربانوں کے ساتھ حوض پر نہ بیٹھنا پڑے۔

اور بہتیرے جو درہم برہم کرتے ہوئے آئے اور جنھوں نے کھیتوں کے لیے اولے کا کام کیا وہ محض یہ چاہتے تھے کہ اپنا پانو اوباش کی گردن پر رکھیں اور اس طرح ان کا گلا گھونٹ دیں۔

اور وہ لقمہ جو میرے گلے میں سب سے زیادہ اٹکتا ہو اس بات کو معلوم کرنا نہیں ہو کہ خود زندگی کو دشمنی اور موت اور سولی کی مصیبتوں کی ضرورت ہو،

بلکہ ایک بار میں نے یہ سوال کیا تھا اور اس سے میری سانس قریب قریب رُک گئی تھی: کیوں؟ کیا زندگی کے لیے اوباش کی بھی ضرورت ہو؟

کیا زہر آلود کنوئیں ضروری ہیں اور بدبودار آگیں اور گندے خواب اور زندگی کی روٹی کے اندر کیڑے؟

میری نفرت نے نہیں بلکہ میری کراہیت نے میری زندگی کو بڑی اشتہا سے کھا کر چٹ کر دیا ہو۔ آہ، میں اپنی سمجھ داری سے اکثر اکتا اکتا گیا ہوں جب سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ اوباش بھی سمجھ دار ہیں۔

اور حکمرانوں کی طرف سے میں نے پیٹھ پھیر لی ہو جب سے مجھے یہ معلوم ہوا ہو کہ ان کے نزدیک حکمرانی کس چیز کا نام ہو: طاقت حاصل کرنے کے لیے مول تول اور سودا سلف کرنا۔ کس کے ساتھ؟ اوباش کے ساتھ۔

لوگوں کے ساتھ مجھ اجنبی زبان بولنے والے نے کان بند کر کے زندگی بسر کی ہو تاکہ کہیں میں ان کے مول تول کرنے کی زبان اور ان کا طاقت حاصل کرنے کے لیے سودا سلف کرنا نہ سیکھ جاؤں۔

اور کل ماضی اور حال میں سے میں ناک بند کر کے اور جھجک کر گزر رہا ہوں۔ واقعی کل ماضی اور حال میں لکھے پڑھے اوباش کی بو آتی ہو،

مانند اس بے دست و پا کے جو بہرا اور اندھا اور گونگا ہو گیا ہو۔ اس طرح میں نے مدت تک زندگی کاٹی ہو۔ گویا کہ میں نے طاقت پرست اور لکھے پڑھے اور ہوا پرست اوباش کے ساتھ زندگی کاٹی ہی نہیں۔

میری روح زینے پر بڑی دقت سے اور بہت دیکھ بھال کر چڑھی ہو۔ اس کا زادِ راہ مسرت کی بھیک تھا۔ زندگی نے اندھے کی لکڑی کے سہارے آہستہ آہستہ قدم بڑھایا ہو۔

تو پھر میرا کیا حشر ہوا؟ کراہیت سے مجھ کو کس طرح چھٹکارا ملا؟ کس نے میری بینائی کو نوجوان بنا دیا؟ میں کس طرح اس بلندی پر اڑ کر پہنچ گیا جہاں کوئی اوباش کنویں کی مینڈ پر نہیں بیٹھتا ہو؟

کیا خود میری کراہیت نے مجھے بال و پر عطا کر دیے اور چشمے تک پہنچنے کی قوت بھی؟

واقعی مسرّت کے چشمے تک دوبارہ رسائی پانے کے لیے مجھے بلند سے بلند اونچائی پر
اُڑنا پڑا ہی۔

ای بھائیو، وہ چشمہ مجھے واقعی مل گیا۔ اس بلند ترین مقام پر میری مسرت کا چشمہ
اُبل رہا ہی۔ اور مجھے وہ زندگی حاصل ہی جہاں کوئی اوباش میرا ہم مشرب نہیں۔

ای چشمۂ مسرت، تو قریب قریب انتہائی تیزی کے ساتھ بہ رہا ہی۔ تو اپنا
پیمانہ اکثر خالی کر دیتا ہی تاکہ تو اسے دوبارہ پُر کرے۔

ابھی مجھے یہ سیکھنا باقی ہی کہ میں کیوں کر زیادہ انکسار کے ساتھ تیرا تقرّب حاصل
کروں۔ اب تک میرا دل نہایت زور شور کے ساتھ تیری طرف کھنچ رہا ہی،

میرا دل جس پر میرا موسم گرما سوزاں ہی، چھوٹا، گرم، ملول اور بے حد مسرور
موسم گرما۔ میرے تابستانی دل کو تیری خنکی کا کس قدر اشتیاق ہی!

ملائے اعلیٰ پر تابستان اور خنک چشمے اور فرحت بخش سکون، دوستو، آؤ تاکہ
سکون اور بھی فرحت بخش ہو جائے،

کیوں کہ یہ ہماری ہی بلندی ہی اور ہمارا وطن۔ ہمارا یہ مکان اتنا بلند اور
ڈھالو ہی کہ ناپاک لوگوں اور ان کی ہوا و ہوس کا گزر یہاں نہیں ہو سکتا۔

ای دوستو، ذرا اپنی پاک نظر میرے مسرت کے چشمے پر ڈالو تو سہی! کہیں
اس وجہ سے وہ گدلا ہو جائے گا۔ اس کی پاکی ہنسی خوشی تمھارے سامنے آئے گی۔

ہم اپنا آشیانہ مستقبل کے درخت پر بناتے ہیں۔ ہم تنہا لوگوں کے لیے عقاب
اپنی چونچوں میں بھر کر کھانا لائیں!

واقعی وہ ایسا کھانا ہو گا کہ ناپاک لوگ ہمارے ہم نوالہ نہ ہوں گے۔ ان کو یہ
گمان ہو گا کہ وہ آگ کھا رہے ہیں اور ان کے تھوتھنے جل جائیں گے۔

واقعی ہم یہاں ناپاک لوگوں کے لیے کوئی مکان تیار کر کے نہ رکھیں گے۔ ہماری

خوشش وقتی ان کے جسم وجان کا نام یخ بستہ غار رکھے گی۔
اور ہم ان سے بالاتر سخت آندھیوں کی طرح زندگی بسر کریں گے۔ عقابوں کے پڑوسی، برف کے پڑوسی، سورج کے پڑوسی: یہ ہے مقام سخت آندھیوں کا۔
اور ایک دن میں ان کے درمیان بھی آندھی کی طرح گزر دوں گا اور اپنی روح سے ان کی روح کا ناطقہ بند کر دوں گا۔ یہ ہے مقتضا میرے مستقبل کا۔
واقعی زرتشت تمام پستیوں کے لیے ایک سخت آندھی ہے۔ اور وہ اپنے دشمنوں اور تمام تھوکنے والوں کو یہ مشورہ دیتا ہے: "آندھی کے خلاف تھوکنے سے بچو!"
یہ تھی تقریر زرتشت کی۔

زہریلی مکڑیاں

دیکھ، یہ زہریلی مکڑی کا غار ہے! کیا تو خود اس کو بھی دیکھنا چاہتا ہے؟ یہ رہا اس کا جالا۔ چھو اُسے تاکہ وہ ہلنے لگے!
لے وہ آپ آرہی ہے۔ مرحبا، زہریلی مکڑی! ترا نشان سیاہ مثلث تیری پشت پر ہے۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تیری روح کے اندر کیا ہے۔
تیری روح میں کینہ بھرا ہوا ہے۔ جہاں کہیں تو کاٹتی ہے وہاں ایک کالا کھرنڈ جم جاتا ہے۔ کینے کی وجہ سے تیرا زہر روح کو چکر میں ڈال دیتا ہے۔
اے روح کو چکر میں لانے والے، برابری کی تعلیم دینے والے واعظو، یہ میری تقریر استعارتاً تم سے ہے۔ میرے نزدیک تم زہریلی مکڑیاں ہو اور پوشیدہ کینہ پرور۔
مگر میں تمھاری کمین گاہوں کا پردہ فاش کرکے چھوڑوں گا۔ اسی لیے میں تم پر بلندی کی ہنسی ہنستا ہوں۔

اسی لیے میں تمھارا جال پھاڑ رہا ہوں تاکہ تم غصّے کی وجہ سے اپنے دروغ گوئی
کے غاروں سے نکل پڑو اور تمھارا کینہ تمھاری زبانی "خدا ترسی" کے پیچھے سے اچھل پڑے۔
کیوں کہ انسان کا کینے سے نجات پانا میرے نزدیک بلند ترین امید کی طرف
لے جانے کا پل ہے اور وہ قوس قزح ہے جو دیر تک پانی برسنے کے بعد نکلتی ہے۔
لیکن ظاہر ہے کہ زہریلی مکڑیوں کی خواہش کچھ اور رہی ہے: "بس یہی ہمارے نزدیک
خدا ترسی ہے کہ دنیا میں ہمارے کینے کا سیلاب آجائے"۔ اس طرح وہ آپس میں گفتگو
کرتے ہیں۔

"ہم اپنے دل کا کینہ نکالیں گے اور بدزبانی کریں گے ان لوگوں سے جو ہماری طرح
نہیں ہیں"۔ اس بات کی قسم زہریلی مکڑیوں کے دلوں نے کھا رکھی ہے۔
" اور اب سے 'عزم برابری' خود نام ہوگا نیکی کا۔ اور ہر صاحبِ حکومت کے
خلاف ہم شور و غوغا مچائیں گے"۔

اے برابری کے واعظو، ظالمانہ جنونِ بے تابی "برابری" کے لیے تمھارے
اندر سے یوں چلاتا ہے: تمھاری پوشیدہ ترین ظالمانہ آرزوئیں یوں نیکی کے الفاظ
کے بھیس میں ظاہر ہوتی ہیں۔

متاسفانہ گھمنڈ اور دبا ہوا حسد، ممکن ہے کہ تمھارے آبا و اجداد کا گھمنڈ اور
حسد ہو: یہ مثل شعلے اور جنون کے کینے کے تم میں سے پھوٹ نکلا ہے۔
جو بات باپ نے ظاہر نہ کی ہو اس کو بیٹا زبان پر لے آتا ہے۔ اور میں نے اکثر
بیٹے کو باپ کا فاش شدہ راز پایا ہے۔

وہ مثل جوشیلے لوگوں کے ہیں۔ لیکن جس چیز سے ان کو جوش پیدا ہوا ہے وہ دل
نہیں ہے بلکہ کینہ۔ اور جب وہ لاغر اور سرد ہو جاتے ہیں تو اس کا سبب ان کا نفس
نہیں ہے بلکہ ان کا کینہ ہے جو ان کو لاغر اور سرد بنا دیتا ہے۔

ان کا رشک ان کو غور و خوض کرنے والوں کے راستے تک لے جاتا ہی اور یہی ان کے رشک کی علامت ہی کہ وہ بہت دور نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ ان کو تھک کر بالآخر برف پر سونے کے لیے لیٹ جانا پڑتا ہی۔

ان کی ہر شکایت سے کینہ ٹپکتا ہی اور ان کی ہر توصیف سے دل تنگی پائی جاتی ہی۔ اور سزا دینے والا بننا ان کی انتہائی مسرت ہی۔

مگر اے دوستو، میں تم کو یہ مشورہ دیتا ہوں: ایسے لوگوں پر اعتماد نہ کرو جن میں سزا دینے کا جذبہ قوی ہو!

یہ بری جنس اور برے نسب کے لوگ ہیں: ان کے چہرے سے ان کے جلاد اور سراغ رساں کتے ہونے کا پتا چلتا ہی۔

تمام ایسے لوگوں پر اعتماد نہ کرو جو اپنی خدا ترسی پر بڑی لاف زنی کرتے ہیں۔ واقعی ان کی روحوں میں علاوہ شیرینی کے اور چیزوں کی بھی کمی ہی۔

اور جب وہ خود اپنے آپ کو "نیک اور خدا ترس" کہتے ہیں تو یاد رکھو کہ ان کو یہودیوں کے فرقے فریسی[1] بننے میں کسی اور چیز کی کسر نہیں ہی سوائے قوت کے۔

میرے دوستو، میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ کو دوسروں کے ساتھ مخلوط اور مبدل نہ کرو۔

ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو میرے دستور العمل زندگی کی تعلیم و تلقین کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ برابری کی تعلیم کے واعظین بھی ہیں اور زہریلی مکڑیاں بھی۔

---

[1] فریسی یا فریزی عربی، Pharisee انگریزی، Pharisäer جرمن، ایک یہودیوں کے فرقے کا نام ہی جو ارکانِ دین کی نہایت سختی کے ساتھ پیروی کرتے تھے، اور اپنے آپ کو باقی یہودیوں سے الگ تھلگ رکھتے تھے کیوں کہ وہ ان کو اپنے آپ سے کمتر اور حقیر تر خیال کرتے تھے ان کی مثال عربوں میں خارجیوں اور انگلستان میں Puritans کی سی ہی۔ اسی وجہ سے اس کے دوسرے معنے ریاکار اور ظاہر پرست کے ہو گئے۔ اس کا مادہ عبرانی میں پ رش ہی جو عربی میں ف ر ز ہی جس کے معنے کنارہ کرنے اور الگ تھلگ ہو جانے کے ہیں۔ مترجم۔

اگرچہ یہ زہریلی مکڑیاں دنیا سے قطعِ تعلق کیے اپنے غار میں بیٹھی رہتی ہیں تاہم وہ ساتھ
ساتھ زندگی کی موافقت میں بھی باتیں کرتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ایذا
دینا چاہتی ہیں۔

اس سے وہ ان لوگوں کو ایذا پہنچانا چاہتی ہیں جو فی الحال برسرِ اقتدار ہیں۔
کیوں کہ ان کے سامنے موت کا وعظ کرنا نہایت حسبِ حال ہے۔

اگر حالت اس سے مختلف ہوتی تو زہریلی مکڑیوں کی تعلیم بھی مختلف ہوتی۔ اور
ایک زمانے میں یہی لوگ تھے جو دنیا کی بے حد نفی کرتے اور مرتدوں کو زندہ جلا دیتے تھے۔

ان برابری کے واعظوں کے ساتھ میں مخلوط اور مبتذل ہونا پسند نہیں کرتا۔
کیوں کہ میری انصاف پسندی یہ کہتی ہے کہ: "تمام لوگ برابر نہیں ہیں"،

اور ان کو ایسا ہونا بھی نہ چاہیے۔ اگر میں دوسری طرح سے باتیں کرتا تو فوق البشر
کے ساتھ میری محبّت کیا معنے رکھتی؟

ہزاروں پُلوں اور پگ ڈنڈیوں سے ہو کر انھیں مستقبل کی طرف گھُس پِل کر
جانا چاہیے اور ان کے درمیان اور زیادہ جنگ اور نا برابری کرنی چاہیے: یوں کہلواتی
ہے مجھ سے میری بڑی محبّت۔

ان کو اپنی عداوت میں مورتوں اور دیوجن کی ایجاد کرنی چاہیے اور ان
مورتوں اور دیوجن کو لے کر انھیں باہم انتہائی لڑائی لڑنی چاہیے۔

نیک و بد، اور امیر و غریب، اور بلند و پست، اور دیگر نام قیمتیات کے:
ان کو اسلحہ ہونا چاہیے اور جھم جھم کرنے والے نشانات اس بات کے کہ زندگی کو بار بار
اپنے سے گزر جانا چاہیے۔

خود زندگی بلندی پر اپنے لیے ایک ایسا گھر بنانا چاہتی ہے جس میں ستون اور
زینے ہوں۔ وہ چاہتی ہے کہ دور تک اپنی نظر دوڑا سکے اور اس جگہ تک جہاں فرحت بخش

خوب صورت چیزیں موجود ہوں۔ اسی وجہ سے تو اسے بلندی درکار ہے۔

اور چوں کہ اسے بلندی درکار ہے لہٰذا اسے زینوں اور زینوں پر چڑھنے والوں کے اختلاف کی ضرورت ہے۔ زندگی کا یہ منشا ہے کہ اوپر چڑھے اور چڑھتے وقت اپنے آپ سے گزر جائے۔

اور اے میرے دوستو، ذرا دیکھو تو سہی! جہاں زہریلی مکڑی کا غار ہے وہیں پر ایک پرانی عبادت گاہ کے کھنڈر بھی ہیں۔ اُدھر ذرا روشن خیالی سے نظر دوڑاؤ!

واقعی جس شخص نے یہاں اپنے خیالات کے رَدّے پتھروں کے ذریعے رکھے تھے وہ عاقل ترین شخص کی طرح زندگی کے ہر پہلو کے بھیدوں سے واقف تھا۔

یہاں بھی صاف صاف تشبیہوں میں وہ ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے: خوب صورتی میں بھی جھگڑا اور نامساوی ہونا اور جنگ اور طاقت اور حکمرانی موجود ہے۔

کس الوہیت کے ساتھ اس جگہ طاق اور محرابیں ٹوٹتی ہیں، کُشتی میں۔ کس طرح روشنی اور سائے کے ساتھ وہ ایک دوسرے کے خلاف کار فرما ہیں، یہ فی سبیل اللہ کوشش کرنے والے۔

اے میرے دوستو، آؤ یقین اور دوستی کے ساتھ ہم ایک دوسرے کے دشمن بھی بن جائیں! فی سبیل اللہ ہم ایک دوسرے کے خلاف کوشاں ہوں گے۔

اُف! لو خود مجھ کو میری پرانی دشمن زہریلی مکڑی نے کاٹ لیا! خدا ای یقین اور خوب صورتی کے ساتھ اس نے میری انگلی میں کاٹ لیا۔

اس کا یہ خیال تھا: "سزا اور انصاف کا ہونا ضروری ہے۔ وہ یہاں دشمنی کی تعریف میں راگ گائے اور سزا نہ پائے!"

ہاں اس نے اپنا بدلہ لے لیا۔ اور اُف، اب وہ کینے سے میری روح کو بھی چکّر میں لے آئے گی۔

دوستو، مجھے یہاں اس ستون سے جکڑ کر باندھ دو تا کہ مجھے چکّر نہ آئے۔ مجھے ستون کی
مورت بننا زیادہ پسند ہے بہ نسبت کینے کا بگولا بننے کے۔
واقعی زردشت کوئی بگولا نہیں ہے۔ اور اگرچہ وہ رقصندہ ہے لیکن زہریلی مکڑیوں
کا رقص اسے نہیں آتا۔
یہ تھی تقریر زردشت کی۔

مشہور و معروف دانشمند

اے مشہور و معروف دانشمندو، تم سب نے قوم اور قوم کے باطل اعتقادات
کی خدمت تو کی ہے مگر سچائی کی خدمت نہیں کی، اور اسی وجہ سے تمھارا احترام کیا جاتا ہے۔
اور اسی لیے قوم نے تمھاری بداعتقادی کی برداشت کی ہے کہ وہ لوگوں تک
پہنچنے کے لیے ایک مذاق اور چکّر کا راستا تھا۔ اسی طرح آقا اپنے غلاموں کا دل
بڑھاتا ہے اور ان کی افراطِ مسرت پر خوش ہوتا ہے۔
لیکن جس کو قوم نفرت سے دیکھتی ہے جیسے کتّے بھیڑیے کو، وہ ہے آزاد منش،
بیڑیوں کا دشمن۔ پرستش سے اجتناب کرنے والا، جنگلوں میں بسنے والا۔
ایسے شخص کو اپنے پوشیدہ جائے اقامت سے مار بھگانا، اس کے معنے
لوگوں کے نزدیک ہمیشہ "انصاف پسندی" رہے ہیں۔ اس کے خلاف وہ ہمیشہ
اپنے تیز سے تیز دانتوں والے کتّوں کو اُچکاتے ہیں۔
کیوں کہ ہمیشہ یہی سننے میں آیا ہے: "سچائی موجود ہے کیوں کہ قوم موجود ہے۔
لعنت اور پھٹکار ہے تلاش کرنے والوں پر!"
اے مشہور و معروف دانشمندو، تم اپنے قوم کی اس بات میں حمایت کرنا چاہتے
ہو کہ وہ تمھارا احترام کرتی ہے۔ اِس کا نام تم نے "سچائی کا عزم" رکھ چھوڑا ہے۔

اور تمھارا دل برابر اپنے آپ سے یہ کہتا رہتا تھا: "قوم ہی میں سے میں آیا ہوں اور وہیں سے مجھے خدا کی آواز پہنچی ہے"۔

گدھے کی طرح اکھڑ پنے اور چالاکی سے تم نے اپنے آپ کو ہمیشہ سے قوم کا وکیل بنا رکھا ہے۔

اور بہت سے زبردست لوگوں نے جو قوم کے ساتھ ساتھ سواری میں بیٹھ کر اچھی طرح سے چلنا چاہتے تھے، اپنے اصیل گھوڑوں کے آگے گاڑی میں ایک گدھی کو جوت رکھا تھا، ایک مشہور و معروف دانشمند کو۔

اور اے مشہور و معروف دانشمندو، اب میں چاہتا ہوں کہ تم بالآخر شیر کی کھال کو اتار کر پھینک دو،

اس درندے کی کھال کو جو رنگ برنگ ہے، اور متحقق اور متفحص اور فاتح کے اُلجھے ہوئے بالوں کو۔

اس بات کے لیے کہ میں تمھاری "صدق پسندی" پر ایمان لانا سیکھوں پہلے اس کی ضرورت ہے کہ تم اپنے آپ کو احترام کرانے کے عزم کو پارہ پارہ کر ڈالو۔

صادق میں اسے کہتا ہوں جو خالی از خدا ویرانوں میں چلا جاتا ہے اور اپنے احترام کرنے والے دل کو چکنا چور کر ڈالتا ہے۔

زرد ریت میں دھوپ سے جھلس کر وہ پیاس کا مارا ان مرغزاروں کی طرف دیکھتا تو ضرور ہے جہاں چشموں کی فراوانی ہے اور جہاں جان دار تاریک درختوں کے نیچے آرام سے پڑے رہتے ہیں،

لیکن اس کی پیاس اس کو اس بات پر مجبور نہیں کرتی کہ وہ بھی انھیں آرام طلبوں کی طرح ہو جائے۔ کیوں کہ جہاں مرغزار ہوتے ہیں وہیں بُت بھی ہوتے ہیں۔

بھوکا، خونخوار، تنہا، خدا ترک: یوں چاہتا ہے اپنے آپ کو شیرِ عزم

غلامانہ خوش وقتی سے آزاد، خداؤں اور عبادتوں سے کنارہ کش، بے خوف اور خوفناک، عالی شان اور تنہا: یہ ہر مردِ صادق کا عزم۔

سچے لوگ ہمیشہ سے بیابانوں میں رہتے چلے آئے ہیں اور آزاد منش لوگ، بہ حیثیت ریگستان کے مالک ہونے کے۔ لیکن شہروں میں مقیم ہیں موٹے تازے مشہور و معروف دانشمند، یعنی لادُو جانور۔

یعنی وہ ہمیشہ مثل گدھوں کے قوم کا چھکڑا کھینچتے ہیں۔

یہ بات نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے میں ان سے ناراض ہوں۔ بلکہ میرے نزدیک وہ ہمیشہ خدمت ہی کیا کرتے ہیں اور ان پر زین کسی رہتی ہے، خواہ ان کا ساز سنہرا ہی کیوں نہ ہو۔

اور اکثر انھوں نے اچھی اور قابلِ قدر خدمت کی ہے۔ کیوں کہ نیکی کا یہ مقولہ ہے: "اگر تجھ کو خدمت ہی کرنی ہے تو تلاش کر اس شخص کو جسے تیری خدمت سے بہترین فائدہ پہنچے!

تیرے آقا کی روح اور نیکی میں روز افزوں ترقّی ہونی چاہیے، اس وجہ سے کہ تو اس کا غلام ہے۔ اگر ایسا ہوگا تو تُو خود اس کی روح اور اس کی نیکی کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا جائے گا۔"

اور اے مشہور دانشمندو، اے قوم کے خادمو، واقعی تم قوم کی روح اور نیکی کے ساتھ بڑھتے چلے ہو اور قوم تمھاری وجہ سے بڑی ہوتی ہے۔ یہ تمھارے لیے باعثِ فخر ہے۔

مگر میرے خیال میں تم باوجود اپنی نیکی کے عام لوگوں ہی میں سے رہے، پُندھلی آنکھ والے عوام النّاس، وہ عوام النّاس جو یہ نہیں جانتے کہ روح کیا ہے۔

روح وہ زندگی ہے جو خود دوسری زندگی کو کاٹ کر نکلتی ہے۔ وہ اپنے اوپر تکلیف برداشت کر کے اپنے علم میں اضافہ کرتی ہے۔ کیا تمھیں یہ پہلے سے معلوم تھا؟

اور روح کی خوش وقتی یہ ہے: اس کے سر پر تیل ڈالا جائے اور آنسوؤں کے ذریعہ سے اسے قربانی کا جانور بننے کے لیے پاک کیا جائے۔ کیا تمھیں یہ پہلے سے معلوم تھا؟

اور چاہیے کہ اندھے کا اندھے پن اور اس کا ڈھونڈنا اور ٹٹولنا سورج کی طاقت کی بھی گواہی دے جس کی طرف وہ نظر دوڑاتا ہے۔ کیا تمھیں یہ پہلے سے معلوم تھا؟

اور صاحبِ معرفت کو چاہیے کہ پہاڑوں کو لے کر ان سے عمارت بنانا سیکھے۔ یہ کافی نہیں ہے کہ روح پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دے۔ کیا تمھیں یہ پہلے سے معلوم تھا؟

تمھیں محض روح کی چنگاریوں کی خبر ہے۔ مگر نہائی کو نہیں دیکھتے جو ان کا سبب ہے اور نہ اس کے ہتھوڑے کی سخت دلی کو دیکھتے ہو۔

واقعی تمھیں روح کی غیرت مندی کی خبر نہیں! لیکن اس سے بھی کم تم روح کی بُردباری کو گوارا کر سکو گے اگر وہ ایک روز اپنے خیالات کا اظہار کرے۔

اور تمھیں اپنی روح کو ہرگز برف کے خندق میں نہ پھینکنا چاہیے۔ اس کے لیے تم میں کافی حرارت نہیں ہے اور اسی لیے تمھیں اس کی سردی کی مسرت کی خبر نہیں۔

لیکن میرا خیال ہے کہ تم ہر بات میں روح کے ساتھ بڑا یارانہ جتاتے ہو اور دانشمندی کو تم نے بسا اوقات بھونڈے شاعروں کا لنگر خانہ اور مریض خانہ بنا رکھا ہے۔

تم کوئی عُقاب تو ہو نہیں۔ اسی لیے تمھیں اس خوش وقتی کا تجربہ نہیں جو روح کے یک بیک سہم جانے سے ہوتی ہے۔ اور جو شخص پرندہ نہ ہو اسے ڈھالو پہاڑوں پر نہ بیٹھنا چاہیے۔

میرے نزدیک تم نیم گرم ہو لیکن ہر گہری معرفت کے دریا کی لہریں ٹھنڈی ہیں، روح کے اندرونی چشمے برف کی طرح سرد ہیں۔ یہ ایک تفریح ہے گرم ہاتھوں کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو کام کاج کرتے ہیں۔

تم وقار کے ساتھ اِستادہ ہو اور اکڑے ہوئے اور کمر سخت کیے ہوئے، اے مشہور و معروف دانشمندو! نہ کوئی سخت ہوا تم کو جنبش دیتی ہے اور نہ کوئی ارادہ۔

کیا تم نے سمندر میں کبھی کوئی بادبان اُڑتا ہوا نہیں دیکھا، جو گول ہو جاتا ہو اور جس میں ہوا بھر جاتی ہو اور جو طوفان سے کانپنے لگتا ہو؟

میری دانشمندی، میری بے لگام دانشمندی سمندر میں اسی طرح اُڑتی ہوئی چلتی ہو جس طرح کہ بادبان، یعنی روح کے طوفان سے کانپتی ہوئی۔

مگر اے خادمانِ قوم، اے مشہور و معروف دانشمندو، تم میرے ساتھ کیوں کر چل سکتے ہو!

یہ تھی تقریر زردشت کی۔

سرودِ شب

رات ہو گئی ہو۔ اب تمام اُبلتے ہوئے چشموں کی آواز زیادہ زور سے سنائی دیتی ہو۔ اور میری روح بھی ایک اُبلتا ہوا چشمہ ہو۔

رات ہو گئی ہو۔ اسی وقت چاہنے والوں کے سارے گیت جاگ اٹھتے ہیں اور میری روح بھی کسی چاہنے والے کا گیت ہو۔

میرے اندر کوئی تسکین نا شدہ اور ناقابلِ تسکین چیز ہو۔ وہ گویا ہونا چاہتی ہو۔

میرے اندر آرزوے محبت ہو۔ وہ خود محبت کی زبان میں باتیں کرنا چاہتی ہو۔

میں نور ہوں۔ آہ، کاش کے میں رات ہوتا! مگر یہی تو میری تنہائی کی دلیل ہو کہ میرے چاروں طرف نور محیط ہو۔

ہاے، کاش کے میں تاریک ہوتا اور شب تار! ورنہ میں نور کے سینے سے کس طرح دودھ پی سکتا تھا!

اور میں خود تم کو بھی دعا دینا چاہتا تھا، اے ملاے اعلیٰ کے چمکتے ہوئے تارو اور جگنو! اور تمھارے نور کے تحفے سے مسرور ہونا چاہتا تھا۔

مگر میں خود اپنے نور میں زندگی بسر کرتا ہوں۔ جو شعلے مجھ سے پھوٹ کر نکلتے ہیں ان کو میں پی جاتا ہوں۔

لینے والے کی خوش وقتی کی مجھے خبر نہیں۔ اور اکثر میں نے خواب میں دیکھا ہو کہ چوری کرنا لینے سے بھی زیادہ مسرت انگیز ہو۔

یہ میری غربت کی دلیل ہو کہ میرا ہاتھ کبھی بخشش کرنے سے رکتا نہیں۔ یہ میرے رشک کی دلیل ہو کہ میں منتظر آنکھیں دیکھتا ہوں اور تمنا کی روشن راتیں۔

ہائے بخشش کرنے والوں کی نامبارکی! ہائے میرے سورج کا گرہن! ہائے خواہش کی ہوا و ہوس! ہائے سیری میں بھوک کی شدت!

وہ مجھ سے لیتے ہیں۔ مگر کیا ابھی تک میں ان کی روح کو چھو سکا ہوں؟ دینے اور لینے کے درمیان ایک بڑا خندق حائل ہو۔ اور سب سے چھوٹے خندق پر سب کے بعد پل ڈالا جاتا ہو۔

میری خوب صورتی کی وجہ سے مجھ میں ایک بھوک پیدا ہو رہی ہو۔ جن کو میں نے نور پہنچایا ہو ان کو میں ایذا پہنچانا چاہتا ہوں۔ جن کے ساتھ میں نے بخشش کی ہو ان کو میں لوٹ لینا چاہتا ہوں۔ اس طرح سے مجھ میں برائی کی بھوک جوش زن ہو۔

ہاتھ کھینچ لینا جب دوسرا ہاتھ اس کی طرف بڑھے، پس و پیش کرنا آبشار کی طرح جو گرتے وقت بھی پس و پیش کرتی ہو: اس طرح سے مجھ میں برائی کی بھوک جوش زن ہو۔

میری افراط اس قسم کا بدلہ سوچ نکالتی ہو۔ اس قسم کا فتنہ و فساد میری تنہائی سے ابل نکلتا ہو۔

میری بخشش کی خوش وقتی کا گلا خود بخشش نے گھونٹ ڈالا ہو میری نیکی اپنی افراط کی وجہ سے خود اپنے آپ سے اکتا گئی ہو۔

جو ہمیشہ بخشش کرتا ہو اس کے لیے یہ خطرہ ہو کہ کہیں اس کی شرم زائل نہ ہو جائے۔
جو ہمیشہ تقسیم کرتا ہو اس کے ہاتھ اور دل میں تقسیم کرتے کرتے گھٹے پڑ جاتے ہیں۔
سائلوں کی شرم کی وجہ سے اب میری آنکھوں میں آنسو نہیں ڈبڈباتے۔ میرے
ہاتھ اب ایسے سخت ہو گئے ہیں کہ وہ بھرے ہوئے ہاتھوں کی طرح کانپتے ہیں۔
کہاں چلے گئے میری آنکھوں کے آنسو اور میرے دل کے رونگٹے؟ ہائے بخشش
کرنے والوں کی تنہائی! ہائے روشنی پہنچانے والوں کی خاموشی!
ویران فضا میں بے شمار سورج چکر لگاتے ہیں۔ ہر تاریک چیز کے ساتھ وہ زبانِ نور
سے گفتگو کرتے ہیں۔ مگر میرے آگے وہ سب چپ ہیں۔
ہائے، یہ دشمنی ہو جو نور کو ہر نورانی چیز سے ہوتی ہو۔ وہ نور بے دردی کے ساتھ
بر سرِ راہ ہوتا ہو۔
ہر نورانی چیز کے ساتھ دل سے ناانصافی، سورجوں کے خلاف سرد مہری:
یہ ہو رفتار ہر سورج کی۔
سورج آندھی کی طرح اپنے راستے طے کرتے ہیں، یہ ہو ان کی رفتار۔ وہ اپنے
بے رحم ارادے کی پیروی کرتے ہیں، یہ ہو ان کی سرد مہری۔
اے تاریک اور شب تار لوگو، ہاں تمھیں ہو نہ جو منوّر چیز سے گرمی پیدا کرتے ہو!
تمھیں ہو نہ جو نور کے تھنوں سے دودھ اور مفرّحات پیتے ہو!
آہ، میرے گرد برف ہی برف ہو۔ میرا ہاتھ برف سے جلنے لگا ہو۔ آہ، میرے
اندر پیاس ہو۔ وہ بے چین ہو تمھاری پیاس کے لیے۔
رات ہو گئی ہو۔ افسوس ہو کہ مجھے نور بننا پڑتا ہو اور شب تار لوگوں کے لیے
پیاس! اور تنہائی!
رات ہو گئی ہو۔ میرا اشتیاق فوّارے کی طرح مجھ سے پھوٹ کر نکل رہا ہو۔

مجھے اشتیاق ہی باتیں کرنے کا۔

رات ہو گئی ہی۔ اب تمام اُبلتے ہوئے چشموں کی آواز زیادہ زور سے سنائی دیتی ہی۔
اور میری روح بھی ایک اُبلتا ہوا چشمہ ہی۔

رات ہو گئی ہی۔ اسی وقت چاہنے والوں کے سارے گیت جاگ اٹھتے ہیں۔
اور میری روح بھی کسی چاہنے والے کا گیت ہی۔

یہ تھا گیت زَردُشت کا۔

سَرودِ رَقص

ایک زور شام کو زردُشت اپنے چیلوں کے ساتھ جنگل میں ہو کر گزرا۔ اور وہ ایک چشمے کی تلاش میں تھا کہ ایک سبزہ زار پر آپہنچا جس کے چاروں طرف درخت اور جھاڑیاں چپ چاپ استادہ تھیں۔ اور اس سبزہ زار پر نوجوان لڑکیاں باہم ناچ رہی تھیں۔ جوں ہی لڑکیوں نے زردُشت کو پہچانا انھوں نے ناچ بند کر دیا۔ لیکن زردُشت خندہ پیشانی سے ان کے پاس آیا اور یہ کہنے لگا:

"ناچ کو بند مت کرو، اے پیاری لڑکیو! میں جو تمھارے پاس آیا ہوں تو کھیل بگاڑنے والا بن کر نہیں آیا جو تیوری چڑھائے رہتا ہی اور نہ لڑکیوں سے نفرت کرنے والا بن کر آیا ہوں۔

میں خدا کا شفیع ہوں شیطان کے دربار میں۔ لیکن وہ روح ہی بھاری پن کی۔ یہ کیوں کر ہو سکتا ہی، اے سبک رفتارو، کہ میں خدائی رقص سے نفرت کروں؟ یا لڑکیوں کے خوب صورت ٹخنے والے پانووں سے؟

یہ ٹھیک ہی کہ میں ایک جنگل ہوں اور تاریک درختوں کی رات۔ لیکن جو میری تاریکی سے خوف نہیں کھاتا اسے میرے سرو کے درختوں کے نیچے گلاب کے جھاڑ مل جاتے ہیں۔

اور وہ چھوٹا موٹا خدا بھی مل جاتا ہی جو لڑکیوں کو سب سے زیادہ پیارا ہی۔ دیکھو وہ
چشمے کے پاس چپ چاپ آنکھیں بند کیے ہوئے پڑا ہی۔
واقعی وہ کام چور دن دہاڑے سو گیا۔ کیا اس نے تتلیوں کا بہت زیادہ پیچھا کیا ہی؟
ای حسین ناچنے والیو، مجھ سے ناراض نہ ہونا اگر اس چھوٹے موٹے خدا کی میں سرزنش
کروں! چلائے اور روئے گا تو وہ ضرور لیکن اس کا رونا ایسا ہی کہ اس پر ہنسی آتی ہی۔
اور میں اسے اس بات پر مجبور کروں گا کہ وہ آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں
کے ساتھ تمھارے ساتھ ناچنے کی درخواست کرے اور اس کے رقص کی ہمراہی میں خود
ایک گیت سے کروں گا،
ایک سرودِ رقص اور ایسے گیت سے جس میں مذاق اڑایا جائے بھاری پن کی
روح کا جو میرا اعلیٰ ترین اور قوی ترین شیطان ہی اور جس کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ وہ
'آقاے عالم' ہی"۔
یہ ہی وہ گیت جس کو زردشت نے گایا جب کہ راجہ اندر اور لڑکیاں باہم ناچ
رہی تھیں:
ابھی کل کی بات ہی کہ میں نے، ای زندگی، تجھ سے چار آنکھیں کیں۔ اور مجھے
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں بے تھاہ گڑھے میں ڈوبا ہوا چلا جاتا ہوں۔
لیکن تو نے سنہرا کانٹا ڈال کر مجھے باہر نکال لیا۔ اور جب میں نے کہا کہ تو بے تھاہ
ہی تو تو نے میرا سخت مذاق اُڑایا۔
تو نے کہا: "تمام مچھلیاں یہی کہتی ہیں۔ جس کی تھاہ کو وہ نہیں پہنچتیں وہ بے تھاہ
مگر میں تو محض متلوّن المزاج ہوں اور بدلگام اور ہر حیثیت سے عورت ذات، اور
عورت بھی وہ جو نیک بخت نہ ہو،
خواہ میرا نام تم مردوں کے نزدیک "گہرائی" پڑ گیا ہو یا "وفاداری"

یا "ہمیشگی" یا "معمّا"

تاہم اے مردو، تم اپنے اوصاف حمیدہ ہم پر سے نثار کرتے ہو، آہ، اے اوصاف حمیدہ والو!"

اس طرح وہ ہنسی اڑاتی تھی، وہ بیسوا۔ لیکن جب وہ خود اپنی برائی کرتی ہے تو مجھے نہ اس کا اعتبار آتا ہے اور نہ اس کی ہنسی کا۔

اور جب میں نے دو بدو ہو کر اپنی بدلگام دانشمندی سے گفتگو کی تو اس نے طیش میں آکر کہا: "تو ارادہ رکھتا ہے، تجھے شوق ہے، تو پیار کرتا ہے، محض انھیں وجہوں سے تُو زندگی کی تعریف کرتا ہے!"

قریب تھا کہ میں اسے تُرکی بہ تُرکی جواب دیتا اور اس طیش خوردہ کا ناطقہ بند کر دیتا۔ اور اس سے زیادہ ترکی بہ ترکی جواب نہیں دیا جا سکتا کہ اپنی دانشمندی کا "ناطقہ بند کر دیا جائے"۔

یہی حال ہے ہم تینوں کا۔ دل سے تو میں زندگی ہی کو پیار کرتا ہوں۔ اور درحقیقت سب سے زیادہ اس وقت جب میں اس سے نفرت کرتا ہوں۔

مگر میرا دانشمندی کو چاہنا اور اکثر بہت زیادہ چاہنا اس وجہ سے ہے کہ اسے دیکھ کر مجھے زندگی بہت یاد آتی ہے۔

دونوں کی آنکھیں ایک سی ہیں، ہنسنا ایک سا ہے، یہاں تک کہ دونوں کی سنہری بنسیاں ایک سی ہیں۔ اس میں میرا کیا قصور ہے کہ دونوں میں اس قدر مشابہت ہے۔

اور ایک بار جب زندگی نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا: "یہ ہے کون جس کو تم دانشمندی کہتے ہو؟" تو میں نے گھبرا کر یہ جواب دیا: "ارے ہاں! دانشمندی نہ!

لوگوں کو اس کی آرزو رہتی ہے اور وہ پوری نہیں ہوتی۔ وہ پسِ نقاب اس کا نظارہ کرتے ہیں۔ وہ جالوں کے ذریعے سے اسے پکڑنا چاہتے ہیں۔

کیا وہ خوب صورت ہی؟ میں کیا جانوں! مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ اب تک پرانی سے
پرانی مچھلیوں کے پھانسنے کے لیے یہی لطور چارے کے استعمال کی جاتی ہی۔
وہ متلون المزاج ہی اور ضدی ہی۔ میں نے اکثر اسے خود اپنا ہونٹھ کاٹتے ہوئے
اور الٹی کنگھی کرتے ہوئے دیکھا ہی۔
شاید وہ بدمزاج اور بے وفا ہوگی، اور ہر حیثیت سے رنڈی۔ مگر جب وہ
اپنی بُرائی کرتی ہی تو اسی وقت وہ دلوں کو سب سے زیادہ لبھاتی ہی"
جب یہ میں نے زندگی سے کہا تو وہ کھسیانی ہوکر ہنسنے لگی اور اس نے آنکھیں
بند کرلیں اور کہنے لگی: " تو کس کا ذکر کر رہا ہی، میرا تو نہیں؟
اور مانا کہ تیرا کہنا ٹھیک ہی، مگر بھلا کوئی اس طرح میرے مُنہ پر کہتا ہی! مگر اب
اپنی دانشمندی کا بھی تو ذکر کر!"
آہ ای محبوب زندگی، اب تو نے پھر اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اور پھر مجھے یہ
معلوم ہوتا ہی کہ گویا میں بے تھاہ گڑھے میں ڈوبا ہوا چلا جاتا ہوں۔
یہ تھا گیت زرُدشت کا۔ لیکن جب ناچ ختم ہوگیا اور لڑکیاں چلی گئیں تو وہ
افسردہ ہوگیا۔
بالآخر وہ یوں کہنے لگا: " سورج کو ڈوبے ہوئے دیر ہوچکی ہی۔ سبزہ زار مرطوب
ہوگیا ہی۔ جنگل کی طرف سے خنکی آرہی ہی۔
کوئی غیرمانوس چیز میرے ساتھ ساتھ لگی ہوئی ہی اور غور سے دیکھ رہی ہی۔ اے!
کیا زرُدشت اب تک زندہ ہی؟
کیوں؟ کس لیے؟ کس سبب سے؟ کدھر؟ کہاں؟ کس طرح؟
کیا اب تک زندہ رہنا حماقت نہیں؟
آہ میرے دوستو، یہ خود شام ہی جو میرے اندر سے سوال کرتی ہی۔ میں اپنی

افسردگی کی معافی چاہتا ہوں۔

شام ہوگئی ہی۔ مجھے معاف کرو کہ شام ہوگئی "۔

یہ تھی تقریر زردُشت کی۔

نغمۂ لحد

دیکھو وہ قبرستانی جزیرہ ہی، خاموش۔ اس میں میری جوانی کی بھی قبریں ہیں۔ اُن پر میں زندگی کا ہمیشہ سرسبز رہنے والا ہار چڑھانے جا رہا ہوں۔

دل میں یہ ارادہ کرکے میں نے ناؤ سمندر میں ڈال دی۔

ای میری جوانی کے چہرو اور احوال! ای محبّت کی تمام نگاہو اور ای خدائی لمحو! تم اتنی جلد کیوں کر مر گئے! آج میں تمھاری یاد میں اس طرح مشغول ہوں جیسے مُردوں کی یاد میں۔

تمھاری طرف سے، جو تم میرے سب سے زیادہ پیارے مُردے ہو، مجھے ایک ایسی بھینی بھینی خوشبو آرہی ہی جس سے دل پاش پاش ہوا جاتا ہی اور آنسو بہنے لگتے ہیں۔ واقعی وہ تنہا کشتی سوار کا دل ہلا دیتا ہی اور پاش پاش کر دیتا ہی۔

ابھی تک میں تنہا ترین ہی امیر ترین اور قابل ترینِ رشک ہوں۔ کیوں کہ ایک وقت میں تم میرے تھے اور میں اب بھی تمھارا ہوں۔ تمھیں کہو کہ میری طرح کس کے آغوش میں ایسے گلابی سیب درخت سے آکر گریں گے؟

ای میرے پیارے سے پیارو، ابھی تک میں تمھاری محبّت کا وارث اور سلطنت دنیاوی ہوں اور تمھاری یاد میں طرح طرح کے خود رو اوصاف حمیدہ سے پھل پھول رہا ہوں۔

آہ، ہم اس لیے بنائے گئے تھے کہ باہم رہیں، ای پیارے بدیسی اچنبھو! اور

تم میرے اور میرے اشتیاق کے پاس اس طرح سے نہیں آتے تھے جیسے کہ ڈرپوک چڑیا آتی ہے۔ ہرگز نہیں، بلکہ اس طرح جیسے کوئی مانوس مانوس کے پاس آتا ہے۔

ہاں اے خدائی نگاہو اور لمحو، تم بھی میری طرح وفاداری اور مزے دار ہمیشگیوں کے لیے بنائے گئے تھے۔ مگر میں اب مجبور ہوں کہ تمھاری بے وفائی کی بنا پر تمھارا نام رکھوں۔ اور کوئی دوسرا نام ابھی تک میں نے سیکھا نہیں۔

واقعی اے بھگوڑو، تم بہت جلد چل بسے۔ تاہم نہ تم مجھ سے بھاگے اور نہ میں تم سے اپنی بے وفائی میں ہم ایک دوسرے کے قصوروار نہیں۔

لوگوں نے مجھے مارنے کے لیے تمھارا گلا گھونٹ دیا، اے میری امیدوں کی چہچہاتی ہوئی چڑیو! ہاں اے میرے سب سے زیادہ پیارو، بدی نے ہمیشہ تم پر تیر چلائے تاکہ وہ میرے دل پر آ کر لگیں۔

اور بدی کا نشانہ پڑ گیا۔ تم میرے دل ربا تو تھے ہی اور میرے مملوک اور مالک۔ اسی لیے تمھیں جواں مرگ ہونا پڑا اور وہ بھی اوائل شباب میں۔

جو چیز میرے پاس سب سے زیادہ جراحت پذیر تھی اسی پر تیر چلایا گیا۔ اور وہ چیز تم تھے۔ اور تمھاری کھال رُؤیں سے مشابہت رکھتی ہے، اور اس سے بھی زیادہ مسکراہٹ سے جس کے خاتمے کے لیے ایک نگاہ کافی ہے۔

مگر میں اپنے دشمنوں سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں: جو تم نے میرے ساتھ کیا اس کے مقابلے میں انسان کُشی کی کیا حقیقت ہے!

تم نے میرے ساتھ وہ کیا ہے جو ساری انسان کشی سے بدتر ہے۔ تم نے مجھ سے وہ چیز چھین لی ہے جو کبھی واپس نہیں آ سکتی: یہ میرا کہنا ہے تم سے، اے میرے دشمنو!

تم ہی نے میری جوانی کے تصورات اور سب سے پیارے اعجوبوں کو مار ڈالا ہے۔ تم نے میرے ہمجولیوں کو مجھ سے جدا کر دیا ہے یعنی مبارک جیوں کو۔ انھیں کی یاد میں میں

یہ بار اور بد دعا چڑھاتا ہوں،

یہ بد دعا تمھارے لیے، اے میرے دشمنو! تم ہی نے تو میری ہمیشگی کو چھوٹا کر دیا ہی جس طرح سے کہ سرد رات میں سُر ٹوٹ جاتا ہی۔ وہ ہمیشگی مجھے مشکل سے خدائی آنکھوں کی چشم زدن کی طرح معلوم ہوتی ہی، لمحے کی طرح۔

ایک بار جب کسی نیک ساعت پہ میری پاکی نے یہ کہا تھا: "تمام کائنات میرے نزدیک خدائی ہی" تو گندے بھوتوں کو لے کر تم نے میرے اوپر چڑھائی کر دی تھی۔ ہای، وہ نیک ساعت اب کیا ہو گئی!

کبھی میری جوانی کی دانشمندی یوں گویا ہوا کرتی تھی: "تمام دلوں کو میں قابل احترام سمجھتی ہوں"۔ واقعی یہ ایک خوش و خرّم دانشمندی کی تقریر تھی۔

مگر اس کے بعد ہی تم دشمنوں نے میری راتیں چرالیں اور ان کو بے خوابی کی تکالیف کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ ہاے، اب وہ خوش و خرّم دانشمندی کہاں چل بسی؟

ایک بار مجھے فالِ نیک کی آرزو ہوئی تھی۔ تو اس وقت تم نے ایک منحوس اُلّو کو میرے راستے میں لا کھڑا کیا تھا، فالِ بد۔ ہاے، اس وقت میری نیازمندانہ آرزو کا کیا حشر ہوا؟

میں نے ایک بار قسم کھائی تھی کہ کسی مبتذل چیز کے پاس نہ پھٹکوں گا۔ تو اس وقت تم نے میری ساری قریب اور قریب تر چیزوں کو پیپ کے پھوڑوں میں مبدّل کر دیا تھا۔ ہاے، پھر میری غیور ترین قسم کا کیا حشر ہوا؟

ایک بار میں اندھوں کی طرح اطمینان بخش راستوں پر چلا کرتا تھا۔ تو تم نے اندھے کی راہ میں غلاظت ڈال دی۔ اب اسے اس پرانے نابینائی کے وقت کے راستے سے متلی آتی ہی۔

اور جب میں نے اپنا دشوار ترین کام انجام کو پہنچایا اور اپنی کامیابی پر خوشی

منانے لگا تو تم نے اُن لوگوں کو جو مجھ سے محبّت رکھتے تھے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ
غل مچانا شروع کر دیں گویا کہ میں ان کو بے حد ایذا پہنچا رہا ہوں۔
سچ ہو کہ تم ہمیشہ یوں ہی کرتے چلے آئے ہو۔ تم نے میرے بہترین شہد کو جو
میری بہترین شہد کی مکھیوں کی محنت و مشقّت کا نتیجہ ہو حنظل بنا دیا ہو۔
میری داد و دہش کے پاس تم نے ہمیشہ پاجی سے پاجی فقیر بھیجے ہیں۔ میری
ہمدردی کے ارد گرد تم نے ہمیشہ ناقابل اصلاح بے حیاؤں کو لگا رکھا ہو۔ اس طرح
سے تم نے میری نیکی کے اعتقاد پر زخمِ کاری لگایا ہو۔
اور جب میں اپنی پاک سے پاک چیز کو قربانی کے لیے رکھتا تھا تو تمھاری
"پاک بازی" اس سے زیادہ چربی دار تحفے اس کے برابر میں لاکر رکھ دیتی تھی، یہاں تک
کہ تمھارے چربی دار تحفے کی بھاپ سے میری پاک سے پاک چیز کا دم گھٹنے لگتا تھا۔
ایک بار جب کہ میں اس طرح سے ناچنا چاہتا تھا جیسا کہ اب تک کبھی نہیں ناچا ہوں
میں چاہتا تھا کہ ناچتا ہوا سارے آسمانوں سے گزر جاؤں، تو تم نے میرے سب سے
زیادہ پیارے گویّے کو پھسلا لیا،
اور وہ ایک کریہہ اور بھدّا سر بجانے لگا۔ ہائے، وہ میرے کانوں میں ایک
کرخت بگل کی طرح شور مچانے لگا۔
اے خونی گویّے، بدی کے آلے، معصوم ترین شخص! میں بہترین ناچ کے لیے
تیار کھڑا ہی تھا کہ تو نے اپنے سُروں سے میری امنگوں کا خون کر ڈالا۔
محض ناچنے کے وقت میں اعلیٰ ترین چیزوں کی تشبیہہ بیان کرسکتا ہوں۔ اب
میری اعلیٰ ترین تشبیہہ رُک کر جسم کے اندر رہ گئی ہو۔
اپنی اعلیٰ ترین امید کا نہ میں اظہار کرسکا نہ حل۔ اور میری جوانی کے سارے تصورات
اور دلاسے مُردہ ہوکر رہ گئے ہیں۔

میں اس کو بھلا کس طرح برداشت کروں ؟ اب میں ان زخموں کو کس کام لاؤں
اور ان سے کیوں کر چھٹکارا پاؤں ؟ میری روح ان قبروں سے دوبارہ کیوں کر اٹھے ؟
ہاں میرے پاس ایک چیز ہے جو زخم کھانے اور دفن ہونے سے بری ہے، ایک پہاڑوں
کو اڑا دینے والی چیز۔ وہ میرا عزم ہے۔ وہ زمانے میں سے ہو کر چپ چاپ اور نامتغیّر
گزر رہا ہے۔

وہ میرے قدموں سے اپنی چال چلنا چاہتا ہے، میرا پرانا عزم۔ اس کی ضد
سخت دل اور ناقابلِ جراحت ہے۔

ناقابلِ جراحت فقط میری ایڑی ہے۔ اب تک تو اسی میں قیام پذیر ہے اور خود
اپنا جواب ہے، اے سب سے زیادہ صبر کرنے والے! اب تک تو ہر قبر کو توڑ کر نکل آیا ہے۔
اب تک تجھ میں میری جوانی کے حل نا شدہ معمّے موجود ہیں۔ اور بہ حیثیت زندگی
اور جوانی کے تو یہاں اب تک قبر کے زرد کھنڈروں پر امید لگائے بیٹھا ہوا ہے۔
ہاں، میرے نزدیک تجھ میں اب تک تمام قبروں کو ڈھا دینے کی قابلیت موجود ہے
زندہ باد، اے میرے عزم! اور جہاں قبریں ہوتی ہیں وہیں لوگ زندہ ہو کر اٹھ سکتے ہیں۔
یہ تھا گیت زردشت کا۔

اپنے سے گزر جانا

اے دانا ترین لوگو، کیا تم نے اس چیز کا نام "سچائی کا عزم" رکھ چھوڑا ہے جو
تمھیں آمادۂ کار کرتی ہے اور جوش میں لاتی ہے ؟

لیکن میں نے تمھارے عزم کا نام یہ رکھا ہے: تمام موجودات کو قرینِ قیاس
بنانے کا اِرادہ۔

تمام موجودات کو پہلے تم قرینِ قیاس بنانا چاہتے ہو۔ کیوں کہ تم مناسب شبہے

کے ساتھ شک کرتے ہو کہ آیا وہ قرینِ قیاس ہے کہ نہیں۔

لیکن اسے چاہیے کہ اپنے آپ کو توڑ مروڑ کر تمھارے خیال کے اندر سما جائے۔ یہ ہے منشا تمھارے عزم کا۔ مسطح ہو کر اسے روح کی فرماں برداری اس طرح کرنی چاہیے کہ گویا وہ اس کا آئینہ اور تصویرِ عکسی ہے۔

اور اے دانا ترین لوگو، یہ تمھارے عزمِ تحصیلِ قوت کا لبّ لباب، نیز اس حالت میں جب کہ تم نیکی اور بدی کا ذکر کرتے ہو اور قیمتیات کے مقرّر کرنے کا۔

تم ابھی اس دنیا کو پیدا کرنا چاہتے ہو جس کے آگے تم سجدہ کرو۔ یہ ہے تمھاری انتہائی امید اور نشہ۔

نادان لوگ یعنی قوم واقعی ایک ندی کے مانند ہیں جس پر ایک ناؤ تیر رہی ہو۔ اور ناؤ میں مقرّر شدہ قیمتیات بنی سنوری اور اُوڑھے لپٹے بیٹھی ہوں۔

اپنے عزم اور اپنی قیمتیات کو تم نے ہونے والی ندی پر چھوڑ رکھا ہے۔ قوم جس کو نیک و بد خیال کرتی ہے وہ مجھے وہی پرانا تحصیلِ قوت کا عزم معلوم ہوتا ہے۔

تم ہی تو تھے، اے دانا ترین لوگو، جنھوں نے ان مسافروں کو اس ناؤ میں بٹھلایا اور ان کو زرق برق بنایا اور بڑے بڑے نام دیئے، تم نے اور تمھارے حکمران عزم نے۔

اب ندی تمھاری ناؤ کو بہائے لیے چلی جا رہی ہے۔ وہ اس کا بوجھ اٹھانے پر مجبور ہے۔ اس کی پروا نہیں کہ ٹکرانے والی موج میں جھاگ اٹھ رہا ہے اور وہ ناؤ پر تھپیڑے مار رہی ہے۔

تمھارے لیے باعثِ خطر اور تمھارے نیک و بد کی سدرۃ المنتہیٰ ندی نہیں ہے، اے دانا ترین لوگو، بلکہ خود وہ عزم، تحصیلِ اقتدار کا عزم، ختم نہ ہونے والا اور خلق کرنے والا عزمِ زندگی۔

مگر اس لیے کہ تم نیک و بد کے متعلق میری بات سمجھو میں تم سے زندگی کے متعلق بھی بیان کرنا چاہتا ہوں اور ہر جان دار کی فطرت کے متعلق بھی۔

جان داروں کا میں نے پیچھا کیا ہو اور ان کی فطرت سمجھنے کے لیے میں بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے راستوں پر چلا ہوں۔

جب ان کا منہ بند تھا تو میں نے سَو گُنی طاقت والے آئینے میں ان کی نظروں کا عکس لیا تاکہ ان کی آنکھیں مجھ سے باتیں کریں۔ اور ان کی آنکھوں نے واقعی مجھ سے باتیں کیں۔

مگر جہاں کہیں بھی میں نے کسی جان دار کو پایا وہاں فرماں برداری ہی کی گفتگو سنی۔ تمام جان دار بے حد فرماں بردار ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہو: حکم اس کو دیا جاتا ہو جو خود اپنا حکم نہیں مانتا۔ جانداروں کی یہی فطرت ہو۔

اور تیسری بات جو میں نے سنی یہ تھی: حکم دینا زیادہ مشکل ہو بہ نسبت حکم ماننے کے اور یہی نہیں کہ حکم دینے والا سارے حکم ماننے والوں کا بوجھ اٹھاتا ہو اور یہ بوجھ اس کو بآسانی کچل ڈالتا ہو،

بلکہ ہر حکم دینے میں مجھے ایک سعی اور بڑی مردانگی کا کام معلوم ہوتا ہو۔ اور جب کبھی کوئی جان دار حکم دیتا ہو تو وہ خود اپنے آپ کو بڑے خطرے میں ڈالتا ہو۔

ہاں، ایک بات اور بھی ہو۔ جب وہ خود اپنے آپ کو حکم دیتا ہو تو اس وقت بھی اسے اپنے حکم دینے کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہو۔ اسے خود اپنی شریعت کا قاضی اور بدلہ لینے والا اور قربانی بننا پڑتا ہو۔

مگر یہ ہوتا کس طرح ہو! یہی میں نے ایک بار اپنے دل سے سوال کیا تھا۔ کون سی چیز جان دار کو اس بات پر آمادہ کرتی ہو کہ وہ حکم مانے اور حکم چلائے اور حکم چلاتے

وقت فرماں بردار رہے۔

اب میری بات سنو، اے دانا ترین لوگو، اس کو غور سے جانچو کہ آیا میں خود زندگی کے دل میں گھس گیا اور اس کی جڑ تک بیٹھ گیا ہوں!

جہاں کہیں میں نے جان دار کو دیکھا وہاں عزمِ اقتدار کو بھی پایا۔ اور خادم کے عزم میں بھی میں نے آقا بننے کے عزم کو محسوس کیا۔

ضعیف کا عزم اسے اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ قوی کی خدمت کرے، وہی عزم جو اپنے سے ضعیف پر آقا بن کر رہنا چاہتا ہے۔ اس مسرت سے وہ دست بردار ہونا نہیں چاہتا۔

اور جس طرح کہ چھوٹا اپنے بڑے کی اطاعت کرتا ہے تاکہ اسے سب سے چھوٹے پر مسرت اور حکومت حاصل ہو اسی طرح سب سے بڑا بھی اطاعت کرتا ہے اور حکومت حاصل کرنے کے لیے اپنی جان پر کھیل جاتا ہے۔

یہی اطاعت ہے سب سے بڑے کی کہ وہ سرتاپا تہوّر ہو جاتا ہے، اور خطرہ، اور موت کا پانسا۔

اور جہاں قربانیاں اور خدمتیں اور محبت بھری نظریں ہیں وہیں آقا بننے کا عزم بھی ہے۔ کم زور چھپ کر قلعے میں داخل ہوتا ہے اور زبردست کے دل کے اندر گھس جاتا ہے اور وہاں پہنچ کر حکومت کو چرا لیتا ہے۔

اور یہ راز خود زندگی نے مجھے بتایا تھا۔ اس نے کہا تھا: "دیکھ، میں وہ چیز ہوں جسے ہمیشہ خود اپنے سے گزر جانا چاہیے۔

"یہ ضرور ہے کہ تم نے اس کا نام رکھا ہے تولید کا عزم، یا کشش بسوئے مقصد، بسوئے بلند تر و دور تر و اکثریت پذیر تر۔ لیکن یہ سب ایک چیز ہے اور رازِ واحد۔

"میں فنا ہو جانے کو اس واحد سے قطع تعلق کرنے پر ترجیح دیتی ہوں۔ اور سچ ہے

کہ جہاں ہلاکت ہوتی ہے اور پت جھاڑ دیں زندگی حکومت حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو قربان کر دیتی ہے۔

"کیا مجھے جنگ ہونا چاہیے اور ایک مستقبل شو اور ایک مقصد اور ضدِ مقاصد؟ آہ، جو میرے عزم کی کُنہ کو پہنچ گیا ہے اس پر یہ بات بھی کھل گئی ہے کہ اسے کیسے ٹیڑھے بیڑھے راستوں پر چلنا پڑا ہے۔

"میں خواہ کچھ ہی پیدا کروں اور اسے خواہ کسی طرح سے پیار کروں، میں فوراً اس کی اور اپنی محبّت کی دشمن بن جاتی ہوں۔ یہ منشا ہے میرے عزم کا۔

"اور اے صاحبِ معرفت، تو بھی میرے عزم کی ایک پک ڈنڈی ہے اور اس کا نقشِ قدم۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا عزم قوّت تیرے عزمِ صداقت کے پانو کے بل بھی چلتا ہے۔

"وہ شخص کبھی سچائی کو نہیں پا سکتا جس نے اس کو "عزمِ حیات" کا نشانہ بنایا ایسے کسی عزم کا وجود ہی نہیں۔

"کیوں کہ جس چیز کا وجود نہیں اس کا عزم کہاں سے آیا! لیکن جو چیز جان دار ہے وہ پھر کس طرح عزمِ حیات رکھ سکتی ہے!

"جہاں جان ہے بس وہیں عزم بھی ہے، لیکن عزمِ حیات نہیں بلکہ، یہ میری تعلیم یاد رکھو، عزمِ اقتدار۔

"جان دار بہت سی چیزوں کی جان سے بڑھ کر قدر و منزلت کرتا ہے۔ پھر بھی عزمِ قوّت خود اس قدر و منزلت سے عیاں ہے۔"

یہ تھی تعلیم جو ایک بار زندگی نے مجھے دی۔ اور اسی سے، اے دانا ترین لوگو ہیں تمھارے دل کا معمّا بھی حل کرتا ہوں۔

واقعی میں تم سے یہ کہتا ہوں: ایسے نیک و بد کا وجود نہیں جو ابدی ہوں۔ انھیں اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ بار بار خود اپنے سے گزرتے رہیں۔

تم اپنی قیمتیات اور نیک و بد کے کلموں سے حکومت کرتے ہو، اے قیمتیات مقرّر کرنے
والو! اور یہی تمھاری پوشیدہ محبّت ہو اور تمھاری روح کی رونق اور لرزہ اور اُبال۔
لیکن تمھاری قیمتیات میں سے ایک قوی تر چیز پیدا ہو رہی ہو اور ایک نیا عبور۔
وہ انڈے اور انڈے کے چھلکے دونوں کو توڑ کر رکھ دے گی۔
اور واقعی جو شخص نیک و بد میں نئی ایجاد کرنا چاہتا ہو اسے چاہتے کہ پہلے توڑنے
والا بنے اور قیمتیات کو پارہ پارہ کر ڈالے۔
اس طرح سے بڑی سے بڑی بدی اور بڑی سے بڑی نیکی ایک دوسرے سے
مل جاتی ہیں۔ لیکن یہ نیکی خلق کرنے والی نیکی ہو۔
آؤ، اے دانا ترین لوگو، اب ہم اس بات پر بحث کریں کہ آیا اس وجہ سے وہ
بدی بُری چیز ہو گئی۔ خاموشی اس سے زیادہ بُری چیز ہو۔ ہر وہ سچائی جو ظاہر نہیں
کی جاتی زہریلی ہو جاتی ہو۔
اور اگرچہ وہ تمام چیزیں منہدم ہی کیوں نہ ہو جائیں جو ہماری سچّی تعلیم سے منہدم
ہو سکتی ہیں تاہم بہت سے مکانات کو تعمیر کرنے کا امکان موجود ہو۔
یہ تھی تقریر زردُشت کی۔

عالیشان لوگ

میرے سمندر کی تھاہ بے حرکت ہو۔ بھلا یہ کس کو خیال ہو سکتا ہو کہ اس کے
اندر مسخرے اژدہے چھپے بیٹھے ہیں۔
میری گہرائی ناقابلِ حرکت ہو۔ لیکن اس میں تیرتے ہوئے معمّے اور قہقہے
چمک رہے ہیں۔
آج میں نے ایک عالی شان شخص کو دیکھا، ایک صالح اور تائبِ روحانی کو

ارے، میری روح اس کی بدصورتی کا کیسا مذاق اڑا رہی تھی!

سینہ ابھارے ہوئے اور ان لوگوں کی طرح جو سانس اندر کی طرف کھینچے ہوئے ہوں: اس حلیے سے وہ کھڑا ہوا تھا، وہ عالی شان شخص، اور خاموش۔

اس کے شکار یعنی بھونڈی سچائیاں اس کے جسم پر آویزاں تھیں اور وہ بہت سے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ کچھ کانٹے بھی اِدھر اُدھر لٹک رہے تھے لیکن ہنوز کوئی گلاب کا پھول نظر نہ آیا تھا۔

ابھی تک نہ اسے خندہ پیشانی کی تعلیم حاصل ہوئی تھی اور نہ حسن کی۔ یہ شکاری معرفت کے جنگل سے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے لوٹا تھا۔

جنگلی جانوروں سے لڑکر وہ گھر واپس آیا تھا۔ لیکن اس کی متانت سے بھی ایک جنگلی جانور عیاں تھا، ایک غیر مفتوح جنگلی جانور۔

وہ ہنوز اس چیتے کی طرح کھڑا ہوا تھا جو چھلانگ مارنے ہی والا ہو۔ مگر یہ کشیدہ روحیں مجھے پسند نہیں۔ یہ الگ تھلگ رہنے والے لوگ میرے مذاق کے نہیں۔

اور اے دوستو، کیا تمھارا یہ مقولہ ہے کہ مذاق اور ذائقے پر جھگڑنا نہ چاہیے؟ مگر ساری زندگی مذاق اور ذائقے پر جھگڑنے ہی کا تو نام ہے۔

مذاق: یہ باٹ بھی ہے اور ترازو بھی اور تولنے والا بھی۔ اور حیف ہے ان جانداروں پر جو بغیر جھگڑے اور باٹ اور ترازو اور تولنے والوں کے زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں!

جب وہ اپنی شانِ عالی سے اکتا جائے گا، یہ عالی شان، تو پھر اس وقت اس کا حسن نکھرے گا اور اس وقت پھر میں اس کو چکھوں گا اور خوش ذائقہ پاؤں گا۔

اور محض اسی وقت جب وہ اپنی آپ سے روگردانی کرے گا۔ اپنی پرچھائیں پر سے چھلانگ مار کر اپنی دھوپ میں جا پہنچے گا۔

وہ مدت دراز سے سائے میں مقیم رہا ہے اور اس تائب روحانی کا چہرہ زرد پڑ گیا

ہی۔ وہ اپنی امیدوں کے آسرے میں قریب قریب بھوکا مر چکا ہی۔
اس کی آنکھوں میں اب تک حقارت پائی جاتی ہی۔ اور اس کے چہرے پر نفرت
پنہاں ہی۔ اس وقت وہ محوِ آسایش ضرور ہی لیکن ہنوز اس کی آسایش نے دھوپ کا مزہ
نہیں چکھا۔
اس کو سانڈ کی نقل اُتارنی چاہیے اور اس کی خوش وقتی میں سے زمین کی خوشبو
آنی چاہیے نہ کہ زمین کی حقارت کی۔
میں اس کو سفید سانڈ کی طرح دیکھنا چاہتا ہوں جو خراٹے لیتا اور ڈکارتا ہوا
ہل کے آگے آگے چل رہا ہو۔ اور اس کی ڈکار سے تمام زمینی چیزوں کی تعریف ٹپک رہی ہو۔
اس کا بشرہ ابھی تک تاریک ہی۔ اس کے ہاتھ کا سایہ اس کے جسم پر ادھر
اُدھر دوڑ رہا ہی۔ اس کی نظروں کا مفہوم بھی ابھی تک سائے میں پوشیدہ ہی۔
جو سایہ اس کے اوپر پڑ رہا ہی وہ خود اسی کا فعل ہی۔ اس کا ہاتھ فاعل کو تاریکی
میں پوشیدہ کیے ہوئے ہی۔ ابھی تک وہ اپنے فعل سے گزرا نہیں۔
اس کی سانڈ کی سی گردن تو مجھے ضرور پسند ہی۔ مگر میں اس میں فرشتے کی سی
آنکھیں بھی اور دیکھنا چاہتا ہوں۔
اسے اپنا سورماؤں کا سا عزم بھی فراموش کر دینا چاہیے۔ اسے محض عالیشان
ہی نہ ہونا چاہیے بلکہ عالی مرتبہ بھی۔ اسے اتنا بے عزم ہو جانا چاہیے کہ خود جوہر
اس کو اٹھالے۔
اس نے اژدہوں کو رام کیا ہی۔ اس نے معمّے حل کیے ہیں۔ لیکن اسے چاہیے
کہ وہ اپنے معمّوں اور اژدہوں کو آزاد بھی کر دے اور ان کو اطفالِ سماوی
میں مبدّل بھی کر دے۔
ابھی تک اس کی معرفت نے خندہ پیشانی ہونا اور حسد سے بری ہونا نہیں

سیکھا ہی۔ ابھی تک اس کی متلاطم ہوا و ہوس نے حسن کے اندر سکوت نہیں اختیار کیا ہی۔
واقعی اس کی خواہش کو سیری کی وجہ سے خاموش ہونا اور ڈوبنا نہیں چاہیے بلکہ حسن کی وجہ سے۔ زیبائی اولوالعزموں کی بلند حوصلگی کا جز ہی۔

ہاتھ سر پر رکھ کر سورما کو آرام کرنا چاہیے اور اسی حالت میں اسے اپنے آرام سے گزر جانا چاہیے۔

لیکن سورما ہی کو تو تمام چیزوں کی خوب صورتی سب سے مشکل معلوم ہوتی ہی۔ حُسن جوش زن عزم کے ہاتھ نہیں لگتا۔

کسی قدر زیادہ یا کسی قدر کم: اتنا ہی یہاں بہت ہی، بلکہ زیادہ سے زیادہ ہی۔
ڈھیلے پٹھوں اور بے کاٹھی کے عزم کے ساتھ کھڑا ہونا: یہ تم سب کے لیے مشکل سے مشکل کام ہی، ای عالی شان لوگو!

جب قوت مہربانی کرکے اتر کر آنکھوں کے سامنے آجائے تو اس اترانے کا نام میں نے حُسن رکھا ہی۔

اور حسن کی تمنّا جتنی میں خاص کر تجھ سے رکھتا ہوں کسی اور سے نہیں رکھتا، ای زبردست! تیری نیکی تیری آخری نفس کُشی ہونی چاہیے۔

میرے نزدیک تجھ میں ہر بدی کا مادّہ موجود ہی۔ اسی لیے میں تجھ سے نیکی کا خواہاں ہوں۔

سچ مچ، ان کم زوروں کا میں نے اکثر مذاق اڑایا ہی جو اپنے آپ کو اس لیے نیک کردار سمجھتے ہیں کہ ان کے پنجے لُولے ہیں۔

تجھے ستون کی طرح نیک بننا چاہیے۔ وہ جتنا بلند ہوتا جاتا ہی اتنا ہی خوب صورت اور نازک۔ لیکن اندر سے سخت تر اور بار کش تر۔

ہاں ای عالی شان شخص، ایک روز آئے گا کہ تو بھی خوب صورت ہو جائے گا

اور خود اپنی خوب صورتی کو آئینہ دکھائے گا۔
اس وقت تیری روح خدائی جذبات کے آگے تھر تھر کانپے گی اور تیرے
غرور میں بھی عبادت پائی جائے گی۔
یہ راز ہو روح کا: جب سورما اس کو ترک کر چکا ہوگا تو اس کے پاس خواب
آئے گا، کون؟ مہا سورما۔
یہ تھی تقریر زردشت کی۔

سرزمینِ تمدّن

میری پروازِ خیال مجھے مستقبل میں بہت آگے لے گئی۔ اور میرا دل دھڑکنے لگا۔
اور جب میں نے آس پاس نظر دوڑائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ زمانے کے سوا
اور کوئی میرا ہم عصر نہیں،
تو وہاں سے میں الٹا گھر کی طرف بھاگا۔ اور ہر قدم پر میری تیز رفتاری
بڑھتی جاتی تھی۔ اس طرح سے اب میں تمھارے پاس پہنچا ہوں، زمانۂ حال والوں
کے پاس، اور سرزمینِ تمدّن میں۔
یہ پہلا موقع ہو کہ میں تمھارے لیے آنکھ بھی ساتھ لیتا آیا ہوں اور تمنائے
خوب بھی۔ واقعی میں دل میں اشتیاق لے کر آیا ہوں۔
لیکن یہاں پہنچ کر میرا کیا حال ہؤا؟ اگرچہ میں بہت ڈر رہا تھا تاہم مجھے ہنسی
آہی گئی۔ میری آنکھوں نے کبھی کوئی ایسی رنگ برنگ دھبّے دار چیز نہیں دیکھی تھی۔
میں ہنستا چلا جاتا تھا اور میرے پاؤ‌ں کانپ رہے تھے اور ان کے ساتھ میرا
دل بھی۔ میں نے کہا: "وہاں یہی تو وطن ہو تمام رنگوں کی ہانڈیوں کا۔"
چہرے اور دوسرے اعضا پر پچاسوں دھبّے لگائے ہوئے تم بیٹھے تھے، جب

سے مجھے بڑا تعجب ہوتا تھا، اے زمانۂ حال والو!

اور تمھارے آس پاس پچاسوں آئینے رکھے ہوئے تھے جو تمھاری رنگ بازی کی چاپلوسی کرتے اور اس کو دہراتے تھے۔

واقعی اے زمانۂ حال والو، تم خود اپنے موجودہ چہروں سے بہتر سوانگ نہیں بھر سکتے۔ اس حالت میں تمھیں کون پہچان سکتا ہے!۔

زمانۂ ماضی کے نشانات سے لپے ہوئے اور ان نشانات پر اور نئے نشانات پتے ہوئے: اس طرح سے تم نے اپنے آپ کو قیافہ شناسوں سے خوب پوشیدہ کر رکھا ہے!

اور اگر کوئی گردہ شناس ہی کیوں نہ ہوتا ہم یہ کس کو یقین آسکتا ہے کہ تمھارے بھی گردے ہیں۔ تم تو رنگوں اور لیئی سے چپکے ہوئے پُرزوں کا پکا ہوا قوام معلوم ہوتے ہو۔

تمام زمانوں اور اقوام کی رنگ برنگ جھلک تمھارے نقابوں میں سے پھوٹ رہی ہے۔ اور تمھارے تیوروں میں سے سارے عادات اور اعتقادات بھانت بھانت بولیاں بول رہے ہیں۔

اگر تم میں سے کوئی اپنے نقاب اور برقعے اور رنگ اور تیوریاں اتار بھی ڈالے پھر بھی اس کے پاس چڑیوں کو ڈرانے کے لیے کافی مواد باقی رہے گا۔

درحقیقت میں خود وہ دہشت زدہ چڑیا ہوں جس نے تمھیں ایک بار عریاں اور بغیر رنگ کے دیکھ لیا تھا۔ اور جوں ہی تمھارے ڈھانچے نے میری طرف محبت سے آنکھ ماری تو میں اُڑ بھاگا۔

ملاے اسفل میں مٹی ڈھونے اور گزشتہ لوگوں کی روحوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کو میں اس موجودہ حالت پر ترجیح دیتا ہوں۔ ملاے اسفل والے تم سے زیادہ بھاری بھر کم ہیں۔

ہاں، یہی تو میری آنتوں کے لیے باعثِ خفگی ہو کہ نہ میں تم کو عریاں دیکھ سکتا ہوں
اور نہ کپڑے پہنے ہوئے، اے زمانہ حال والو!
واقعی مستقبل کی ساری دہشتیں اور تمام وہ چیزیں جو بھولی بھٹکی چڑیوں کو
خوف زدہ کرتی ہیں تمھاری "حقیقتِ حال" سے زیادہ قبول صورت اور دل پسند ہیں،
کیوں کہ تمھارا یہ مقولہ ہو: "ہم بالکل حقیقتِ حال والے ہیں اور اعتقاد اور
سست اعتقادی سے مبرا"۔ اسی بات پر تم سینہ اٹھا کر اکڑتے ہو، ہائے، اور وہ بھی
بغیر سینے کے!
اور ہاں، اے رنگ برنگ دھبّے والو، تمھارے لیے بااعتقاد ہونے کا امکان
ہی کیا ہو! تم تو دنیا کے سارے اعتقادات کا مرقّع ہو!
تم تو خود اعتقادات کی چلتی پھرتی مخالفتیں ہو اور تمام خیالات کی اعضا شکنیاں
میں نے تو تمھارا نام ناقابلِ اعتقاد رکھا ہو، اے حقیقتِ حال والو،
تمھاری روحوں میں سارے زمانے ایک دوسرے سے کج بحثیاں کر رہے
ہیں۔ اور سارے زمانوں کے خواب اور کج بحثیاں زیادہ حقیقتِ حال رکھتی تھیں
بہ نسبت تمھاری بے داری کے۔
تم بالکل بنجر ہو۔ اسی وجہ سے تم میں اعتقاد مفقود ہو۔ مگر جس کو خلق کرنا پڑتا ہو
اسے ہمیشہ رویائے صادقہ آتے ہیں اور آیاتِ آسمانی۔ وہ اعتقاد پر اعتقاد رکھتا ہو۔
تم نیم باز پھاٹک ہو جہاں قبر کن انتظار میں کھڑے رہتے ہیں اور تمھاری
حقیقتِ حال یہ ہو: "ہر چیز اس قابل ہو کہ فنا ہو جائے"۔
آہ، بنجرو، تم میرے سامنے کس طرح کھڑے ہو! تمھاری پسلیاں کیسی سوکھی ہوئی
ہیں! تم میں سے بہتیرے اس کو خود تسلیم کرتے ہیں۔
اور ایک شخص نے کہا تھا: "جب میں سو رہا تھا تو کسی خدا نے میری کوئی چیز

چپکے سے چرا تو نہیں لی ؟ وہ چیز ایک عورت بنانے کے ضرور کافی تھی۔
میری پسلیوں کی ناداری تعجب انگیز ہی!" زمانۂ حال کے بہتیرے لوگوں کا بھی یہی مقولہ ہی۔

ہاں، تم پر مجھے ہنسی آتی ہی، اے زمانۂ حال والو! اور بالخصوص اس وقت جب تم خود اپنے اوپر تعجب کرتے ہو۔

اور حیف ہی مجھ پر، گر میں تمھارے متعجب ہونے پر نہ ہنسوں اور تمھارے پیالوں کی گھنونی چیز کو مجھے تیر کرنا پڑ جائے!

مگر یوں تو میں تمھارے بوجھ کو بآسانی سنبھال لوں گا۔ کیوں کہ میرے اوپر اور بھی بہت بوجھ لدا ہوا ہی۔ اور اگر اس بنڈل پر دو چار گبریلے اور پر دار کیڑے اور بیٹھ جائیں تو میرا کیا بگڑے گا!

واقعی اس وجہ سے تو میرے بوجھ میں اضافہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اے زمانۂ حال والو، محض تمھاری وجہ سے تو مجھ میں تکان پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔

ہائے، میں اپنی تمنّاؤں کو لے کر اب اور کس بلندی پر چڑھوں! ہر پہاڑ پر سے میں اپنے وطنِ پدری اور وطنِ مادری کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہوں،
مگر وطن مجھے کہیں نہیں ملتا۔ میں ہر شہر میں مسافر ہوں اور ہر پھاٹک پر پا بر کاب۔

زمانۂ حال والے جن کے پاس ابھی میرا دل مجھے کھینچ کر لایا ہی۔ میرے نزدیک اجنبی ہیں اور ایک تمسخر۔ اور تمام پدری اور مادری وطنوں سے مجھے شہر بدر کر دیا گیا ہی۔

لہٰذا اب میری محبت محض میری اولاد کے وطن سے وابستہ ہی، وہ وطن اب تک نادریافت شدہ ہی اور سمندر پار واقع ہی۔ میں اپنے بادبانوں کو حکم دیتا ہوں

کہ اس کو تلاش کرو، تلاش کرو!
میں اپنی اولاد سے اس بات کی غلطی کی تلافی کروں گا کہ میں اپنے آباد اجداد
کی اولاد ہوں۔ نیز زمانۂ مستقبل سے زمانۂ حال کی تلافی کروں گا۔
یہ تھی تقریر زردشت کی۔

بے لوث معرفت

کل جب چاند نکلا تو مجھے ایسا گمان ہوا کہ اس کے پیٹ سے ایک سورج پیدا ہونے
والا ہے۔ کیوں کہ افق پر وہ گدرایا ہوا اور پیٹ سے معلوم ہوتا تھا۔
لیکن وہ جھوٹا تھا کہ اس نے اپنا پیٹ سے ہونا مجھ پر ظاہر کیا۔ اب میرا اعتقاد
اس پر بڑھتا جاتا ہے کہ چاند کے اندر مرد ہے نہ عورت۔
اس پر بھی اس شرمیلے شب باش میں مرد کا حصّہ کم ہے۔ واقعی وہ بُرے ضمیر
کے ساتھ چھتوں پر سے گزرتا ہے۔
کیوں کہ وہ حریص ہے اور حاسد، چاند کے اندر والا راہب۔ حریص زمین کا اور
چاہنے والوں کی تمام خوشیوں کا۔
نہیں، وہ مجھے ہرگز پسند نہیں، یہ چھتوں کا بلّا۔ قابلِ نفرین ہیں میرے نزدیک
وہ سب جو نیم باز کھڑکیوں کے آس پاس دبے پاؤں گھومتے ہیں۔
وہ چاند بھیگی بلّی کی طرح خاموشی سے ستاروں کے قالینوں پر چل رہا ہے۔ مگر
میں کسی مرد کے ایسے چپ چاپ قدموں کو پسند نہیں کرتا جس میں کسی مہمیز کی صدا نہ ہو۔
ہر ایمان دار کا قدم گویا ہوتا ہے۔ مگر بلّی فرش پر چپکے سے نکل جاتی ہے۔ دیکھ
چاند بلّی کی طرح چل رہا ہے اور بے ایمانی کے ساتھ۔
میں تمھاری یہ تشبیہ دیتا ہوں، اے تیز حس ریاکارو، اور تمھاری، اے

"پاک اہلِ معرفت" میں نے تمھارا نام حریص رکھا ہے۔

تم بھی زمین اور زمینی چیزوں سے محبت رکھتے ہو۔ میں نے تمھیں خوب تاڑا ہے! مگر تمھاری محبت میں شرم کا جزو شامل ہے اور ضمیر بد کا۔ تم چاند کی طرح ہو۔

تمھاری روح کو پھسلا کر زمینی چیزوں کی حقارت پر آمادہ کر لیا گیا ہے، لیکن تمھاری آنتوں کو نہیں۔ مگر انھیں کی قوت تمھارے اندر سب سے زیادہ ہے۔

اب تمھاری روح کو اس بات سے شرم آتی ہے کہ وہ تمھاری آنتوں کے کہنے پر چلے۔ اور وہ اپنے شرم کو چھپانے کی غرض سے دبے پاؤں اور کترا کر چلتی ہے۔

تمھاری دروغ گو روح اپنے دل میں یوں کہتی ہے: "بے ہوس زندگی کا نظارہ میرے لیے سدرۃ المنتہیٰ ہے، نہ کہ کتے کی طرح زبان لٹکائے ہوئے:

محض دیکھ دیکھ کر خوش ہونا مُردہ عزم کے ساتھ جس میں خود غرضی کی بو باس تک نہ ہو، تمام جسم سرد اور بے رونق، مگر آنکھیں چاند کی طرح چڑھی ہوئی!

یہ میرے لیے عزیز ترین چیز ہے، اسی طرح بہکانے والا خود بہکتا ہے، کہ میں زمین سے محبت کروں جیسے کہ چاند محبت کرتا ہے اور محض نظروں سے اس کے حسن کو مَس کروں۔

"اور میرے نزدیک اس کا نام ہر چیز سے بے لوث معرفت ہو کہ میں کسی چیز کی خواہش نہ کروں سوائے اس کے کہ میں ان کے آگے آئینۂ صد چشم کی طرح پڑا رہوں۔"

اے تیز حس ریاکارو، اے حریصو! تمھاری خواہشات میں معصومیت مفقود ہے اور اسی لیے تم خود خواہشات سے منکر ہو۔

یہ بجا ہے کہ تم زمین سے اس طرح محبت نہیں کرتے جس طرح موجد، خالق اور خواہش مندِ تکوین کرتے ہیں۔

معصومیت کہاں پائی جاتی ہے؟ وہاں جہاں عزم خلق ہو۔ اور جو کوئی اپنے
سے بڑھ کر پیدا کرنا چاہے میرے نزدیک اس کا عزم پاک ترین ہے۔
حُسن کہاں ہے؟ وہاں جہاں مجھے انتہائی عزم کو کام میں لانا چاہیے۔ اور
جہاں مجھے محبّت کر کے فنا ہو جانا چاہیے تاکہ تصویر محض تصویر ہی نہ رہے۔
محبت کرنا اور فنا ہو جانا: یہ ازل سے ایک دوسرے کے مرادف ہیں۔ عزمِ
محبّت: اس کے معنے ہیں موت کے لیے تیار رہنا۔ یہ تم بزدلوں سے میرا کہنا ہے۔
مگر تم اپنے نامردانہ کن انکھیوں سے دیکھنے کا نام "مراقبہ" رکھتے ہو۔ اور
جس چیز کو تم بزدلانہ آنکھوں سے مس کر سکو لفظ "حسین" سے نامزد کرنا چاہتے
ہو۔ آہ، شریف ناموں کو گندہ کرنے والو!
اور یہی بس ہے تمھاری لعنت، اے بے لوث لوگو، اے پاک معرفت والو،
کہ تم کبھی نہ جنو گے خواہ تم افق پر کتنا ہی گدرائے ہوئے اور پیٹ سے کیوں نہ ہو!
واقعی شریف ناموں کی تمھارے مُنہ میں بھر مار ہے۔ اور تم ہمیں یہ یقین
دلانا چاہتے ہو کہ تمھارا دل جوش مار رہا ہے، اے دغا بازو!
مگر میرے الفاظ چھوٹے حقیر اور کج الفاظ ہیں۔ خوشی سے میں ان چیزوں
کو اٹھا لینا چاہتا ہوں جو کھاتے وقت تمھاری میز کے نیچے گر پڑے ہوں۔
ابھی تک مجھ میں یہ طاقت ہے کہ میں ان الفاظ کے ساتھ ریاکاروں سے
سچ سچ کہوں۔ ہاں میرے مچھلی کے کانٹے اور سیپیں اور خاردار پتّے ان کی
ناک میں گدگدائیں گے۔
تمھارے اور تمھارے کھانوں کے آس پاس کی ہوا گندی ہے۔ کیوں کہ
اس ہوا میں تمھارے حریص خیالات اور تمھاری دروغ گوئیاں اور راز موجود ہیں۔
پہلے اپنے اوپر یقین کرنے کی ہمّت تو دکھاؤ، اپنے آپ پر اور اپنی آنتوں

پر! جسے خود اپنے اوپر یقین نہیں وہ جھوٹا ہی۔

تم نے خود اپنے آگے ایک خدائی پردہ ڈال رکھا ہو، ای "پاک بازو"
تمھارا کریہہ منظر گنڈلی والا سانپ خدائی پردے کے پیچھے جا دبکا ہی۔

واقعی تم دھوکا دیتے ہو، ای "مراقبے والو"! ایک زمانے میں زردشت بھی
تمھارے خدائی چمڑوں پر فریفتہ تھا۔ اور اس کو ان کے سوراخوں کی خبر نہ تھی
جن کو سانپوں کی کنڈلیوں سے رفو کیا گیا تھا۔

ایک زمانے میں مجھے یہ گمان ہوتا تھا کہ تمھارے کھیلوں میں خدائی روح کھیل
رہی ہی، ای پاک معرفت والو! میرے وہم میں تمھاری صنعتوں سے بڑھ کر کوئی
صنعت تھی ہی نہیں۔

سانپ کی گندگی اور بدبو مجھے دوری کی وجہ سے معلوم نہ ہوتی تھی۔ اور نہ یہ کہ ایک
چھپکلی کی دغابازی حرص کے ساتھ اِدھر اُدھر دبے پانو گھوم رہی ہی۔

لیکن آخر میں تمھارے قریب آیا۔ اسی وقت دن نکل آیا۔ اور اب وہ
تمھارے لیے بھی نکلنے والا ہی۔ اور چاند کی چاہت ختم ہو گئی ہی۔

ذرا اس کی طرف دیکھو تو سہی! صبح کی شفق کے سامنے وہ کیسا گھبرایا ہوا زردرُو
معلوم ہوتا ہی۔

کیوں کہ اب وہ آنے ہی والا ہی، وہ آگ بگولا۔ اس کی محبتِ زمین آرہی ہی
سورج کی ساری محبت سراپا معصومیت اور تمنّائے خالق ہی۔

زرا ادھر دیکھو تو سہی کہ وہ کس بے تابی کے ساتھ سمندر کے اوپر چلا آرہا ہی۔
کیا تمھیں اس کی بے چینی اور گرم گرم سانسیں محسوس نہیں ہوتیں؟

وہ سمندر کی شیر خواری کرنا چاہتا ہی اور اس کی پستی کو پی کر اپنے پاس
بلندی کی طرف لے آنا چاہتا ہی۔ اسی وجہ سے سمندر کی مامتا ہزاروں سینوں کو

لے کر اُٹھ رہی ہے۔
وہ چاہتا ہے کہ سورج کی پیاس اس کا دودھ پیے اور اس کو چومے۔ وہ چاہتا ہے
کہ ہوا بن جائے اور بلندی اور روشنی کا راستا، ہاں خود روشنی بن جائے۔
واقعی سورج کی طرح میں زندگی سے محبّت رکھتا ہوں اور تمام گہرے
سمندروں سے۔
اور میرے نزدیک اس کا نام معرفت ہے: کہ ہر پستی اٹھ کر میری بلندی
پر آجائے!
یہ تھی تقریر زرُدشت کی۔

عُلَما

جب میں سویا پڑا تھا تو ایک بھیڑ آکر اس عشق پیچاں کے ہار کو کھانے لگی
جو میرے گلے میں پڑا ہوا تھا۔ وہ کھاتی جاتی اور ساتھ ساتھ یہ کہتی جاتی تھی:
"زرُدشت اب عالِم نہیں رہا۔"
یہ کہہ کر وہ مٹکتی ہوئی اور ناز سے وہاں سے چلتی ہوئی۔ یہ واقعہ ایک بچّے
نے مجھ سے بیان کیا۔
ٹوٹی پھوٹی دیواروں کے نیچے اور بھٹ کھٹیّا اور پوست کے سرخ پھولوں
کے درمیاں جہاں بچّے کھیلتے ہیں وہاں پڑا رہنا مجھے بہت مرغوب ہے۔
بچّوں کے نزدیک میں اب تک ایک عالم کی حیثیت رکھتا ہوں اور بھٹ کٹیّوں
اور پوست کے سرخ پھولوں کے نزدیک بھی۔ یہ سب معصوم ہیں خواہ وہ
شرارت ہی کیوں نہ کریں۔
لیکن بھیڑیوں کے نزدیک اب میں عالِم نہیں رہا۔ یہ میری قسمت ہے۔

کیوں کہ حقیقت یہ ہی: میں عُلما کے گھر سے نکل آیا ہوں اور اپنے پیچھے دروازہ زور سے بھیڑ دیا ہی۔

میری روح ان کے دستر خوان پر بڑی دیر تک بھوکی بیٹھی رہی ہی۔ میں بھی ان کی طرح معرفت کے لیے اس طرح سدھایا نہیں گیا ہوں جیسا کہ اخروٹ توڑنے کے لیے۔

میں آزادی کو دوست رکھتا ہوں اور تر و تازہ زمین کے اوپر کی ہوا کو۔ بہ نسبت ان کے اکرام و احترام پر سونے کے میں بَیلوں کے چمڑے پر سونا پسند کرتا ہوں۔

میں بے حد گرم ہوں اور خود میرے خیالات نے مجھ کو جلا ڈالا ہی۔ اس سے اکثر میرا دم گھٹنے لگتا ہی اور میں گرد آلود کمروں کو چھوڑ کر کھلی ہوا میں جانے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔

مگر وہ لوگ ٹھنڈے سائے میں ٹھنڈے بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ تمام باتوں میں محض تماش بینوں کی حیثیت رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ ایسی جگہ بیٹھنے سے بھاگتے ہیں جہاں زینوں پر تپتی ہوئی دھوپ ہو۔

ان لوگوں کے مانند جو سر راہ کھڑے ہو کر راہ گیروں کا نظارہ کرتے ہیں: اسی طرح سے وہ بھی کھڑے رہتے ہیں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان خیالات کی سیر کرتے ہیں جو دوسروں کے دماغ سے نکلے ہیں۔

اگر ان کو کوئی مس کرتا ہی تو ان میں سے آٹے کی بوری کی طرح گرد و غبار نکلتا ہی۔ لیکن وہ اس پر مجبُور ہیں۔ مگر یہ پتا کس کو لگ سکتا ہی کہ ان کی گرد غلّے سے پیدا ہوئی ہی اور ربیع کی فصل کی زرد مسرّتوں سے؟

جب وہ اپنے آپ کو دانشمند ظاہر کرتے ہیں تو ان کے پست مقولوں اور

سچائیوں سے مجھے جھرجھری آتی ہے۔ ان کی دانشمندی سے اکثر ایک قسم کی بو آتی ہے گویا کہ وہ دانشمندی کیچڑ میں سے نکل کر آئی ہے۔ اور واقعی مجھے اس میں سے مینڈک کے بولنے کی آواز بھی سُنائی دی ہے۔

وہ بڑے چست و چالاک ہیں۔ ان کی اُنگلیاں بڑی پھُرتیلی ہیں۔ میری سادگی سے ان کی پیچیدگی کا کیا مقابلہ! ان کی اُنگلیاں ہر طرح کے سوئی پرونے اور جالی کاڑھنے اور بُننے میں طاق ہیں: اس طرح سے وہ روح کے موزے بُنتی ہیں۔

وہ اچھی گھڑیاں ہیں۔ محض اس بات کی اور ضرورت ہے کہ ان میں کوک ٹھیک دی جائے تب وہ وقت ٹھیک بتاتی اور شور کم مچاتی ہیں۔

وہ چکیوں اور موسلوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنا اناج ان میں ڈالے۔ وہ غلّہ پیسنا اور اس میں سے سفید گرد اُڑانا جانتے ہیں۔

وہ ایک دوسرے کی انگلیوں کو غور سے دیکھتے ہیں اور بے وجہ ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں رکھتے۔ چوں کہ وہ پست چالاکیوں میں خوب اختراع کرتے ہیں لہٰذا وہ ایسوں کے منتظر رہتے ہیں جن کا علم لنگڑاتا ہوا چلتا ہو۔ مکڑیوں کی طرح وہ منتظر رہتے ہیں۔

میں نے دیکھا ہے کہ وہ ہمیشہ ہوشیاری کے ساتھ زہر تیار کرتے ہیں۔ اور ایسا کرتے وقت وہ ہمیشہ شیشے کے دستانے اپنی انگلیوں پر چڑھا لیتے ہیں۔

ان کو چھوٹے پانسوں سے بھی کھیلنا آتا ہے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ وہ اس انہماک کے ساتھ کھیلتے ہیں کہ ان کو پسینا آنے لگتا ہے۔

مجھ میں اور ان میں بہت غیریت ہے اور ان کی دغابازیوں اور جھوٹے پانسوں سے بھی زیادہ ان کی نیکیاں میرے مذاق کے منافی ہے۔

اور جب میں ان کے ساتھ مقیم تھا تو میں ان سے اوپر والی منزل میں رہتا تھا۔ اس لیے وہ مجھ سے ناراض ہو گئے۔

ان کو یہ بات پسند نہیں کہ کوئی ان کے سروں کے اوپر چلے پھرے۔ لہٰذا انھوں نے اپنے سروں کے اور میرے درمیان لکڑیاں اور مٹی اور کوڑا کرکٹ بھر دیا ہے۔

اس طرح سے انھوں نے میرے چلنے کی آواز کو مدھم کر دیا ہے۔ اور سب سے کم میری آواز علامہ ترین کو سنائی دیتی ہے۔

انھوں نے سارے انسانوں کی خطائیں اور کمزوریاں اپنے اور میرے درمیان حائل کر دی ہیں۔ اس کا نام انھوں نے اپنے گھروں کی مصنوعی چھت رکھا ہے۔

مگر باایں ہمہ میں اپنے خیالات کے ساتھ ان کے سروں پر چلتا ہوں۔ اور خواہ میں اپنی غلطیوں پر ہی کیوں نہ چلوں پھر بھی میں ان کے اور ان کے سروں کے اوپر ہی رہوں گا۔

کیوں کہ سب انسان برابر نہیں ہیں: یہ مقولہ ہے انصاف کا۔ اور جو میں چاہوں اس کے چاہنے کی اجازت انھیں نہیں۔

یہ تھی تقریر زردُشت کی

شُعَرا

زردُشت نے اپنے ایک چیلے سے کہا: "جب سے میں جسم کو بہتر پہچاننے لگا ہوں میرے نزدیک روح محض برائے نام روح رہ گئی ہے۔ اور ہر "لافانی" چیز بھی محض تشبیہ ہے"

چیلے نے جواب دیا: "یہ بات میں نے تجھ سے ایک بار اور بھی سنی تھی اور اس وقت تو نے اس پر یہ اضافہ کیا تھا کہ شاعر بے حد جھوٹ بولتے ہیں۔ آخر تو نے

یہ کیوں کہا تھا کہ شاعر بے حد جھوٹ بولتے ہیں ؟"

زردشت نے کہا: "کیوں ؟ تو پوچھتا ہے کیوں ؟ میرا شمار ان لوگوں میں نہیں ہے جن سے ان کی کیوں کا سبب پوچھا جائے۔

"کیا میرا تجربہ محض کل کا ہے ؟ نہیں، بلکہ اس کو ایک زمانہ ہوا کہ مجھے اپنی رایوں کے اسباب کا تجربہ ہو چکا ہے۔

"مجھے تو حافظے کا پیپا ہونا پڑے گا اگر میں تمام اسباب کو یاد رکھوں۔ خود رایوں کا یاد رکھنا میرے نزدیک بڑا مشکل کام ہے اور اس کی وجہ سے کئی چڑیاں اُڑ بھاگی ہیں۔

"اور اسی کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ کئی جانور اُڑ کر میرے کبوتروں کی کابک میں آگئے ہیں۔ یہ کابک مجھ سے مانوس نہیں ہے اور جب میں اپنا ہاتھ اس پر رکھتا ہوں تو وہ تھر تھرانے لگتی ہے۔

"بہر حال زردشت نے ایک بار تجھ سے کیا کہا تھا ؟ یہ نہ کہ شاعر بے حد جھوٹ بولتے ہیں ؟ مگر زردشت بھی تو شاعر ہے۔"

"کیا اب تجھے اس بات پر اعتقاد ہے کہ اس نے سچ کہا تھا ؟ اور کیوں اس پر اعتقاد ہے ؟"

چیلے نے جواب دیا: "میں زردشت پر اعتقاد رکھتا ہوں۔" لیکن زردشت نے سر ہلایا اور مسکرا کر کہنے لگا:

اعتقاد مجھے خوش وقت نہیں بناتا۔ بالخصوص وہ اعتقاد جو میرے اوپر ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص نہایت سنجیدگی سے کہے کہ شاعر بے حد جھوٹ بولتے ہیں تو وہ حق بجانب ہے۔ یہ درست ہے کہ ہم لوگ بے حد جھوٹ بولتے ہیں۔ واقعی ہمارا علم ناقص ہے اور ہم مشکل سے سیکھتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں جھوٹ

بولنا پڑتا ہی۔

اور ہم شاعروں میں سے ہی کون جس نے اپنی شراب میں آمیزش نہ کی ہو؟ بہت سی زہر آلود ملاوٹیں ہمارے تہ خانوں میں ہوئی ہیں۔ بہت سی ناگفتہ بہ باتیں وہاں کی گئی ہیں۔

اور چوں کہ ہمارا علم ناقص ہی لہٰذا وہ لوگ ہمیں دل سے پسند ہیں جو دماغی حیثیت سے کم مایہ ہیں۔ بالخصوص اگر وہ نوجوان عورتیں ہوں۔

اور بایں ہمہ ہمیں ان باتوں سے بھی دل چسپی ہی جو بوڑھی عورتیں شام کے وقت آپس میں کیا کرتی ہیں۔ اس کا نام ہم نے خود اپنے لیے نسوانیتِ دائمی رکھ چھوڑا ہی۔

اور گویا علم کا کوئی خاص چور دروازہ ہی جو ان لوگوں کے لیے مسدود ہی جو کچھ سیکھنا چاہتے ہیں۔ اسی لیے ہم عوام النّاس اور ان کی دانشمندی پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

لیکن اس پر تمام شاعروں کا اعتقاد ہی کہ اگر کوئی شخص گھاس اور ڈھالو تنہائیوں میں پڑا ہوا کان لگا کرسنے تو اسے بعض ان چیزوں سے واقفیت ہوجائے گی جو آسمان اور زمین کے درمیان ہیں۔

اور جب شاعروں میں رقیق القلب جذبے پیدا ہوتے ہیں تو ان کو ہمیشہ یہی خیال ہوتا ہی کہ خود قدرت ان پر عاشق ہی،

اور یہ کہ وہ دبے پاؤں ان کے کان میں جاتی ہی تاکہ وہ ان سے راز و نیاز کی باتیں کرے۔ اس پردہ فانی انسانوں کے آگے ڈینگ کی لیتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے۔

آہ، آسمان اور زمین کے درمیان بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ جن کا اگر

تھوڑا بہت احساس ہوا بھی ہو تو صرف شاعروں کو!
اور بالخصوص آسمان کے اُوپر۔ کیوں کہ سارے خدا تشبیہِ شاعرانہ اور
تغلّبِ شاعرانہ ہیں۔
واقعی ہماری توجّہ اوپر ہی کی طرف مبذول رہتی ہو جہاں بادلوں کی حکومت
ہو۔ ان پر ہم بھانت بھانت بھُس بھری کھالیں رکھ دیتے ہیں اور ان کو خدا اور
فوق البشر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔
اور ان کرسیوں کے لیے واقعی کافی سبک ہیں، یہ سارے خدا اور فوق البشر!
آہ، میں ان ادھوری چیزوں سے کتنا اکتا گیا ہوں جو بالکل حسبِ واقعہ
ہیں! آہ، میں شاعروں سے کس قدر تنگ آگیا ہوں!
زرُدشت کی اس تقریر پر اس کا چیلا بہت ناراض ہوا۔ مگر وہ کچھ بولا نہیں
اور زرُدشت بھی خاموش تھا اور اس کی نگاہ قلب کی طرف تھی گویا وہ بعید دوریوں
کو دیکھ رہا تھا۔ بالآخر اس نے ایک سرد آہ کھینچی اور لمبی سانس لی۔
پھر وہ یوں کہنے لگا: میرا وجود آج اور آج سے پہلے کا ہو۔ مگر مجھ میں ایک چیز
جو کل اور پرسوں اور مستقبلِ بعید کی ہو۔
میں شاعروں سے تنگ آگیا ہوں خواہ وہ نئے ہوں یا پرانے۔ میرے نزدیک
وہ سب کم ظرف ہیں اور تھِتھلے سمندر۔
ان کے خیالات گہرائی کی طرف کافی نہیں گئے۔ اسی لیے ان کے جذبات
تہ تک نہ پہنچ سکے۔
کچھ نفس پرستی اور کچھ طبیعت کی اچاٹ: اب تک یہی ان کے تصوّرات
رہے ہیں۔
ان کے چنگ کی بے سُری آواز مجھے بھوتوں کی سانس اور آہٹ معلوم ہوتی

ہے۔ اب تک ان کو سروں کی مسرّت کا پتا ہی نہیں چلا!

میرے خیال میں وہ کافی صاف ستھرے بھی نہیں۔ ان سبھوں نے اپنے پانی کو گدلا کر دیا ہے تاکہ وہ گہرا معلوم ہو۔

اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے آپ کو صلح گر جتنا نا چاہتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک وہ ہنوز میاں جی اور ملا وٹی ہیں اور آدھورے اور ناپاک۔

آہ، میں نے اچھی مچھلیاں پکڑنے کی غرض سے ان کے سمندر میں جال توڑ ڈالا لیکن ہر بار ایک نہ ایک پراتے خدا کا سر اس میں پھنس کر آیا۔

یعنی بھوکے کو سمندر نے سوائے پتھر کے کچھ نہ دیا۔ حالاں کہ ان سب کی پیدائش پتھر ہی سے ہے۔

یہ سچ ہے کہ ان میں موتی بھی ہیں۔ لیکن اس وجہ سے ان میں اور سیپ دار کیڑوں میں اور زیادہ مشابہت ہو گئی۔ اور ان میں میں نے اکثر بجائے روح کے نمکین لعاب پایا۔

اپنا گھمنڈ بھی انھوں نے سمندر ہی سے سیکھا ہے۔ کیا سمندر موروں کا مور نہیں۔

وہ بھونڈے سے بھونڈے بھینسے کے آگے بھی دُم مروڑ کر چلتا ہے۔ وہ اپنے جالی دار چاندی اور ریشم کے پنکھے سے کبھی اُکتاتا نہیں۔

بھینسا اس کو دیکھ کر بِدکتا ہے اور ایسی حالت میں اس کی روح ریت کے قریب ہوتی ہے اور اس سے زیادہ جھاڑی کے قریب اور سب سے زیادہ کیچڑ کے قریب۔

اسے خوب صورتی اور سمندر اور مور کی زیب و زینت سے کیا غرض! یہ تنبیہہ میں شاعروں کے لیے دیتا ہوں۔

واقعی ان کی روح بھی موروں کا مور ہے اور گھمنڈ کا سمندر!

شاعروں کی روح کو تماش بینوں کی ضرورت ہی خواہ وہ بھینسے ہی کیوں نہ ہوں!
مگر ایسی روح سے میں عاجز آچکا ہوں۔ اور میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ وہ خود اپنے آپ سے اکتا جائیں گے۔
میں دیکھتا ہوں کہ شاعر کچھ سے کچھ ہو گئے ہیں اور ان کی نظر خود ان کی طرف مائل ہی۔
میں نے روحانی تائبوں کو خود آتے ہوئے دیکھا ہی۔ یہ انھیں کی اولاد ہیں۔
یہ تھی تقریر زردُشت کی۔

عظیم الشّان واقعات

سمندر میں ایک جزیرہ ہی جو زردُشت کے مبارک جزیروں سے دور واقع نہیں ہؤا ہی اور جس کے کوہِ آتش فشاں میں سے ہمیشہ دھنواں نکلتا رہتا ہی۔ اور عوام الناس اور بالخصوص ان میں کی بوڑھی عورتوں کا یہ اعتقاد ہی کہ وہ جزیرہ ایک چٹان کی طرح دوزخ کے مُنہ پر رکھا ہؤا ہی، اور خود کوہِ آتش فشاں میں ہوکر ایک تنگ راستا نیچے کی طرف دوزخ کے دروازے تک جاتا ہی۔
اسی زمانے میں جب کہ زردُشت مبارک جزیروں میں رہتا تھا یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک جہاز نے اس جزیرے کے پاس لنگر ڈالا جس پر کوہِ آتش فشاں واقع ہی۔ اور اہلِ جہاز خرگوش کے شکار کے لیے خشکی پر اترے۔ دوپہر کے وقت جب کپتان اور اس کے ساتھی پھر یک جا جمع ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ہوا پر سوار ان کے پاس آیا اور انھوں نے صاف صاف یہ آواز سنی: "وقت قریب آگیا ہی، وقت سر پر آپہنچا ہی!" جب وہ شکل ان کے بہت ہی قریب پہنچ چکی تو وہ تیزی کے ساتھ سائے کی طرح اس طرف کو روانہ ہوگئی جہاں کوہِ آتش فشاں تھا۔

تب انھوں نے پہچانا کہ یہ تو زرُدشت تھا اور ان کو بے حد تعجب ہوا۔ کیوں کہ سوائے کپتان کے سب نے اس کو دیکھا تھا اور ان کو اس سے محبت تھی جس طرح کہ عام لوگوں کو ہوا کرتی ہی، یعنی محبت اور احترام برابر برابر حصّوں میں۔

بوڑھے جہاز ران نے کہا: "دیکھو، وہ زرُدشت دوزخ کی طرف جا رہا ہی!"

جس وقت کہ اہلِ جہاز آتش فشاں جزیرے پر اترے تھے اسی وقت یہ افواہ پھیلی تھی کہ زرُدشت غائب ہو گیا ہی۔ اور جب لوگوں نے اس کے دوستوں سے دریافت کیا تو انھوں نے بیان کیا کہ وہ اسی رات جہاز سے روانہ ہوا ہی مگر اس نے یہ نہیں بتایا کہ کہاں جا رہا ہی۔

اسی لیے وہاں ایک بے چینی سی پھیل گئی۔ اور تین دن کے بعد اس بے چینی میں اہلِ جہاز کا قصّہ بھی شامل ہو گیا۔ اور پھر تو لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ شیطان زرُدشت کو اٹھا لے گیا۔ اگرچہ اس کے چیلے ان باتوں پر ہنستے تھے اور ان میں سے ایک نے تو یہاں تک کہا: "اس سے زیادہ تو مجھے یہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہی کہ زرُدشت شیطان کو اٹھا لے گیا"، لیکن وہ دل ہی دل میں پریشانی اور شوقِ دیدار سے لبریز تھے۔ اس لیے جب زرُدشت پانچویں دن پھر ان میں آموجود ہوا تو پھولے نہ سماتے تھے۔

اور زرُدشت اور سگِ دوزخ کی گفتگو یوں مذکور ہی:

اس نے کہا کہ زمین کے اوپر ایک کھال ہی۔ اور اس کھال میں کئی بیماریاں ہیں۔ مثلاً ایک بیماری وہ ہی جس کا نام "انسان" ہی۔

اور ایک دوسری بیماری کا نام "سگِ دوزخ" ہی۔ اور اس کے متعلق انسانوں نے اپنے آپ کو بہت دھوکے میں ڈال رکھا ہی اور انھیں بہت دھوکا دیا گیا ہی۔

اس راز کو پانے کے لیے میں سمندر پار تک گیا۔ اور میں نے سچائی کو برہنہ دیکھا۔
واقعی، گردن تک ننگے پانو دیکھا۔
سگِ دوزخ کے قصّے کا بھی مجھے پتا چل گیا ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس تمام
شیطانوں کا جو فوّارے کی طرح پانی چھوڑتے ہیں اور تہ و بالا کرتے ہیں اور جن سے
بوڑھی عورتوں کے علاوہ اور لوگ بھی ڈرتے ہیں۔
میں نے چلّا کر کہا: "اے سگِ دوزخ، نکل اپنے گڑھے سے! اور تسلیم کر کہ یہ
گڑھا بے حد گہرا ہے! جو تیری ناک سے خارج ہو رہا ہے وہ کہاں سے آیا ہے؟
تو سمندر کا پانی بہت زیادہ پیتا ہے۔ اس کا پتا تیری کھاری گویائی سے چلتا ہے
جتنی خوراک تو بالائے سطح سے لیتا ہے اتنی پستی کے کتّے کے لیے ہرگز روا نہیں۔
میں زیادہ سے زیادہ تجھے زمین کی وہ ہستی سمجھتا ہوں جو پیٹ میں بولتی ہے۔ اور
جب کبھی بھی میں فوّارے والے اور تہ و بالا کرنے والے شیطانوں کی باتیں سنتا
ہوں تو وہ مجھے تیری ہی طرح معلوم ہوتے ہیں: کھاری، دروغ گو اور اوچھے۔
تم شور مچانا اور بھبوت ملنا جانتے ہو۔ تم بہترین بک بک کرنے والے ہو اور
تم نے کیچڑ کے ابالنے کا فن دل کھول کر سیکھا ہے۔
جہاں کہیں تم ہو گے اس کے نزدیک کیچڑ کا ہونا بھی ضروری ہے اور ان
بہت سی چیزوں کا بھی جو اسفنج کے مانند ہیں اور اندر سے خالی اور دبی ہوئی۔ یہ
سب آزادی کے خواہاں ہیں۔
تم "آزادی آزادی" چلّانا سب سے زیادہ پسند کرتے ہو لیکن جب "عظیم الشان
واقعات" کے ارد گرد بہت ہنگامہ ہو اور دھنواں اُٹھ رہا ہو تو مجھے اس پر سے
اعتقاد اُٹھ جاتا ہے۔
اور اے دوست، اے ہنگامۂ دوزخ، میرا کہنا مان کہ عظیم الشان واقعات

ہماری بلند آواز ترین گھڑیاں نہیں ہیں بلکہ پست آواز ترین۔

دنیا نئے ہنگاموں کے موجدوں کے گرد نہیں گھومتی بلکہ نئی قیمتیات کے موجدوں کے گرد۔ اور وہ اس طرح گھومتی ہو کہ آواز تک سنائی نہیں دیتی۔

اور اس بات کو تسلیم کر کہ جب تیرا شور اور دھنواں جاتا رہا تو یہ راز کھل گیا کہ جو کچھ واقع ہؤا وہ کچھ بھی نہ تھا۔ اس سے کیا ہوتا ہو کہ ایک شہر مومیائی ہوگیا اور ایک بت کیچڑ میں گر گیا۔

اور یہ بات میں بت شکنوں سے بھی کہتا ہوں۔ نمک کو سمندر اور بتوں کو کیچڑ میں پھینکنا شاید سب سے بڑی حماقت ہو۔

بت تمھاری حقارت کی کیچڑ میں پڑا ہؤا ہو۔ مگر یہی تو اس کا قانون ہو کہ حقارت میں سے اس کی زندگی اور زندہ حسن دوبارہ پیدا ہوتا ہو۔

دیکھو، حُسن وہ ابھر رہا ہو۔ اس میں خدائی خدّوخال کی زیادتی ہوگئی ہو اور اس کی پژمردگی کی وجہ سے اس میں ورغلانے کا مادّہ اور بڑھ گیا ہو۔ اور وہ سچ مچ تمھارا شکریہ ادا کرے گا کہ تم نے اسے منہدم کر دیا، اے منہدم کرنے والو!

مگر میں بادشاہوں اور کلیساؤں اور تمام ضعیف العمر اور ضعیف الاخلاق لوگوں کو یہ مشورہ دیتا ہوں: تم اپنے آپ کو منہدم کر دینے دو تاکہ پھر تمھیں زندگی ملے اور اخلاق کو تم ملو۔

میں نے یہاں تک سگِ دوزخ سے کہا تھا کہ اس نے ناک بھوں چڑھا کر میرا قطع کلام کر دیا اور کہنے لگا: "کلیسا؟ یہ کیا چیز ہو؟"

میں نے جواب دیا: "کلیسا؟ یہ ایک قسم کی حکومت ہو اور فی الحقیقت سب سے زیادہ دروغ گو قسم کی۔ مگر خاموش، اے منافق کتّے! تو اپنے ہم جنسوں کو ضرور سب سے زیادہ جانتا ہوگا۔

تیری ہی طرح یہ حکومت بھی ایک منافق کتا ہے۔ تیری ہی طرح اس کے مُنہ سے بھی بات کرتے وقت دھنواں اور شور نکلتا ہے تاکہ لوگ تیری ہی طرح اس پر بھی یقین کریں کہ وہ اشیا کے پیٹ میں سے بولتی ہے۔

کیوں کہ یہ حکومت جس طرح بھی ہو دنیا میں اہم ترین جانور بننا چاہتی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ لوگ اس پر یقین بھی کرتے ہیں۔

جب میں نے یہ کہا تو سگِ دوزخ کے چہرے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا حسد سے وہ حواس باختہ ہوگیا ہے اور اس نے بآوازِ بلند کہا: "تو کیا کہتا ہے؟ زمین پر اہم ترین جانور؟ اور لوگ اس پر یقین بھی کرتے ہیں؟" اور اس کے منہ سے اس قدر بھاپ اور کریہہ آواز نکلی کہ مجھے یہ گمان ہوتا تھا کہ غصّے اور حسد سے اس کا گلا گھنٹ جائے گا۔

بالآخر وہ ذرا خاموش ہوا اور اس کے ہانپنے میں کمی ہوئی۔ اور جوں ہی وہ ذرا خاموش ہوا میں ہنس کر اس سے کہنے لگا: "اے سگِ دوزخ، تو ناراض ہوگیا۔ لہٰذا میں تیرے بارے میں حق پر ہوں۔

"اور اس لیے کہ میں حق پر رہوں ایک دوسرے سگِ دوزخ کا بھی قصّہ سن لے! وہ واقعی زمین کے دل کے اندر سے باتیں کرتا ہے۔"

"اس کی سانس سے سونا جھڑتا ہے اور سونا برستا ہے۔ یہ اس کے دل کی خواہش ہے۔ تو پھر اس کے آگے راکھ اور دھنوئیں اور گرم لعاب کی کیا حقیقت!"

"زنگارنگ بادلوں کی طرح اس میں سے قہقہے نکلتے ہیں۔ اس کو تیری خَرخَراہٹ اور تھوکنا اور آنتوں کی پیچش ناپسند ہے۔"

"لیکن وہ سونا اور وہ قہقہے: ان کو تو وہ زمین کے دل میں سے نکالتا ہے کیونکہ اب یہ تو تجھ کو معلوم ہی ہو چکا ہے کہ زمین کا دل سونے کا ہے۔"

جب سگِ دوزخ نے یہ سنا تو میری باتوں کی برداشت اس سے نہ ہو سکی اس نے شرماکر اپنی دُم دبالی اور چپکے چپکے واؤ واؤ کرتا ہوا اپنے غار میں گھس گیا۔

یہ تھا بیان زردشت کا۔ لیکن اس کے چیلوں نے بہ مشکل اس کی باتوں کی طرف دھیان دیا کیوں کہ انھیں اس بات کا اشتیاق تھا کہ وہ اس سے اہلِ جہاز اور خرگوشوں اور اڑتے ہوئے آدمی کے متعلق بیان کریں۔

زرُدشت نے کہا: آخر میں اس سے کیا نتیجہ نکالوں! کیا میں کوئی جن ہوں؟

"مگر شاید وہ میرا سایہ ہوگا۔ کیا تم نے مسافر اور اس کے سائے کا قصہ سنا ہی؟

"مگر یہ امر یقینی ہی کہ مجھے چاہیے کہ اسے روک تھام کر رکھوں۔ ورنہ وہ میرے نام پر دھبّا لگا دے گا۔"

اور زرُدشت نے پھر اپنا سر ہلایا اور متعجب ہو کر دوبارہ کہنے لگا: "آخر میں اس سے کیا نتیجہ نکالوں!

"اس جن نے کیوں بآوازِ بلند کہا تھا: وقت قریب آگیا ہی! وقت سر پر آپہنچا ہی!"

"آخر کس بات کا وقت سر پر آپہنچا ہی؟"

یہ تھی تقریر زرُدشت کی۔

پیشین گو

"— اور میں لوگوں پر ایک بڑی مصیبت آتی ہوئی دیکھ رہا ہوں۔ بہترین لوگ اپنے مشاغل سے اکتا گئے ہیں۔

ایک تعلیم ظہور میں آرہی ہی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ایک اعتقاد لگا ہوا ہی: "ہر چیز خالی ہی۔ ہر چیز یکساں ہی۔ ہر چیز ماضی ہی۔"

اور تمام پہاڑوں سے آوازِ بازگشت آرہی ہے: ہر چیز خالی ہے۔ ہر چیز یکساں
ہے۔ ہر چیز ماضی ہے"
ہماری فصل خوب ہوئی ہے۔ لیکن ہمارا غلّہ کیوں سڑ گیا اور پیلا پڑ گیا ہے ؟
آخر گزشتہ شب کو منحوس چاند سے کون سی ایسی چیز نازل ہوئی ہے ؟
ساری محنت مشقت بے کار ہو گئی۔ ہماری شراب زہریلی ہو گئی۔ نظرِ بد نے
ہماری کھیتوں اور دلوں کو جھلسا کر پیلا کر دیا ہے۔
ہم سب سوکھ کر رہ گئے ہیں۔ اور اگر ہم پر اب آگ گرتی ہے تو ہم سے راکھ
کی طرح گرد اُڑتی ہے، ہاں خود آگ ہمارے ہاتھوں تنگ آگئی ہے۔
ہمارے لیے سارے چشمے سوکھ گئے ہیں اور سمندر پیچھے ہٹ گیا ہے۔ ہر تھاہ
چاہتی ہے کہ پھٹ جائے لیکن کیا کیا جائے کہ گہرائی نگلنے سے انکار کرتی ہے۔
"آہ، کہیں کوئی سمندر باقی ہے کہ اس میں کوئی غرق ہو سکے": یہ ہے آواز
ہماری فریاد کی جو پایاب گدلے پانی پر سے گزرتی ہے۔
واقعی مرنے سے تو ہم تنگ آہی چکے ہیں۔ لہٰذا اب ہم کو چاہیئے کہ جاگ اٹھیں
اور زندگی کو جاری رکھیں، قبروں میں"!
یہ باتیں زرتشت نے ایک پیشین گو کو کہتے ہوئے سنیں اور اس کے دل میں
اس کی پیشین گوئی چبھ گئی اور وہ کچھ کا کچھ ہو گیا۔ رنجیدہ اور تھکا ماندہ ہو کر وہ اِدھر
اُدھر پھرنے لگا۔ اور اس کی حالت ویسی ہی ہو گئی جیسی ان لوگوں کی جنکے متعلّق پیشین گو نے
پیشین گوئی کی تھی۔
اس نے اپنے چیلوں سے کہا کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد یہ شام کی دیر پا تاریکی آنے
والی ہے۔ ہائے میں اپنی روشنی کو کس طرح پار اُتاروں گا!
کہیں اس اندوہ میں اس کا گلا نہ گھنٹ جائے۔ یہ روشنی مخصوص ہے

دور تر دنیاؤں اور دور ترین راتوں کے لیے ۔

یوں دل شکستہ ہو کر زردُشت اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔ اور تین دن تین رات اس نے نہ کھایا نہ پیا۔ اس کا سکون اور اس کی گویائی اس سے رخصت ہو گئی ۔ بالآخر ایک روز وہ گہری نیند سو گیا۔ لیکن اس کے چیلے رات رات بھر اس کے گرد بیٹھ کر گزار دیتے تھے ۔ اور ان کو یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ آیا وہ دوبارہ جاگے گا اور پھر تقریر کرے گا اور اپنے رنج والم سے نجات پائے گا کہ نہیں ۔

اور یہ ہے تقریر جو زردُشت نے کی جب کہ وہ بے دار ہوا ۔ لیکن اس کی آواز اس کے چیلوں کو ایسی معلوم ہوتی تھی کہ کہیں دور سے آ رہی ہے :

اے دوستو، ذرا میرا خواب سنو جو میں نے دیکھا ہے اور اس کی تعبیر معلوم کرنے میں میری مدد کرو !

یہ خواب اب تک میرے لیے ایک معمّا ہے۔ اس کی تعبیر خود اسی کے اندر پوشیدہ اور محبوس ہے اور وہ ہنوز خواب کے اوپر کھلے بندوں نہیں اڑتی ۔

میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں زندگی سے دستکش ہوں اور وہ جو سامنے پہاڑ کے اوپر قلعۂ موت ہے میں وہاں رات کا چوکیدار اور قبروں کا پہرے دار ہو گیا ہوں۔

وہیں اوپر میَں موت کے تابوتوں کی پاسبانی کرتا ہوں ۔ اس قسم کی فتح کی نشانیوں سے بدبودار تہ خانوں کے تہ خانے بھرے پڑے ہیں ۔ گزشتہ زندگی شیشے کے تابوتوں میں سے مجھے جھانک رہی ہے ۔

میں گرد آلود ہمیشگیوں کی بدبو سونگھ رہا ہوں ۔ میری روح کا دم گُھٹ رہا ہے اور وہ غبار آلود ہے ۔ اور ایسی جگہ بھلا کون اپنی روح کو تازہ ہوا پہنچا سکتا ہے !

آدھی رات کا نور برابر میرے ساتھ ساتھ لگا ہوا تھا۔ اس کے پاس تنہائی پالتی مارے بیٹھی تھی ۔ اور ان کی تیسری موت کی گرجتی ہوئی خاموشی تھی ، یعنی میری

بدترین دشمن۔

اورمیرے پاس کنجیاں تھیں، تمام کنجیوں سے زیادہ زنگ آلود۔ اوران سے
میں سب سے زیادہ چوں چوں کرنے والے پھاٹک کھول سکتا تھا۔

جب پھاٹک کے دونوں پاٹ اوپر کی طرف اٹھے تو ایک کریہہ وکرخت آواز
لمبی لمبی غلام گردشوں میں سے ہو کر گزری۔ یہ چڑیا بے دردی کے ساتھ چلائی۔ اسے یہ
ناپسند تھا کہ کوئی اسے جگائے۔

جب پھاٹک کی آواز بند ہوگئی اور اس کے چاروں طرف خاموشی چھاگئی اور
اس منحوس خاموشی میں مَیں تنہا رہ گیا تو حالت اور بھی خوفناک اور دل تنگ ہوگیا۔

اس طرح سے وقت چلا گیا اور چپ چاپ گزر گیا، بشرطے کہ وقت کا ہونا تسلیم
کیا جاسکے: اس کو میں کیا جانوں! لیکن بالآخر ایک ایسی بات پیش آئی جس نے مجھے
بیدار کردیا۔

تین بار پھاٹک پر گرج کے دھماکے سے سنائی دیے۔ تین بار گنبدوں میں سے
صدائے بازگشت زورشور سے گونجی۔ تب میں پھاٹک کے پاس گیا۔

میں نے چلا کر پوچھا: ''اَلپا! کون اپنی راکھ پہاڑ پر لیے جارہا ہے؟ اَلپا! اَلپا!
کون اپنی راکھ پہاڑ پر لیے جارہا ہے؟''

اور میں نے کنجی گھمائی اور پھاٹک اٹھانے کے لیے بڑا زور لگایا۔ لیکن وہ
ایک اُنگل بھر بھی نہ ٹسکا۔

تب آندھی سیٹی بجاتی سنسناتی اور چیختی ہوئی بڑے زورشور سے چلنے لگی۔
پھاٹک کے پاٹ دھڑ سے کھل گئے اور ایک سیاہ تابوت میرے پاس آگرا۔

اور شور اور سنسناہٹ سے وہ تابوت پھٹ گیا اور ایک قہقہہ ہزار آواز
اس میں سے پھوٹ نکلا۔

اور بچوّں اور فرشتوں اور الوؤں اور مسخروں اور بچوّں کے برابر تتلیوں کے ہزاروں کریہہ منظر چہرے میرے اوپر ہنسنے اور شور مچانے لگے اور میرا مذاق اڑانے لگے۔

اس پر میں مارے خوف کے سہم گیا اور گر پڑا اور دہشت کی وجہ سے یوں چلاّنے لگا جس طرح کہ کبھی پہلے نہ چلاّیا تھا۔

مگر خود اپنے چلاّنے کی وجہ سے میں بےدار ہو گیا اور ہوش میں آ گیا۔

یہ اپنا خواب بیان کر کے زردشت چپ ہو گیا۔ کیوں کہ ابھی تک اسے اپنے خواب کی تعبیر معلوم نہ ہوئی تھی۔ لیکن اس کا وہ چیلا جو اسے سب سے زیادہ عزیز تھا فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر یوں کہنے لگا:

"ای زردشت، خود تیری زندگی اس خواب کی تعبیر بتاتی ہے۔

کیا تو خود وہ سنسناہٹ اور سیٹی والی آندھی نہیں ہے جو موت کے قلعوں کے دروازوں کو دھڑ سے کھول دیتی ہے؟

کیا تو خود وہ تابوت نہیں ہے جس میں زندگی کی زنگا رنگ شیطانیاں اور فرشتوں کے مسخرے چہرے بھرے ہوئے ہیں؟

واقعی بچوّں کے ہزار آواز قہقہوں کے مانند زردشت ہر تابوت خانے میں جاتا ہے اور چوکیداروں اور قبروں کے پاسبانوں اور باقی ان تمام لوگوں پر ہنستا ہے جو منحوس کنجیاں کھڑکاتے ہیں۔

اس قہقہے سے تو ان کو خوف زدہ کر دے گا اور پچھاڑ دے گا۔ ان کے بیہوش ہو جانے اور ہوش میں آنے سے ان کے اوپر تیری طاقت ثابت ہو جائے گی۔

اور اس وقت بھی جب شام کی طول طویل تاریکی اور تکانِ موت طاری ہو گی تو ہمارے آسمان پر غروب نہ ہو گا، ای طرف دارِ زندگی!

تو نے ہمیں نئے نئے ستارے دکھائے ہیں اور رات کی نئی نئی رونق افروزیاں

واقعی تو نے ہنسی خوشی کو رنگ برنگ خیمے کی طرح ہمارے اوپر تان دیا ہی۔
اب ہمیشہ تابوتوں میں سے بچّوں کی ہنسی پھوٹ کر نکلے گی۔ اور اب ایک قاتح اور تُند آندھی تمام تکانِ موت کا خاتمہ کر دے گی۔ اس کا تو خود ضامن اور پیشین گو ہی۔
واقعی تو نے خواب میں خود انھیں کو دیکھا ہی، اپنے دشمنوں کو۔ یہ تیرا بدترین خواب تھا۔
اور جس طرح تو ان سے بیدار ہو کر اپنے ہوش میں آگیا اسی طرح سے وہ اپنے آپ سے بیدار ہو کر تیرے پاس آئیں گے۔
یہ بھی تقریر چیلے کی۔ اور اب باقی سب لوگ زرتُشت کے پاس جمع ہو گئے اور اس کے ہاتھ پکڑ لیے گویا کہ وہ اپنے بستر اور اپنی غمگینی کو چھوڑ کر ان کے پاس واپس آجائے۔ لیکن زرتُشت اپنی جگہ پر سیدھا بیٹھا رہا اور گم گشتہ نگاہوں سے دیکھا کیا۔ مثل اس شخص کے جو پردیس سے بہت دنوں کے بعد گھر واپس آیا ہو وہ اپنے چیلوں کو دیکھنے اور ان کے چہروں کو جانچنے لگا۔ لیکن ہنوز اس نے انھیں پہچانا نہ تھا۔ جب انھوں نے اسے اٹھا کر پانو کے بل کھڑا کر دیا تو اس کی نظر میں یک بیک تغیر آگیا۔ جو کچھ پیش آیا تھا سب اس کی سمجھ میں آگیا اور اس نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور بآوازِ بلند کہنے لگا:
"اچھّا، تو اس کا وقت آگیا ہی۔ لیکن ای میرے چیلو، اس کا انتظام کرو کہ ہمیں اب اچھا کھانا ملے اور جلد۔ اس طرح سے میں بُرے خواب کا تدارک کرنا چاہتا ہوں۔
مگر پیشین گو میرے پہلو میں بیٹھ کر کھائے اور پیے۔ اور واقعی میں اس کو ایک سمندر بھی دکھاؤں گا جس میں وہ غرق ہو سکے۔"
یہ تھی تقریر زرتُشت کی۔ اس کے بعد وہ اس چیلے کے چہرے کو دیر تک دیکھتا

رہا جس نے خواب کی تعبیر کہی تھی اور اپنا سر ہلاتا رہا۔

نجات

ایک روز جب کہ زردُشت بڑے پُل پر سے گزر رہا تھا تو اسے بہت سے لنجے اپاہجوں اور فقیروں نے آگھیرا اور ایک کبڑا اس سے یوں کہنے لگا:

"دیکھ زردُشت! عوام بھی تجھ سے سیکھتے ہیں اور تیری تعلیم پر ان کا یقین بڑھتا جاتا ہی۔ لیکن اس لیے کہ وہ تیرے بالکل معتقد ہو جائیں ایک بات کی اور ضرورت ہی اور وہ یہ ہی کہ تو ہم لنجے اور اپاہجوں پر بھی اپنا سکہ جما لے۔ اس کے لیے یہاں منتخب لوگ موجود ہیں اور واقعی یہ ایسا موقع ہی جس کی ایک سے زیادہ مانگیں ہیں ۔ تو اندھوں کو بینا کر سکتا ہی اور لنگڑوں کو قوتِ رفتار دے سکتا ہی۔ اور جس کی پیٹھ پر زیادہ بوجھ ہو اس کو تو کسی قدر سبکدوش کر سکتا ہی۔ میری رائے میں یہ بہترین طریقہ ہی لنجے اپاہجوں کو زردُشت پر یقین دلانے کا۔"

لیکن زردُشت نے اس کہنے والے کو یوں جواب دیا: "اگر کبڑے کا کوبڑ دور کر دیا جائے تو گویا اس کی روح لے لی گئی۔ یہ ہی تعلیم عوام۔ اور اگر اندھے کو آنکھیں دے دی جائیں تو وہ دنیا میں بہت سی بری باتوں کو دیکھے گا۔ یہاں تک کہ وہ اس کو کوسے گا جس نے اس کو اچھا کیا ہی۔ اور اگر کسی لنگڑے میں قوتِ رفتار پیدا کر دی تو اس نے اسے سخت نقصان پہنچایا۔ کیوں کہ اس کے چلنے کے ساتھ اس کی برائیاں بھی چل نکلتی ہیں۔ یہ ہی تعلیم قوم کے لنجے اپاہجوں کے متعلق۔ اور زردُشت بھی قوم سے کیوں نہ سیکھے جب قوم زردُشت سے سیکھتی ہی؟

جب سے کہ میں انسانوں کے درمیان ہوں مجھے کم از کم یہ دکھائی دیا ہی: "اِس کی ایک آنکھ ندارد ہی، اُس کا ایک کان اور تیسرے کی ایک ٹانگ۔ اور بعض ایسے

ہیں جن کی زبان غائب ہے یا ناک یا سر۔"

بلکہ میں نے اس سے بھی بدتر حالتیں دیکھیں ہیں اور اب بھی دیکھتا ہوں۔ اور چند تو ایسی ہیبت ناک ہیں کہ میں ان میں سے کسی کا بیان نہیں کر سکتا اور بعض سے سکوت بھی ناممکن: یعنی ایسے لوگ جن کی ہر چیز ندارد ہے اور ایک چیز بافراط موجود ہے، لوگ جو کچھ نہیں ہیں سوائے ایک بڑی آنکھ کے یا ایک بڑے منہ کے یا ایک بڑے پیٹ کے یا کسی اور بڑی چیز کے۔ ایسے لوگوں کا نام میں نے برعکسِ بے دست و پا رکھا ہے۔

اور جب میں اپنے گوشۂ تنہائی سے نکل کر پہلی بار اس پل پر سے گزرا تو مجھے اپنی آنکھوں کا یقین نہ آیا اور میں بار بار نظر دوڑاتا تھا اور بالآخر میں نے کہا: "وہ شخص محض کان ہے، انسان کے برابر کان۔" پھر میں نے اور اچھی طرح سے دیکھا اور واقعی کان کے نیچے کوئی چیز جنبش کر رہی تھی جس کی کوتاہی اور بے بضاعتی اور لاغری پر رحم آتا تھا۔ اور واقعی یہ بھاری بھرکم سر ایک چھوٹے اور پتلے تنکے پر لگا ہوا تھا۔ اور یہ تنکا انسان تھا۔ اگر کوئی شخص خوردبین سے دیکھتا تو اسے ایک چھوٹا سا رشک آلود چہرہ بھی دکھائی دیتا اور اس تنکے میں لٹکتی ہوئی اور سوجی ہوئی روح بھی۔ لیکن قوم نے مجھ سے کہا کہ وہ بڑا کان محض ایک انسان ہی نہیں بلکہ ایک بڑا انسان ہے، ایک آفت کا پرکالہ۔ لیکن قوم جب کبھی بڑے آدمی کا ذکر کرتی ہے تو مجھے اس پر ہرگز یقین نہیں آتا۔ اور میں اپنے اعتقاد پر قایم رہتا ہوں کہ جو کوئی تمام چیزوں میں سے بہت کم اور ایک چیز میں سے بہت زیادہ رکھتا ہے وہ برعکسِ بے دست و پا ہے۔"

جب زردشت گبڑے اور ان لوگوں سے کہہ چکا جن کا وہ وکیل اور شفیع تھا تو وہ نہایت اداس ہو کر اپنے چیلوں کی طرف مخاطب ہوا اور ان سے یوں کہنے لگا:

واقعی اے میرے دوستو، جب میں انسانوں کے درمیان پھرتا ہوں تو ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ گویا میں انسانوں کے ٹکڑوں اور اعضا کے درمیان پھر رہا ہوں۔

یہ میری آنکھوں کے لیے ایک خوفناک نظارہ ہے کہ میں انسان کو ٹکڑے ٹکڑے اور پراگندہ پاتا ہوں جس طرح کہ میدانِ جنگ یا کھنتے ہیں۔

اگر میری نظر حال سے گریز کر کے ماضی کی طرف جاتی ہے تب بھی وہی نظارہ پیش آتا ہے: ٹکڑے اور اعضا اور خوفناک اتفاقات، مگر انسان نہیں۔

زمین کے اوپر ماضی اور حال: ہائے میرے دوستو، یہ میرے لیے سب سے زیادہ ناقابلِ برداشت ہے۔ اور میرے زندہ رہنے کی کوئی سبیل نہ تھی اگر میں اس چیز کو نہ دیکھنا جو ضرور بالضرور آنے والی ہے،

دیکھنے والا، ارادہ رکھنے والا، خلق کرنے والا، بذاتِ خود مستقبل اور مستقبل کا پُل۔ اور ہائے، اس پُل پر شل لنجے اپاہج کے: یہ ہے لباط زردشت کی۔

اور تم نے بھی اکثر اپنے دل سے پوچھا ہے: "ہمارے خیال میں زردشت ہے کون؟ ہمارے نزدیک اس کا کیا نام ہونا چاہیے؟" اور میری ہی طرح تم نے بھی سوالوں کے ذریعے سے جواب دیا ہے۔

کیا وہ وعدہ کرنے والا ہے؟ یا وعدہ وفا کرنے والا؟ فاتح؟ یا وارث؟ خزاں یا پُل؟ طبیب؟ یا صحت یاب مریض؟

کیا وہ شاعر ہے؟ یا راست گو؟ آزاد کرنے والا؟ یا قید کرنے والا؟ نیک؟ یا بد؟

میں انسانوں کے درمیان یوں پھرتا ہوں جیسے کوئی مستقبل کے ٹکڑوں کے درمیان پھرتا ہو، اس مستقبل کے جس کو میں دیکھ رہا ہوں۔

اور یہ ہی میری ساری سر توڑ کوشش ہے کہ میں ان چیزوں کو جوڑ کر ایک دوسرے سے ملا دوں جو ٹکڑے ٹکڑے ہیں اور معمّا اور بے رحم اتفاقات۔

اور میں انسان ہونا کس طرح گوارا کر سکتا ہوں اگر انسان جوڑنے والا اور معمّا

حل کرنے والا اور اتفاقات کا نجات دینے والا بھی نہ ہو۔
گزرے ہوؤں کو نجات دینا اور ہر "یوں ہوا" کو "یوں میری مرضی تھی،، میں
مبدل کر دینا: یہ ہو تو اس کا نام میرے نزدیک نجات ہے۔
عزم: یہ ہے نام آزاد کرنے والے اور مژدہ دینے والے کا۔ اور اسی کی تعلیم،
اے دوستو، میں نے تم کو دی ہے۔ مگر اتنا اور سیکھ لو: خود عزم ہنوز مقیّد ہے۔
عزم رکھنا آزادی دیتا ہے۔ لیکن اس کا کیا نام ہے جو آزاد کرنے والے کو بھی
پابزنجیر کرتا ہے؟ "یوں ہوا" یہ نام ہے عزم کے دانت پیسنے اور تنہا ترین کوفت کا۔ چوں کہ
وہ ہر چیز کے مقابلے میں بے بس ہے جو کی جا چکی ہے لہٰذا وہ ہر گزشتہ چیز کا ایک بُرا
تماش بین ہے۔
عزم واپس جانے کا ارادہ نہیں کر سکتا۔ یہ کہ وہ نہ وقت کو توڑ سکتا ہے اور نہ
وقت کی آرزو کو: یہ ہے عزم کی تنہا ترین کوفت۔
عزم رکھنا آزادی دیتا ہے۔ خود عزم اپنی کوفت سے آزاد ہونے اور اپنے
قید خانے کا مذاق اڑانے کے لیے کیا تدبیر سوچ رہا ہے۔
آہ، ہر قیدی پاگل ہو جاتا ہے۔ اور مقیّد عزم بھی پاگل پنے سے اپنی نجات حاصل کرتا ہے
اس کو یہ حسرت ہے کہ زمانہ پیچھے کی طرف نہیں چلتا "جو ہو چکا ہے" نام ہے اس پتھر کا
جس کو وہ لڑکا نہیں سکتا۔
لہٰذا وہ حسرت اور بے دلی کی وجہ سے پتھر لڑکاتا ہے اور اس شخص سے کینہ نکالتا
ہے جو اس کی طرح غصّے اور بے دلی کو محسوس نہیں کرتا۔
اس طرح سے وہ عزم جو آزاد کرنے والا ہے ایذا رساں ہو جاتا ہے۔ اور وہ ان
سب سے جن میں ایذا اٹھانے کا مادّہ موجود ہے اس لیے کینہ نکالتا ہے کہ وہ لَوٹ
نہیں سکتا۔

یہ، ہاں محض یہ خود کینہ ہے: عزم کی نفرت زمانے اور اس کے "یوں ہوا" سے۔

واقعی ہمارے عزم کے اندر ایک بڑی حماقت ہے۔ اور اس بات نے ہر انسان کو ملعون کر دیا ہے کہ یہ حماقت روح کی معلم ہے۔

کینے کی جان: اے میرے دوستو، یہ اب تک انسانوں کا بہترین مراقبہ تھا۔ اور جہاں تکلیف موجود ہو وہیں ہر وقت سزا کا ہونا بھی ضروری ہے۔

"سزا" یہ تو خود کینے کا دوسرا نام ہے۔ وہ دروغ گوئی کی وجہ سے یہ بھی جھوٹا دعویٰ کرتی ہے کہ اس کا ضمیر صاف ہے۔

اور چوں کہ خود عزم کرنے والے میں تکلیف موجود ہے اس وجہ سے وہ ماضی کا عزم نہیں کر سکتا۔ لہٰذا کُل زندگی اور خود عزم سزا کے مرادف ہے۔

اور پھر روح پر ابر کے ابر چھا گئے یہاں تک کہ مجنون نے یہ وعظ دیا: "ہر چیز فنا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ہر چیز اس قابل ہے کہ فنا ہو جائے!"

"اور قانونِ وقت کے مطابق انصاف یہی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو کھا جائے": یہ ہے وعظ جنون کا۔

"قاعدتاً چیزوں کو انصاف اور سزا کی بنا پر ترتیب دیا گیا ہے۔ ہائے، چیزوں کے بہاؤ اور سزا کے "وجود" سے کہاں نجات ملتی ہے؟" یہ ہے وعظ جنون کا۔

"جب ابدی انصاف موجود ہے تو پھر نجات کا کیا ٹھکانا؟ ہائے "یوں ہوا" کا پتھر لڑھک نہیں سکتا۔ لہٰذا سزائیں بھی جاری رہنی چاہییں"، یہ ہے وعظ جنون کا۔

"کوئی عمل محو نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ سزا دینے سے وہ عمل مٹ جائے! سزا کے 'وجود' میں یہ ہی تو لافانی چیز ہے کہ وجود برابر عمل اور جرم میں چکر لگاتا رہتا ہے۔

"ہاں یہ اس وقت نہیں ہو سکتا ہے جب کہ عزم خود تحلیل ہو جائے اور عزم کرنا

عدمِ عزم میں مبدّل ہو جائے "۔ لیکن میرے بھائیو، تم تو جنون کے اس گیت سے جو محض
قصّے کہانیوں میں آتا ہے واقف ہو۔
میں نے تم کو قصّے کہانیوں کے اس گیت سے برطرف کر دیا تھا جب کہ میں نے تم
کو یہ تعلیم دی تھی: "عزم ایک خالق چیز ہے"
تمام "یوں ہوا" ایک ناچیز ٹکڑا اور ایک معمّا اور بے رحم اتفاق ہے جب تک کہ
خالق عزم اس پر اضافہ نہ کرے: "مگر میں اس کو یوں چاہتا تھا!"
اور جب تک خالق عزم یہ اضافہ نہ کرے: "مگر میں اس کو یوں چاہتا ہوں! میں
اس کو یوں چاہوں گا!"
مگر کیا عزم نے کبھی اس طرح کہا ہے؟ اور ایسا واقعہ پیش آتا کب ہے؟ کیا عزم
کے اوپر سے کاٹھی اتار لی گئی ہے؟
کیا عزم خود اپنا آزاد کن اور مژدہ رساں ہو گیا ہے؟ کیا وہ کینے کی جان اور
دانت پیسنے کو بھول گیا ہے؟'
اور زمانے کے ساتھ صلح کرنے کو اور تمام صلحوں سے بڑھ کر چیز کو اسے کس نے
سکھایا ہے؟
صلح سے بڑھ کر وہی عزم خواہاں ہو سکتا ہے جس کا نام عزمِ اقتدار ہے۔ مگر وہ یہ کر
کس طرح سکتی ہے؟ اس عزم کو رجعتِ قہقری کون سکھاتا ہے؟
زرتشت نے یہاں تک تقریر کی تھی کہ وہ یک بیک خاموش ہو گیا اور اس
شخص کی مانند اِدھر اُدھر دیکھنے لگا جو بے انتہا سہم گیا ہو۔ خوف زدہ نگاہوں سے وہ
اپنے چیلوں کو دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہیں اس کے خیالات اور پس خیالات میں تیر کی طرح
چبھنے لگیں۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ پھر ہنسنے لگا اور اطمینان کے ساتھ اس نے کہا:
انسانوں کے ساتھ رہنا مشکل ہے۔ کیوں کہ خاموشی بہت مشکل امر ہے، بالخصوص

اس کے لیے جو بکّی ہو"

یہ تھی تقریر زرتُشت کی۔ لیکن کبڑے نے اپنا مُنہ ڈھانپ کر یہ تقریر سنی تھی۔ مگر جب اس نے زرتُشت کو ہنستے ہوئے سنا تو وہ اسے غور سے دیکھنے لگا اور وہ رک رک کر یہ کہتا جاتا تھا:

لیکن اس کی وجہ کیا ہی کہ زرتُشت ہم سے اور باتیں کرتا ہی اور اپنے چیلوں سے اور؟

زرتُشت نے جواب دیا: " اس میں تعجب کی کیا بات ہی! کُبڑوں کے ساتھ کُبڑی باتیں کرنی چاہییں۔"

کُبڑے نے کہا: " خوب، اور چیلوں سے مکتب کی باتیں کرنی چاہییں۔

لیکن اس کی کیا وجہ ہی کہ زرتُشت اپنے چیلوں سے اور باتیں کرتا ہی اور اپنے آپ سے اور؟"

انسانی ہوش مندی

بلندی خوفناک نہیں ہی بلکہ گہرائی،

وہ گہرائی جہاں کہ نگاہ نیچے کی طرف پھسلتی ہی اور ہاتھ اوپر کی طرف اچکتا ہی۔

ایسی جگہ پر دل میں اپنے دُہرے عزم کی وجہ سے چکّر آنے لگتا ہی۔

آہ دوستو، کیا تمھیں میرے دل کے دُہرے عزم کا راز کھل گیا؟

یہ ہی تو میری گہرائی اور میرا خطرہ ہی کہ میری نظر اوپر کی طرف گرتی ہی اور میرا ہاتھ گہرائی پر ٹکنا اور سہارا لینا چاہتا ہی۔

میرا عزم انسان سے لپٹتا ہی۔ میں اپنے آپ کو زنجیر کے ساتھ انسان سے باندھنا چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ میری کشش اوپر کو فوق البشر کی طرف ہی۔ کیوں کہ میرا

دوسرا عزم وہاں جانا چاہتا ہے۔

اور اس وجہ سے میں انسانوں میں مثل اندھے شخص کے رہتا ہوں۔ گویا کہ میں ان کو پہچانتا نہیں۔ تاکہ کہیں میرے ہاتھ کا عقیدہ مضبوط چیز کے اوپر سے بالکل اٹھ نہ جائے۔

میں تم انسانوں کو نہیں پہچانتا۔ اس قسم کی تاریکی اور دلاسا اکثر میرے ارد گرد پھیلایا گیا ہے۔

میں بدمعاشوں کی تاک میں پھاٹک پر بیٹھتا ہوں اور ان سے یہ سوال کرتا ہوں: کون چاہتا ہے کہ مجھے دھوکا دے؟

یہ میری پہلی انسانی ہوش مندی ہے کہ میں دھوکا کھانا چاہتا ہوں تاکہ مجھے اپنے آپ کو دغابازوں سے بچانا نہ پڑے۔

آہ، اگر میں اپنے آپ کو انسان سے بچائے رکھتا تو انسان میری گیند کا لنگر کیوں کر ہو سکتا تھا۔ ورنہ وہ تو مجھے نہایت آسانی سے اوپر کی طرف کھینچ کر پھینک دیتا

یہ احتیاط میری قسمت سے بالاتر ہے کہ مجھے کسی احتیاط کی ضرورت نہیں۔

اور جو یہ نہیں چاہتا کہ انسانوں میں رہکر بالکل بے کار ہو جائے اس کو چاہیے کہ ہر آب خورے سے پانی پینا سیکھے۔ اور جو صاف ستھرا رہنا چاہتا ہے۔ انسانوں کے درمیان میں اسے اپنے آپ کو میلے پانی سے بھی دھونا جاننا چاہیے۔

اور میں نے بغرض تسلی اکثر اپنے دل سے یہ کہا ہے: "اُٹھ! مضبوط ہو! اے بڈھے دل! تیری ایک بدوقتی تو بگڑ گئی۔ اس سے اپنی خوش وقتی کا حظ اُٹھا!"

اور میری دوسری انسانی ہوش مندی یہ ہے: میں مغرور لوگوں سے زیادہ خود پسند لوگوں کی احتیاط کرتا ہوں۔

کیا مجروح خود پسندی ہر غم ناک نقالی کی ماں نہیں ہے؟ مگر جب غرور

مجروح ہوتا ہے تو وہاں غرور سے بڑھ کر کوئی چیز پیدا ہو جاتی ہے۔

تاکہ زندگی آنکھوں کو بھلی معلوم ہو اس کا کھیل خوبی کے ساتھ کھیلا جانا چاہیے۔ مگر اس کے لیے عمدہ نقالوں کی ضرورت ہے۔

تمام خود پسندوں کو میں نے عمدہ نقال پایا ہے۔ وہ تماشا کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگ ان کو خوشی سے دیکھیں۔ اس عزم میں ان کا سارا دل لگا ہوا ہے۔

وہ اپنا کھیل تماشا دکھاتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ایجاد کرتے ہیں۔ میں ان کے قریب ہو کر زندگی کا نظارہ کرنا پسند کرتا ہوں۔ یہ غم گینی کا علاج ہے۔

اس لیے میں خود پسندوں کا طرف دار ہوں کہ وہ میری غم گینی کے طبیب ہیں اور مجھے انسان کے ساتھ جکڑ کر رکھتے ہیں جس طرح کسی کھیل تماشے میں۔

اور اس کے بعد: خود پسند کے انکسار کی کل گہرائی کو کون ناپ سکتا ہے! اس کے اسی انکسار کی وجہ سے میں اس سے محبت اور ہمدردی رکھتا ہوں۔

وہ تم سے یہ سیکھنا چاہتا ہے کہ اپنے اوپر کس درجہ اعتقاد رکھے۔ تمھاری نگاہوں سے اسے تقویت حاصل ہوتی ہے۔ وہ اپنی تعریف تمھارے ہاتھوں میں سے چرتا ہے۔

جب تم اس کی تعریف کرتے ہو تو وہ تمھارے جھوٹ کو بھی سچ مانتا ہے۔ کیوں کہ اس کا دل اندر ہی اندر آہ بھر کر یہ کہتا ہے: ”میں ہوں کیا!“

اور اگر سچی نیکی یہی ہے کہ اس نیکی کو خود اپنی خبر نہ ہو تو خود پسند کو فی الواقع اپنے انکسار کی خبر نہیں۔

اور میری تیسری انسانی ہوش مندی یہ ہے کہ میں تمھاری بزدلی کی وجہ سے بُروں کو دیکھنے سے بیزار نہیں ہوتا۔

میں ان عجائبات کو دیکھ کر دل سے خوش ہوتا ہوں جو گرم سورج کی پیدا کردہ ہیں: چیتے اور کھجور اور کٹکٹانے والے سانپ۔

انسانوں میں بھی گرم سورج کی خوب صورت نسل موجود ہی۔ اور بُرے لوگوں میں بھی بہت سی تعجّب انگیز باتیں پائی جاتی ہیں۔

یہ درست ہی کہ جس طرح تمھارے بڑے سے بڑے دانشمند مجھے کچھ ایسے دانشمند معلوم نہیں ہوتے اسی طرح میں نے انسانوں کی بدی کو اس کی شہرت سے کم پایا ہی۔

اور اکثر میں نے افسوس کے ساتھ یہ سوال کیا ہی: اب اور زیادہ تم کیوں کِٹکِٹاتے ہو، ای کِٹکِٹانے والے سانپو؟

واقعی بدی کا بھی ایک مستقبل ہی۔ اور گرم ترین خطۂ جنوبی الشان کے لیے ہنوز دریافت نہیں ہوا ہی۔

آج کل کی بری سے بری بدی محض بارہ جوتے چوڑی اور تین مہینے لمبی ہی۔ لیکن ایک دن آنے والا ہی جب اس سے بڑے اژدہے دنیا میں ظاہر ہوں گے۔

تاکہ فوق البشر کے پاس اس کے اژدہے کی کمی نہ ہو، یعنی مہا اژدہے کی جو اس کے شایانِ شان ہو، اس کے لیے مرطوب جنگلوں میں ابھی بہت دنوں تمتماتے ہوئے سورج کے چمکنے کی ضرورت ہی۔

تمھاری جنگلی بلیوں کو پہلے چیتا بننا ہی اور تمھارے زہریلے مینڈکوں کو مگرمچھ۔ کیوں کہ اچھّے شکاری کو اچھّے شکار کی ضرورت ہی۔

اور واقعی، ای نیکو اور خدا ترسو، تم میں بہت سی چیزیں قابلِ مضحکہ ہیں اور بالخصوص تمھارا ڈرنا اس سے جس کا نام اب تک "شیطان" ہی۔

تمھاری روح ذاتِ بزرگ سے اس قدر غیر مانوس ہی کہ فوق البشر کی نیکی تمھارے لیے سخت خوفناک ہوگی۔

اور ای دانشمندو اور عالمو، دانشمندی کی جن گرم شعاعوں میں فوق البشر

برہنہ نہاتے گا تم ان سے کوسوں دور بھاگو گے۔

اے بزرگ ترین انسانو جو میرے سامنے ہو! تمھارے اوپر میرا شک وشبہہ اور میرا خندۂ پوشیدہ یہ ہے: مجھے یہ معلوم ہوگیا ہے کہ تم میرے فوق البشر کا نام شیطان رکھو گے۔

آہ، میں ان بزرگ ترین اور بہترین لوگوں سے تنگ آگیا ہوں۔ ان کی بزرگی مجھے اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ میں اس سے اوپر کی طرف اور باہر اور دور ہو کر فوق البشر کی طرف چلتا ہوں۔

جب ان بہترین لوگوں کو میں نے برہنہ دیکھا تو مجھ پر ایک وحشت طاری ہوگئی۔ اور اڑ کر مستقبلِ بعید میں چلے جانے کے لیے میرے پَر نکل آئے،

بلکہ تمام خالقوں کے خواب وخیال سے بعید تر مستقبلوں اور جنوب تر جنوبوں میں۔ وہاں جہاں کہ خداؤں کو ہر قسم کے لباس سے شرم آتی ہے۔

مگر تمھیں میں نہ محض لباس میں دیکھنا چاہتا ہوں، اے ہمسایو اور ہم انسانو، بلکہ بہ حیثیت "نیک اور خدا ترس لوگوں" کے اچھے اور خود پسند اور قابلِ احترام لباس میں۔

اور میں بھی لباس پہن کر تمھارے درمیان میں بیٹھنا چاہتا ہوں تاکہ نہ میں تم کو پہچان سکوں اور نہ اپنے آپ کو۔ یہ ہے میری آخری انسانی ہوش مندی۔

یہ تھی تقریر زردشت کی

خاموش ترین گھڑی

اے میرے دوستو، مجھے کیا ہوگیا ہے؟ تم مجھے اس طرح دیکھ رہے ہو جیسے کوئی گھبرایا ہوا اور راندۂ درگاہ اور ناراضامند پیرو اور آمادۂ رخصت ہو۔ ہائے، تم

لوگوں کو چھوڑ کر چلا جانا!

ہاں زرتشت پھر ایک بار اپنے گوشۂ تنہائی میں جانے پر مجبور ہے۔ لیکن اس مرتبہ ریچھ اپنے غار میں اپنی خوشی سے نہیں جانا چاہتا۔

مجھے کیا ہو گیا! یہ مجھے کس نے حکم دیا؟ آہ میری ناراض مالکہ کی یہ مرضی ہے۔ وہ مجھ سے کہ چکی ہے۔ کیا میں نے کبھی پہلے تم سے اس کا نام لیا ہے؟

کل شام کے قریب میری خاموش ترین گھڑی نے مجھ سے باتیں کیں۔ یہ ہے نام میری خوفناک مالکہ کا۔

اور اس طرح سب کچھ طے ہو چکا ہے۔ مجھے تم سے ہر بات کہنی ضروری ہے تاکہ یک بیک رخصت ہو جانے والے کے خلاف تمھارا دل سخت نہ ہو جائے۔

کیا تمھیں سو جانے والے کی دہشت کی خبر ہے؟

وہ پاؤں کی انگلیوں تک سہم جاتا ہے۔ کیوں کہ زمین اس کے پاؤں کے نیچے سے نکل جاتی ہے اور خواب شروع ہو جاتا ہے۔

یہ میں نے تم سے بطور تشبیہ کے کہا ہے۔ کل خاموش ترین گھڑی میں زمین میرے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی اور خواب شروع ہوا۔

سوئی آگے بڑھی۔ میری زندگی کی گھڑی نے سانس لی۔ میرے ارد گرد کبھی پہلے اتنی خاموشی نہ تھی۔ یہاں تک کہ میرا دل دھک سے ہو گیا۔

تب زندگی نے بغیر آواز کے مجھ سے کہا: "زرتشت، تجھے یہ معلوم ہے؟"

اور میں اس کانا پھوسی پر خوف کے مارے چلّانے لگا اور میرا چہرہ فق ہو گیا مگر میں چپ رہا۔

تب اس نے دوبارہ بغیر آواز کے مجھ سے کہا: "زرتشت، تجھے یہ معلوم تو ہے لیکن تو اسے کہتا نہیں۔"

اور بالآخر میں نے برانگیختہ ہو کر جواب دیا: "ہاں میں اسے جانتا ہوں مگر زبان پر لانا نہیں چاہتا۔"

تب اس نے پھر بغیر آواز کے مجھ سے کہا: "زردشت تو نہیں کہنا چاہتا؟ کیا یہ سچ ہی؟ اپنی برانگیختگی کی آڑ نہ لے!"

اور میں بچّے کی طرح رونے اور کانپنے لگا اور میں نے کہا: ہای، میں کہنا تو چاہتا تھا مگر کیوں کر کہوں! صرف اسی کی میں معافی چاہتا ہوں۔ یہ میری طاقت سے باہر ہی۔"

تب پھر اس نے بغیر آواز کے مجھ سے کہا: "زردشت، تو ہی کیا! اپنی بات کہ ڈال اور ہلاک ہو جا!"

اور میں نے جواب دیا: "آہ، کیا یہ میرے الفاظ ہیں؟ میں ہوتا کون ہوں؟ میں محترم تر شخص کا منتظر ہوں۔ میں اس کے سامنے محض ہلاک ہونے کے قابل بھی نہیں۔"

تب پھر اس نے بغیر آواز کے مجھ سے کہا: "تو ہوتا کون ہی؟ تجھ کو تو میں اب تک کافی منکسر المزاج بھی نہیں سمجھتی۔ انکسار کا چمڑا سخت ترین ہوتا ہی۔"

اور میں نے جواب دیا: "میرے انکسار کے چمڑے نے کیا کچھ برداشت نہیں کیا! میں اپنی بلندی کے دامن میں مقیم ہوں۔ میری چوٹیاں کتنی بلند ہیں؟ یہ ابھی تک مجھ سے کسی نے نہیں کہا۔ لیکن میں اپنی وادیوں کو خوب پہچانتا ہوں۔"

تب پھر اس نے بغیر آواز کے مجھ سے کہا: "ای زردشت، جس کا کام پہاڑوں کو سرکانا ہی وہ وادیوں اور نشیبوں کو بھی سرکا سکتا ہی۔"

اور میں نے جواب دیا: "ابھی تک میرے الفاظ نے کسی پہاڑ کو نہیں سرکایا اور جو کچھ میں نے بیان کیا ہی وہ لوگوں تک نہیں پہنچا۔ میں انسان کے پاس گیا تو

ہوں لیکن ہنوز ان تک پہنچا نہیں "

تب پھر اس نے بغیر آواز کے مجھ سے کہا: "تو یہ کیا جانے! اوس اس وقت گھاس پر گرتی ہو جب رات ساکت ترین ہوتی ہو"

اور میں نے جواب دیا: "جب میں نے اپنا راستا پالیا اور چل کھڑا ہوا تو لوگ میرا مذاق اڑانے لگے اور واقعی اس وقت میرے پانو کانپ رہے تھے،

اور وہ مجھ سے یوں کہنے لگے "تو راستا تو بھول ہی چکا تھا اب چلنا بھی بھول گیا"

تب پھر اس نے بغیر آواز کے مجھ سے کہا: "ان کا مذاق ہو گیا! تو ایک ایسا شخص ہو جو فرماں برداری بھول چکا ہو۔ اب تجھے حکم چلانا چاہیے!"

کیا تجھے معلوم نہیں کہ کون شخص سب کے واسطے سب سے زیادہ ضروری ہو۔

وہ جو کہ بڑی چیزوں پر حکم چلاتا ہو

بڑے کام کا انجام دینا مشکل ہو۔ لیکن اس سے بھی مشکل بڑی چیزوں پر حکم چلانا ہو۔

یہ تیری بات بالکل ناقابل معافی ہو: "تیرے پاس قوت ہو لیکن تو حکومت نہیں کرنا چاہتا"

اور میں نے جواب دیا: "حکم چلانے کے لیے مجھ میں شیر کی آواز کی کمی ہو"

تب پھر اس نے چپکے سے میرے کان میں کہا: "خاموش ترین الفاظ ہی طوفان بپا کرتے ہیں۔ خیالات جو کبوتر کی چال چلتے ہیں دنیا کی رہنمائی کرتے ہیں۔

اے زردشت، تجھے اس کے سائے کی طرح چلنا چاہیے جس کا آنا لابدی ہو۔ اگر تو اس پر کاربند ہوگا تو تو اس پر حکم چلائے گا اور حکم چلاتا ہوا پیش قدمی کرے گا"

اور میں نے جواب دیا: "مجھے شرم آتی ہو"

تب پھر اس نے بغیر آواز کے مجھ سے کہا: "تجھے ابھی بچہ بننا ہو اور شرم دور کرنی ہو

جوانی کا غرور اب تک تیرے سر پر سوار ہی۔ تیری جوانی دیر میں آئی۔ لیکن جو شخص بچّہ ہونا چاہتا ہی اسے اپنی جوانی سے بھی گزر جانا چاہیے۔"

اور میں بہت دیر تک سوچتا رہا اور کانپا گیا۔ لیکن آخر کار میں نے وہی کہا جو پہلے کہا تھا "میں نہیں چاہتا ہوں۔"

اس وقت میرے چاروں طرف قہقہہ مچ گیا۔ افسوس، اس قہقہے نے کس طرح میری آنتیں پھاڑ ڈالیں اور میرا دل چاک کر ڈالا!

اور اس نے آخری مرتبہ مجھ سے کہا: "ای زردشت! تیرے پھل پختہ ہو گئے ہیں۔ لیکن تو اپنے پھلوں کے لیے ابھی پختہ نہیں ہوا۔

لہٰذا تجھے اپنے گوشۂ تنہائی میں جانا چاہیے! کیوں کہ تجھے ابھی پختہ ہونا باقی ہی"

اور وہ پھر ہنسنے لگی اور بھاگی۔ پھر میرے چاروں طرف سناٹا ہو گیا، ایسا جیسے سناٹے پر سناٹا ہو جاتا ہی۔ مگر میں زمین پر پڑا ہوا تھا اور میرے عضو عضو سے پسینا بہ رہا تھا

اب تم نے سارا قصّہ سن لیا اور یہ بھی کہ کیوں مجھے اپنے گوشۂ تنہائی میں واپس جانا چاہیے۔ کوئی بات میں نے تم سے چھپائی نہیں، ای دوستو!

اور یہ بھی تم مجھ سے سن چکے ہو کہ کون شخص اب تک خاموش ترین ہی اور رہنا چاہتا ہی۔

آہ، میرے دوستو، مجھے تم سے کچھ اور بھی کہنا ہی، مجھے تم کو کچھ اور بھی دینا ہی۔ وہ میں دیتا کیوں نہیں؟ کیا میں بخیل ہوں

جب زردشت یہ سب کہہ چکا تو اسے سخت درد اور اپنے دوستوں سے جدائی کا قرب محسوس ہوا یہاں تک کہ وہ زور زور سے رونے لگا اور لوگ اس کو تسلی دینے سے عاجز آ گئے۔ تاہم وہ رات کے وقت اپنے دوستوں کو چھوڑ کر تنہا روانہ ہو گیا۔

کلام زرُدشت

تیسرا دفتر

" جب تمھیں اپنے آپ کو بلند کرنے کی خواہش ہوتی ہے تو تم نظر اوپر اٹھاتے ہو۔ مگر میں نیچے کی طرف دیکھتا ہوں کیوں کہ میں بلندی پر ہوں۔
تم میں سے کون ہے جو ایک ساتھ ہنسے بھی اور بلندی پر بھی ہو۔
جو سب سے اونچے پہاڑوں پر چڑھتا ہے وہ ہر ایک غم ناک کھیل اور غم آلود سنجیدگی پر ہنستا ہے۔"

زرُدشت،

لکھنا پڑھنا۔ پہلا دفتر صفحہ ۴۲

سَیّاح

آدھی رات کے قریب زردُشت نے جزیرے میں چلنا شروع کیا تاکہ وہ علی الصباح دوسرے ساحل پر پہنچ جائے۔ کیوں کہ وہاں وہ جہاز پر سوار ہونا چاہتا تھا۔ اس جگہ ایک نفیس بندرگاہ تھا جہاں دوسرے ملکوں کے جہاز بھی آکر لنگر ڈالتے تھے اور مبارک جزیروں سے بہت سے مسافر سمندر پار لے جاتے تھے۔ لہٰذا جب زردُشت پہاڑ پر چڑھا تو اسے راستے میں جوانی سے لے کر اب تک کی متعدد تنہا سیاحتیں اور کتنے کچھ پہاڑ اور پشتِ کوہ اور چوٹیاں جن پر وہ چڑھا تھا یاد آئیں۔

اس نے اپنے دل سے کہا: "میں ایک سیاح اور کوہ پیما ہوں۔ مجھے میدانوں سے محبت نہیں۔ اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں دیر تک چپ چاپ بیٹھ نہیں سکتا۔ اور قسمت اور تجربہ چاہے جو کچھ مجھے دکھلائے تاہم سیاحت اور پہاڑ پر چڑھنا تو ملے ہی گا۔ بالآخر انسان کو جو تجربہ ہوتا ہے وہ خود اپنا ہوتا ہے۔

وہ وقت جاتا رہا جب مجھے اتفاقات بھی پیش آیا کرتے تھے۔ مگر اب کون سی چیز پیش آسکتی ہے جو پہلے سے میری ملکیت نہ ہو!

میرا اپنا 'خود' اور اس کا وہ حصّہ جو مدّت سے پردیس میں تھا اور تمام چیزوں اور اتفاقات کے اندر منتشر تھا بالآخر واپس آرہا ہے اور میرے گھر کو لوٹ رہا ہے۔

اور میں ایک بات اور جانتا ہوں: اب میں اپنی آخری چوٹی کے سامنے آکھڑا ہوا ہوں اور اس چیز کے سامنے جو بے حد دیر تک میرے لیے اٹھا رکھی گئی تھی۔ آہ، مجھے اپنے سخت ترین راستے پر چلنا پڑتا ہے! آہ، میں نے اپنی تنہا ترین سیاحت

شروع کردی ہو!

لیکن جو شخص میری طبیعت کا ہو وہ ایسی گھڑی سے بچ نہیں سکتا، ایسی گھڑی جو اس سے کہتی ہو: "اب اس وقت تو اپنے بڑائی کے راستے پر چل رہا ہو۔ چوٹی، اور کھڈ: اب یہ دونوں مرادف ہیں۔

تو اپنے بڑائی کے راستے پر چل رہا ہو۔ جس چیز کا نام اب تک تیرا آخری خطرہ تھا وہ اب تیرا آخری ماوا وملجا بن گیا۔

تو اپنے بڑائی کے راستے پر چل رہا ہو۔ تیری ہمت کا یہ مقتضا ہونا چاہیے کہ اب تیرے لیے لوٹنے کا کوئی راستا باقی نہیں رہا۔

تو اپنے بڑائی کے راستے پر چل رہا ہو۔ یہاں کسی شخص کو تیرے پیچھے پیچھے نہ آنا چاہیے! خود تیرے قدم نے تیرے پیچھے راہ کو مٹا دیا ہو۔ اور اس کے اوپر یہ لکھا ہوا ہو: ناممکن۔

اور اگر اب تیرے پاس کوئی سیڑھی بھی نہ ہو تو تجھے خود سر کے بل چڑھنا جاننا چاہیے۔ ورنہ اور کس طرح سے تو اوپر چڑھے گا؟

خود اپنے سر کے بل اور خود اپنے دل کے پار! تیری نرم ترین چیز اب سخت ترین ہو جانی چاہیے۔

جس نے اپنے آپ کو ہمیشہ بچا کر رکھا ہو وہ بہت بچاؤ کی وجہ سے بیمار پڑ جاتا ہو۔ تعریف ہو اس چیز کی جو سخت بنا دیتی ہو۔ میں اس سرزمین کی تعریف نہیں کرتا جہاں گھی اور شہد بہتا ہو۔

یہ ضروری ہو کہ اپنے آپ سے ہٹ کر دیکھنا سیکھا جائے تاکہ بہت سی چیزیں نظر آئیں۔ ہر کوہ پیما کے لیے اس سختی کی ضرورت ہو۔

لیکن جو شخص صاحبِ معرفت ہو کر آنکھوں سے مداخلتِ بے جا کرتا ہو وہ

چیزوں کے محض سطحی دلائل کے علاوہ کیا دیکھ سکتا ہے!

لیکن اے زرتشت تو ہر چیز کی دلیل اور دلیل کی جڑ کو دیکھنا چاہتا ہے۔ لہذا تجھے اپنے آپ سے بلند ہونا چاہیے۔ اوپر کو، بلندی کی طرف، یہاں تک کہ خود تیرے ستارے بھی تیرے نیچے آجائیں۔

ہاں! نیچے دیکھنا چاہیے میری طرف اور میرے ستاروں کے بھی طرف۔ میرے نزدیک یہ میری چوٹی کا نام ہے۔ یہ ہی آخری چوٹی اب میرے لیے باقی رہ گئی ہے۔

یہ وہ باتیں تھیں جو زرتشت نے اپنے دل کو سخت مقولوں سے تسلی دیتے ہوئے چڑھتے وقت اپنے آپ سے کہیں۔ کیوں کہ اس کا دل ایسا زخمی ہو گیا تھا جیسا کہ کبھی پہلے نہیں ہوا تھا۔ اور جب وہ پشتِ کوہ کی بلندی پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک اور سمندر اس کے سامنے بچھا ہوا ہے۔ اور وہ چپ چاپ کھڑا کا کھڑا رہ گیا اور دیر تک خاموش رہا۔ لیکن اس بلندی پر رات سرد تھی اور مطلع صاف تھا اور ستارے چمک رہے تھے۔

بالآخر اس نے افسوس کے ساتھ کہا: "میں اپنی قسمت کو پہچانتا ہوں۔ اچھا! میں تیار ہوں۔ میری آخری تنہائی ابھی شروع ہوئی ہے۔"

آہ، یہ تاریک اور غم گین سمندر میرے نیچے! آہ، یہ حاملہ شبانہ کلفت! آہ، قسمت اور سمندر! مجھے اتر کر تمھارے پاس جانا چاہیے!

میں اپنے بلند ترین پہاڑ اور اپنی طویل ترین سیاحت کے روبرو کھڑا ہوں۔ لہذا مجھے اتنا نیچے اترنا چاہیے جتنا کہ کبھی پہلے نہ اُترا تھا۔

درد کے اندر اتنا سرایت کرنا چاہیے جتنا کبھی پہلے میں نے نہ کیا ہو، یہاں تک کہ میں اس کے تاریک سیلاب تک پہنچ جاؤں۔ یہ ہے مقتضا میری قسمت کا۔ اچھا! میں تیار ہوں۔

یہ اونچے اونچے پہاڑ کہاں سے آئے ہیں؟ یہ سوال میں نے ایک مرتبہ کیا تھا۔ تب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ سمندر سے آتے ہیں۔

یہ گواہی ان کے پتھروں اوران کی دیواروں میں کندہ ہے۔ بلند ترین چیز کا پست ترین چیز سے اپنی بلندی پر پہنچنا لازمی ہے۔

یہ تھیں باتیں زردشت کی پہاڑ کی چوٹی پر جہاں سردی تھی۔ لیکن جب وہ سمندر کے قریب پہنچا اور بالآخر ساحلی پہاڑیوں کے درمیان کھڑا ہوا تھا تب اسے راہ کی تھکن محسوس ہوئی اور اس کا اشتیاق پہلے سے زیادہ ہوگیا۔

اُس نے کہا: "اب تک ہر چیز سورہی ہے۔ سمندر بھی سورہا ہے۔ اور وہ اپنی خمار آلود اور عجیب وغریب نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا ہے۔

مگر وہ گرم سانسیں لے رہا ہے۔ میں اسے محسوس کر رہا ہوں۔ اور میں یہ بھی محسوس کر رہا ہوں کہ وہ خواب دیکھ رہا ہے۔ وہ نیند میں سخت تکیوں پر کروٹیں بدل رہا ہے۔

سنو! سنو! وہ گزشتہ برائیوں کی یاد کرکے کس طرح کراہ رہا ہے! یا آیندہ کی برائیوں کی؟

ہای، ہم تم دونوں ملول ہیں، ای شگوں عجیب الخلقت! اور تیری وجہ سے میں خود اپنے آپ سے ناراض ہوں۔

آہ، میرے ہاتھ میں کافی زور نہیں۔ واقعی میرا دل چاہتا ہے کہ میں تجھے بُرے خوابوں سے چھٹکارا دوں۔

اور جب زردشت نے یہ کہا تو وہ خود اپنے اوپر ملال اور ترش روئی سے ہنسنے لگا اور اس نے یہ کہا: "کیوں! زردشت! کیا تو سمندر کو بھی تسلّی بخش راگ سنائے گا؟

آہ، محبّت آمیز بے وقوف زردشت، ای اعتماد میں مگن! لیکن تو توہمیشہ

یوں ہی تھا۔ تو خوفناک چیزوں کا ہمیشہ یار غار رہا ہی۔

تو چاہتا ہی کہ اژدھے پر ہاتھ پھیرے۔ تھوڑی سی گرم سانس، تھوڑا سا نرم بالوں کا گچھا پنجے کے اوپر: اور تو اسے چمکارنے اور سدھانے کے لیے فوراً تیار ہو جاتا ہی۔

محبّت گوشہ نشین کے لیے خطرناک ہی، محبت ہر اس چیز کی جس میں زرا بھی جان ہو۔ محبّت میں میری حماقت اور انکسار واقعی مضحکہ انگیز ہیں۔

زردشت نے یہ کہا اور دوبارہ ہنسنے لگا۔ اس وقت اسے اپنے بچھڑے ہوئے دوستوں کی یاد آئی۔ اور اپنی اس یاد کی وجہ سے وہ اپنے اوپر سخت ناراض ہوا۔ گویا کہ وہ ان کو یاد کرنے کی وجہ سے ان کا مرتکبِ گناہ ہوا۔ اور فوراً یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ خندہ زن رونے لگا۔ غصّے اور آرزو پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رویا۔

ظاہر و باطن

(۱)

جب اہلِ جہاز میں یہ خبر پھیلی کہ زردشت جہاز پر ہی، کیوں کہ مبارک جزائر کا ایک باشندہ اس کے ساتھ جہاز پر سوار ہوا تھا۔ تو ان میں بے حد اشتیاق اور آرزوئیں پیدا ہو گئیں۔ لیکن زردشت دو رات دن خاموش رہا کیوں کہ وہ غم گینی کی وجہ سے بے حس اور بہرا ہو گیا تھا، یہاں تک کہ وہ نہ اشاروں کا جواب دیتا تھا اور نہ سوالوں کا۔ لیکن دوسرے دن شام کو اس نے اپنے کان کھولے اگرچہ زبان سے کچھ نہ کہا۔ کیوں کہ اس جہاز پر بہت سی عجیب و غریب اور خوفناک باتیں سننے میں آتی تھیں جو دور سے آئی تھیں۔ اور دور تر جا رہی تھیں۔ اور زردشت کو تمام ایسے لوگوں سے محبّت تھی جو دور و دراز کا سفر اور خطرے کی زندگی پسند کرتے تھے اور واقعی سنتے سنتے خود اس کی زبان کھل گئی اور اس کے دل کا برف پگھل گیا۔

تب وہ یوں گویا ہوا :

تم سے ، اے بہادر تلاش کرنے والو اور کوشش کرنے والو ، اور جو دھوکے باز بادبانوں کے ساتھ خوفناک سمندر پر جہاز کا سفر کرتے ہو ،

تم سے جو غیب کے نشے میں چور ہو اور دھندلکے سے مسرور اور جن کی روح کو ہر بھول بھلیوں والی خلیج لبھا لیتی ہے ،

کیوں کہ تم بزدل ہاتھوں سے دھاگے کو نہیں ٹٹولتے اور جہاں تم قیاس سے کام لے سکتے ہو وہاں فوراً نتیجے پر پہنچ جانے سے متنفر ہو ،

محض تم سے میں وہ راز بیان کرنا چاہتا ہوں جو میں نے دریافت کیا ہے، یعنی تنہا ترین شخص کا ظاہر۔

ابھی کل کی بات ہے کہ میں کبیدہ خاطر لاشی رنگ کے دھندلکے میں پھر رہا تھا، کبیدہ خاطر اور سخت دل اور ہونٹ کاٹتا ہوا۔ ایک سے زیادہ سورج میرے لیے ڈوب چکے تھے۔

ایک پگ ڈنڈی جو لڑکتے ہوئے پتھروں میں سے ہو کر ضد کے ساتھ گزری تھی ، ایک اکیلی پگ ڈنڈی جس کو نہ کسی سبزی نے منہ لگایا تھا اور نہ کسی جھاڑی نے : ایک پہاڑی پگ ڈنڈی میرے ضدی قدموں کے نیچے چرچر کر رہی تھی۔

سنگریزوں کی حقارت آمیز چرچراہٹ پر چپ چاپ چلتے ہوئے، اس پتھر پر قدم رکھتے ہوئے جو سنگریزوں کو پھسلاتا تھا : اس طرح سے میں نے بہ مشکل اوپر کی طرف قدم بڑھایا ،

اوپر کی طرف : علی الرغم اس روح کے جو قدم کو نیچے کی طرف، گڑھے کی طرف کھینچتی تھی ، یعنی بھاری پن کی روح کے جو میرا شیطان اور پرانا دشمن تھا۔

اوپر کی طرف : اگرچہ وہ میرے سر پر سوار تھا ، آدھا بالشتیہ آدھا چھچھوندر،

اپاہج اور اپاہج بنانے والا، میرے کانوں میں سیسا اور میرے دماغ میں سیسے کی بوندوں کی طرح خیالات ٹپکاتا ہوُا۔

اس نے حقارت کے ساتھ اور ایک ایک لفظ کرکے کہا: "اے زردُشت، اے سنگِ دانشمندی! تونے اپنے آپ کو اوپر کی طرف پھینکا ہے۔ لیکن جو پتھر اوپر کی طرف پھینکا جاتا ہے وہ نیچے گرتا ہے۔

توخود اپنے آپ کو ملزم ٹھیراتا ہے اور ملزم سنگسار۔ اے زردُشت تونے پتھر کو ہاں بہت اونچا پھینکا ہے لیکن وہ تیرے ہی اوپر آکر گرے گا۔"

اس پر اس بالشتیے نے سکوت اختیار کیا اور بہت دیر تک چپ رہا۔ لیکن اس کی چپ مجھ پر گراں گزر رہی تھی۔ اور اکیلے ہونے سے اس طرح دکیلے ہونے میں واقعی زیادہ تنہائی پائی جاتی ہے۔

میں چڑھتا گیا اور چڑھتا گیا۔ میں خواب دیکھتا گیا اور سوچتا گیا۔ لیکن ہر بات مجھ پر گراں گزر رہی تھی۔ میری مثال اس بیمار کی سی تھی جو اپنی تکالیف کی وجہ سے تھکا ماندہ ہو جاتا ہے اور جس کی نیند اس مرض سے زیادہ بھیانک خواب کی وجہ سے اچاٹ ہو ہو جاتی ہے۔

مگر میرے اندر ایک چیز ہے جس کا نام میں نے دلیری رکھا ہے اور جس نے اب تک میری ہر بزدِلی کا قلع قمع کیا ہے۔ اسی دلیری نے بالآخر مجھے سیدھا کھڑا رہنے اور یہ کہنے کا حکم دیا ہے: "بالشتیے! تو! یا میں!"

کیوں کہ دلیری بہترین قاتل ہے، وہ دلیری جو حملہ آور ہو۔ کیوں کہ ہر حملے کے ساتھ باجے کا ہونا ضروری ہے۔

مگر انسان دلیر ترین جانور ہے۔ اسی وجہ سے اس نے ہر جانور کو زیر کر رکھا ہے۔ اب تک اس نے باجے سے ہر درد کا علاج کیا ہے۔ لیکن انسانی درد بدترین درد ہے۔

دلیری کے ذریعے اس چکر کا بھی علاج ہوتا ہے جو کھڈ کو دیکھ کر آتا ہے۔ اور وہ کونسی جگہ ہے جہاں آدمی کھڈوں کے پاس نہ کھڑا ہوتا ہو! کیا محض دیکھنا مرادف نہیں ہے گڑھوں کو دیکھنے کا؟

دلیری بہترین قاتل ہے۔ دلیری ہمدردی کو بھی قتل کر ڈالتی ہے۔ اور ہمدردی سب سے زیادہ گہرا کھڈ ہے۔ انسان جس قدر گہری نظر زندگی میں ڈالتا ہے اتنی ہی غمگینی میں۔

مگر دلیری بہترین قاتل ہے، حملہ آور دلیری جو موت کو بھی مار ڈالتی ہے۔ کیوں کہ اس کا یہ مقولہ ہے: "زندگی یہی تھی نہ؟ اچھا! تو پھر ایک بار اور سہی!"

اس مقولے میں بہت زیادہ باجے کی آواز آتی ہے۔ جس کے کان ہوں وہ سنے!

(۲)

میں نے کہا: "ٹھیر! بالشتیے! میں! یا تو! لیکن ہم دونوں میں سے میں زیادہ طاقت ور ہوں۔ تجھے میرے کھڈ والے خیالات کی خبر نہیں۔ تو ان کا متحمل نہیں ہو سکتا۔"

اب ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مجھے سبک دوش کر دیا۔ کیوں کہ وہ جاسوس بالشتیہ میرے کاندھے پر سے کود پڑا اور میرے سامنے ایک پتھر پر جا بیٹھا مگر جس جگہ ہم ٹھیرے تھے وہیں ایک پھاٹک بھی تھا۔

میں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا: "اس پھاٹک کو دیکھ، اے بالشتیے، اس کے دو چہرے ہیں۔

یہاں دو راستے آکر ملتے ہیں۔ ان کی انتہا تک ہنوز کوئی نہیں پہنچا ہے۔ یہ لمبا کوچہ جو پیچھے کی طرف ہے ہمیشگی تک چلا جا رہا ہے۔ اور وہ لمبا کوچہ جو آگے کی طرف

ہے وہ دوسری ہمیشگی ہے۔

یہ دونوں راستے ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ دونوں کے سر ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ اور یہاں اسی پھاٹک پر وہ دونوں ملتے ہیں۔ پھاٹک کا نام اوپر لکھا ہوا ہے: "لمحہ"۔

لیکن اگر کوئی ان دونوں راستوں میں سے ایک پر چلے اور چلتا جائے اور آگے بڑھتا جائے تو، اے بالشتیے، کیا تیرا خیال ہے کہ یہ راستے ہمیشہ ایک دوسرے کے مخالف رہیں گے؟"

بالشتیہ حقارت سے بڑبڑانے لگا: "ہر سیدھی چیز جھوٹی ہوتی ہے۔ ہر سچائی ٹیڑھی ہوتی ہے۔ زمانہ خود ایک چکّر ہے"۔

میں نے غصّے میں آکر کہا: "اے بھاری پن کی روح! اس کو بہت آسان نہ سمجھ! ورنہ، اے اپاہج، میں تجھ کو وہیں بیٹھا رہنے دوں گا جہاں تو بیٹھا ہوا ہے۔ آخر میں نے ہی تو تجھے اُٹھایا ہے۔

اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے میں نے کہا: "دیکھ اس لمحے کو! اس پھاٹک سے جس کا نام لمحہ ہے ایک لمبا لایزال کوچہ پیچھے کی طرف جاتا ہے۔ ہمارے پیچھے ایک ہمیشگی واقع ہے۔

کیا ہر چیز جو چل سکتی ہے ایک بار اس کوچے میں ضرور نہ چلی ہوگی؟ کیا ہر چیز جو واقع ہو سکتی ہے ایک بار ضرور واقع نہ ہوئی ہوگی اور مکمّل نہ ہوئی ہوگی اور گزر نہ چکی ہوگی؟

اور چوں کہ ہر چیز پہلے ہو چکی ہے تو، اے بالشتیے، اس لمحے کے متعلق تیرا کیا خیال ہے؟ کیا یہ پھاٹک بھی پہلے ہو چکا ہوگا؟

اور کیا تمام چیزیں اس قدر مضبوطی کے ساتھ گرہ در گرہ نہیں ہیں کہ یہ لمحہ

تمام آنے والی چیزوں کو اپنی طرف کھینچ لے؟ یعنی خود اپنے آپ کو بھی؟
کیوں کہ تمام چیزوں کے لیے جو چل سکتی ہیں یہ ضروری ہو کہ وہ اس لمبے کوچے میں سے ہو کر ایک بار اور گزریں۔
اور یہ سُست رَو مکڑی جو چاندنی میں رینگتی ہو اور خود یہ چاندنی اور میں اور تو پھاٹک کے اندر آپس میں کانا پھوسی کرتے ہوئے، ابدی چیزوں کے متعلق کانا پھوسی کرتے ہوئے کیا یہ ضروری نہیں ہو کہ ہم بھی پہلے گزر چکے ہوں؟،
اور پھر دوبارہ آئیں اور اس دوسرے کوچے میں چلیں، گزرتے ہوئے، اپنے آگے آگے، اس لمبے خطرناک کوچے میں بار بار آتے رہیں؟"
اس طرح میں تقریر کرتا تھا اور اپنی آواز پست کرتا جاتا تھا۔ کیوں کہ مجھے اپنے خیالات اور پس خیالات سے ڈر لگتا تھا۔ اس وقت مجھے ایک کتّے کے بھونکنے کی آواز قریب سنائی دی۔
کیا میں نے کبھی کسی کتّے کو اس طرح بھونکتے ہوئے سنا ہو؟۔ میرا خیال ماضی کی طرف پھرا۔ ہاں! جب میں بچّہ تھا، دور دراز بچپن کی طرف:
اس وقت میں نے ایک کتّے کو اس طرح بھونکتے ہوئے سنا تھا۔ اور اس کو دیکھا بھی تھا، بال بکھرے ہوئے، سر اوپر کی طرف، تھرتھراتا ہوا آدھی رات کی خاموشی میں جب کہ کتّے بھی جنّات پر اعتقاد رکھتے ہیں۔
یہاں تک کہ مجھے اس پر رحم آگیا۔ کیوں کہ اسی وقت پورا چاند موت کی طرح چپ چاپ مکان کے اوپر سے گزرا تھا۔ اسی وقت وہ گول انگارا چپٹی چھت کے اوپر اس طرح استادہ تھا جیسے کہ کوئی کسی دوسرے کی ملکیت پر۔
وہاں اوپر وہ کتّا اس وقت سہم گیا۔ کیوں کہ کتّے چوروں اور بھوت پریتوں پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جب دوبارہ میں نے بھونکنے کی آواز اس طرح سنی

تو پھر دوبارہ مجھے رحم آگیا۔

اب وہ بالشتیہ کہاں چلتا ہوا؟ اور پھاٹک؟ اور مکڑی؟ اور ساری کاناپھوسی؟ کیا میں خواب دیکھ رہا تھا؟ کیا میں بیدار ہو گیا تھا؟ میں نے اپنے آپ کو یک بیک ڈراؤنے چٹانوں کے درمیان پایا، تنہا، سنسان، بے حد سنسان چاندنی میں۔

لیکن وہاں ایک شخص پڑا ہوا تھا۔ اور وہیں وہ کتا تھا، اچھلتا ہوا اور بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ کراہتا ہوا۔

اب اس نے مجھے آتے ہوئے دیکھا اور وہ پھر بھونکنے اور چلّانے لگا۔ کیا میں نے کبھی کسی کتے کو اس طرح مدد کے لیے چلّاتے ہوئے سنا ہی؟

اور حقیقت یہ ہی کہ جو کچھ میں نے اس وقت دیکھا وہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے ایک نوجوان گڈریے کو دیکھا جو تڑپ رہا تھا اور اس کا دم گھٹ رہا تھا اور وہ کانپ رہا تھا اور اس کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا۔ اور اس کے منہ سے ایک بھاری کالا سانپ لٹک رہا تھا۔

کیا میں نے کبھی اتنی گھن اور اتنی زرد دہشت کسی چہرے پر دیکھی تھی؟ وہ غالباً سو گیا تھا؟ اس وقت اس کی نرخسی میں یہ سانپ گھس گیا اور اس کے دانت اُس کے اندر گڑ گئے۔

میرا ہاتھ سانپ کو لگاتار کھینچتا رہا لیکن بے فائدہ! سانپ اس کی نرخسی سے نہ نکلا۔ تب میرے اندر سے یہ آواز بے ساختہ نکلی: "کاٹ ڈال! کاٹ ڈال! اس کا سر جدا کر ڈال! کاٹ ڈال!" یہ آواز میرے اندر سے نکلی۔ میری دہشت میری نفرت میری گھن میری ہمدردی اور میری تمام اچھائیاں اور برائیاں میرے اندر سے یک زبان ہو کر چلّائیں۔

ای میرے آس پاس کے جواں مردو! ای ڈھونڈنے والو اور کوشش کرنے والو اور تم میں سے جو کوئی دھوکے باز بادبانوں کے ساتھ نامعلوم سمندر پر سوار ہوا ہی!

ای مسروران راز!

اس معمّے کو حل کرو جو میں نے اس وقت دیکھا تھا! تنہا ترین شخص کے چہرے کی تعبیر مجھے بتاؤ!

کیوں کہ وہ ایک چہرہ تھا اور ایک پیش بینی۔ اس وقت میں نے تمثیلاً کیا دیکھا تھا؟ اور وہ کون ہی جو ایک روز آنے والا ہی؟

گڈریا کون ہی جس کی نرخسی میں اس طرح سانپ گھس گیا؟ وہ انسان کون ہی جس کی نرخسی میں ہر بھاری سے بھاری اور تاریک سے تاریک چیز گھسے گی؟

لیکن گڈریے نے اسے کاٹ کھایا جیسا کہ میری چلاہٹ نے اسے مشورہ دیا تھا۔ اس نے بہت اچھّی کاٹ کاٹی۔ اس نے سانپ کے سر کو دور تھوک دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

اب وہ نہ گڈریا رہا اور نہ انسان بلکہ ایک مبدّل ہستی جس کے چاروں طرف نور چھایا ہوا تھا اور وہ ہنس رہا تھا۔ دنیا میں آج تک کوئی بشر اس کی طرح نہ ہنسا ہوگا۔

ای بھائیو، میں نے ایسی ہنسی سنی ہی جو کسی انسان کی ہنسی نہ تھی۔ اور اب ایک اشتیاق مجھے کھائے جا رہا ہی، ایک تمنّا جو کبھی زائل نہ ہوگی۔

اس ہنسی کی تمنّا مجھے کھائے جا رہی ہی۔ آہ، اب اور زندہ رہنا میں کس طرح برداشت کر سکتا ہوں! اور اس وقت مرجانے کا میں کیوں کر متحمل ہو سکوں گا!

یہ تھی تقریر زرتُشت کی۔

خلافِ مرضی سعادت

ان رازوں اور تلخیوں کو دل میں لیے ہوئے زرتُشت جہاز سے روانہ ہوگیا۔ اور جب مبارک جزیروں اور اپنے دوستوں سے چار دن کی راہ طے کرچکا تو اس کی ساری تکالیف دور ہوگئیں فتح مندانہ اور ثابت قدم ہو کر وہ پھر اپنی قسمت کے مقابلے میں خم ٹھوک کر کھڑا ہوگیا۔ تب زرتُشت اپنے پھولے نہ سمانے والے ضمیر سے یوں مخاطب ہوا:۔

میں پھر تنہا ہوں اور یوں ہی رہنا پسند کرتا ہوں، تنہا پاک آسمان اور آزاد سمندر کے ساتھ۔ اور سہ پہر پھر میرے اِرد گرد چھا گئی ہے۔

سہ پہر ہی کے وقت پہلی بار میرے دوست مجھے ملے تھے۔ اور دوسری بار بھی سہ پہر ہی کے وقت، ایسے وقت جب کہ ساری روشنی مدّھم پڑ جاتی ہے۔

کیوں کہ خوش وقتی کا وہ حصّہ جو آسمان سے زمین کی طرف ہنوز برسرِ راہ ہے اپنی رہایش کے لیے ایک نورانی روح کی تلاش میں ہے۔ خوش وقتی کی وجہ سے اب سارا نور مدّھم پڑ گیا ہے۔

اے میری زندگی کی سہ پہر! ایک بار میری خوش وقتی بھی وادی میں اتری تھی تاکہ وہ اپنے لیے جائے پناہ تلاش کرے۔ اس وقت اس کو یہ کشادہ دل اور مہمان نواز لوگ ملے تھے۔

اے میری زندگی کی سہ پہر! ایک چیز کو پانے کے لیے میں نے کیا کیا چیزیں قربانی نہیں کر ڈالیں: میرے خیالات کی یہ زندہ پیڑھ اور میری اعلیٰ ترین امید کی یہ فجر!

ایک بار خلق کرنے والے کو ساتھیوں اور اپنی امید کے بچّوں کی ضرورت

تھی۔ مگر اس تلاش کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اسے نہیں ملے۔ ہاں ملتے تو اس وقت جب وہ انھیں خود پیدا کرتا۔

اس طرح سے میں اپنے کام میں مشغول ہوں، یعنی اپنے بچّوں کے پاس آنے جانے میں۔ زرتُشت کو چاہیے کہ اپنے بچّوں کی خاطر وہ پہلے خود اپنی تکمیل کرے۔

کیوں کہ انسان دل سے محض ان کو پیار کرتا ہے جو اس کی اولاد اور اس کے اعمال ہوں۔ اور جب اپنے آپ سے بے حد محبّت ہو تو یہ دلیل ہے حاملہ ہونے کی۔ یہ میرا تجربہ ہے۔

میرے بچّے ہنوز اپنی پہلی بہار میں سرسبز ہو رہے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے دوش بدوش کھڑے ہیں اور ایک ہی ہوا سے لہلہا رہے ہیں۔ میرے باغ اور بہترین سرزمین کے درخت۔

اور واقعًا! جہاں اس قسم کے درخت دوش بدوش ہوں بس وہی مبارک جزیرے ہیں۔

مگر ایک روز میں ان کو اکھاڑوں گا اور ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ لگاؤں گا تاکہ وہ تنہا رہنا اور مقابلہ اور احتیاط کرنا سیکھے۔

تب اس کو گٹھیلے پن اور کجی اور لچک کی سختی کے ساتھ سمندر کے کنارے کھڑا ہونا چاہیے، غیر مفتوح زندگی کا زندہ منارہ۔

جہاں کہ آندھیاں سمندر میں چھلانگ مارتی ہیں اور پہاڑوں کی سونڈیں پانی پیتی ہیں وہاں ہر ایک کو دن رات پاس بانی کرنی پڑے گی، اپنے امتحان اور تعارف کے لیے۔

یہ ضرور ہے کہ وہ پہچانا جائے اور اس کا امتحان کیا جائے کہ آیا وہ میری

جنس اور نسب سے ہی، آیا وہ ایک عزم دراز کا مالک ہی، آیا وہ گفتگو کرتے وقت بھی خاموش رہتا ہی اور آیا اس طرح دیتا ہی کہ دینے کی حالت میں بھی لیتا ہی،

تاکہ وہ ایک روز میرا ساتھی بنے اور زرتُشت کے ساتھ مل کر خلق کرے اور خوشی منائے، ایسا شخص جو میری جدولوں پر میرا عزم درج کرے تمام چیزوں کی مکمّل تکمیل کے لیے۔

اور اس کی خاطر اور ان لوگوں کی خاطر جو اس کی طرح ہیں مجھے خود اپنے آپ کو مکمل کرنا چاہیے۔ اسی وجہ سے میں اب اپنی خوش وقتی سے کنارہ کشی کرتا ہوں اور اپنے آپ کو ہر قسم کی بدبختی کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ یہ میرا آخری امتحان اور تعارف ہی۔

اور واقعی اب وہ وقت آگیا ہی کہ میں رخصت ہوں اور مسافر کا سایہ اور دراز ترین قیام اور خاموش ترین گھڑی: ان میں سے ہر ایک نے مجھے یہ مشورہ دیا ہی: "وقت سر پر آپہنچا ہی!"

آندھی دروازے کے سوراخِ کلید میں ہو کر میرے پاس آئی اور یوں کہنے لگی: "آ!" دروازہ مجھے دھوکا دے کر کھُل گیا اور اس نے کہا: "جا!"

مگر میرے بچّوں کی محبّت کی بیڑیاں میرے پانو میں پڑی ہوئی تھیں شوق یعنی شوقِ محبّت نے میرے لیے یہ پھندا ڈال رکھا تھا تاکہ میں اپنے بچّوں کا شکار ہو جاؤں اور ان میں محو۔

شوق: اس کے معنے میرے نزدیک یہ ہیں کہ میں اپنے آپ کو کھو چکا ہوں میں نے تم کو پا لیا ہی، اے میرے بچّو! اس پا لینے میں سراسر یقین موجود ہونا چاہیے اور شوق معدوم۔

مگر میری محبت کا سورج میرے اوپر بچّے نکالنے کے لیے بیٹھا ہوا تھا۔

زردُشت خود اپنے رَس میں پک رہا تھا۔ اس وقت سائے اور شکوک میرے اوپر سے ہو کر اڑ گئے۔

مجھے پالے اور سردیوں کا شوق ہو چلا ہی کاش کے پالے اور سردیوں کی وجہ سے میں پھر ٹوٹنے اور چرچر کرنے لگوں" یہ میں نے ایک سرد آہ کھینچ کر کہا اور میرے اندر سے برف کا کہرا نکلنے لگا۔

میرا ماضی قبریں توڑ کر نکل آیا ہی۔ کئی زندہ درگور تکالیف اٹھ کھڑی ہوئی ہیں: وہ کفن کے نیچے محض اپنی نیند پوری کر رہی تھیں۔

ہر چیز مجھ سے کنایتاً یہ کہتی تھی: "وقت آگیا ہی!" مگر مجھے سنائی نہ دیتا تھا۔ یہاں تک میرے کھڈ کو حرکت ہوئی اور میرے خیال نے مجھے کاٹ کھایا۔

آہ، اے بے تھاہ خیال جو تو میرا اپنا خیال ہی! مجھ میں کب اتنی قوت آئے گی کہ میں تیرے کھودنے کی آواز سنوں اور تھر تھر نہ کانپوں؟

جب میں تیرے کھودنے کی آواز سنتا ہوں تو میرا دل حلق تک دھڑکنے لگتا ہی۔ تیری خاموشی میرا گلا گھوٹ دے گی، اے بے تھاہ کے سکوت کرنے والے!

ابھی تک تجھے اوپر بلانے کی ہمت مجھے کبھی نہ ہوئی۔ میرے لیے یہی بہت تھا کہ میں تجھے لادے لادے پھرتا تھا۔ ابھی تک میں انتہائی شیرانہ غرور اور شیرانہ بدمستی کے لیے کافی مضبوط نہیں ہوا ہوں۔

تیرا بوجھ میرے لیے ہمیشہ سے کافی تکلیف دہ رہا ہی۔ مگر ایک دن آنے والا ہی جب کہ مجھ میں قوت اور شیر کی آواز آجائے گی جو تجھے اوپر بلالے گی۔

اور جب میں اس سے گزر چکا ہوں گا تو پھر اس سے بڑی بڑی چیزوں سے بھی گزر جاؤں گا۔ اور میرے تکمیل کی مہر ایک فتح ہو گی۔

اس وقت تک میں مذبذب سمندروں کی سیر کر رہا ہوں۔ چکنی چپڑی

زبان والے اتفاقات میری خوشامد کر رہے ہیں۔ میں آگے پیچھے نظر دوڑا رہا ہوں۔ ہنوز مجھے کوئی ساحل نظر نہیں آتا۔

ابھی تک میری آخری جنگ کی گھڑی نہیں آئی۔ یا وہ برسرِ راہ ہی؟ واقعی دھوکے باز حسن کے ساتھ سمندر اور زندگی مجھے چاروں طرف سے دیکھ رہے ہیں۔

ای میری زندگی کی سہ پہر! ای شام سے پہلے کی خوش وقتی! ای وسطِ سمندر کی جائے آمن! ای مشکوک چیزیں اطمینان۔ مجھے تم سب پر کتنی بے اعتمادی ہی!

واقعی مجھے تمھارے دھوکے باز حسن پر بے اعتمادی ہی۔ میرا حال اس عاشق کا سا ہی جو بے حد چکنی چپڑی مسکراہٹ پر اعتماد نہیں رکھتا۔

جس طرح وہ اپنی عزیز ترین معشوقہ کو دھکا دے کر نکال دیتا ہی، بیچارہ رشک زدہ اپنی سختی میں بھی نزاکت سے کام لیتا ہی۔ اسی طرح میں بھی اس مسعود گھڑی کو دھکا دے کر نکال دیتا ہوں۔

چل دور ہو، ای مسعود گھڑی! تیرے ہمراہ میرے لیے ایک خلافِ مرضی سعادت آئی ہی۔ میں اپنی سخت ترین تکالیف کے لیے یہاں تیار کھڑا ہوں۔ تو بڑے برے وقت آئی ہی۔

چل دور ہو، ای مسعود گھڑی! اس سے بہتر ہی کہ تو وہاں میرے بچّوں کے پاس پناہ لے۔ جلدی کر! اور شام سے پہلے ان کو میری خوش وقتی کی برکت بھی پہنچا دے!

دیکھ وہ شام آرہی ہی۔ سورج ڈوب رہا ہی۔ دور ہو، ای میری خوش وقتی!

یہ تھیں باتیں زرتشت کی۔ اور وہ رات بھر اپنی بدبختی کے انتظار میں رہا۔ لیکن اس کا انتظار بے سود نکلا۔ رات روشن اور خاموش رہی اور خود خوشوقتی اس کے قریب تر آگئی۔ لیکن صبح کے وقت زرتشت اپنے دل پر ہنسا اور طنزاً یہ کہنے لگا: "خوش وقتی میرے پیچھے پیچھے دوڑ رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں عورتوں کے پیچھے نہیں دوڑتا۔ اور خوش وقتی ایک عورت ہے۔"

سورج نکلنے سے پہلے

اے میرے اوپر والے آسمان، پاک! عمیق! غارِ نور! جب میں تجھے دیکھتا ہوں تو خدائی جذبات سے کانپنے لگتا ہوں۔

اپنے آپ کو تیری بلندی میں اچھالنا: یہ ہے میری گہرائی! اپنے آپ کو تیری پاکی میں چھپانا: یہ ہے میری معصومیت!

خدا کے اوپر اس کے حسن کی نقاب پڑی ہوئی ہے: اس طرح تو اپنے ستاروں کو چھپائے ہوئے ہے۔ تو باتیں نہیں کرتا: اس طرح تو مجھے اپنی دانشمندی کا ثبوت دے رہا ہے۔

آج تو متلاطم سمندر کے اوپر چپ چاپ طلوع ہو رہا ہے۔ تیری محبت اور تیری حیا سے میری متلاطم روح پر وحی نازل ہو رہی ہے۔

اس لیے کہ تو حسن کی نقاب ڈالے ہوئے خوب صورتی سے میرے پاس آیا ہے اور اس لیے کہ تو نے اپنی دانشمندانہ وحی نازل کرتے ہوئے زبانِ بے زبانی سے میرے ساتھ گفتگو کی ہے:

یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ میں تیری روح کی حیا کا معمّا حل نہ کر سکوں! تو مجھ تنہا ترین شخص کے پاس سورج سے پہلے آیا ہے۔

ہم دونوں پہلے سے دوست ہیں۔ ہمارا رنج، دہشت اور اصلیت سب کے سب مشترک ہیں۔ حتّٰی کہ سورج بھی مشترک ہے۔

ہم آپس میں گفتگو نہیں کرتے کیوں کہ ہم بہت کچھ جانتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے سامنے لب بستہ رہتے ہیں۔ ہم جو کچھ جانتے ہیں ایک دوسرے سے مسکراہٹ میں بیان کر دیتے ہیں۔

کیا تو میری آگ کا نور نہیں ہے؟ کیا تیرے پاس میری بصیرت کی روحِ توأم نہیں ہے؟

ہم دونوں کی تمام تعلیم و تربیت ساتھ ساتھ ہوئی ہے۔ ہم دونوں نے اپنے سے بلند ہو کر اپنے تک پہنچنا اور بے بادلوں کے مسکرانا ساتھ ساتھ سیکھا ہے، بے بادلوں کے نیچے کی طرف مسکرانا چمک دار آنکھوں اور کوسوں دور سے جب کہ ہمارے نیچے بارش کی طرح جبر اور مقصد اور جرم کے بخارات اٹھتے ہوں۔

اور جب میں تنہا سفر کرتا تھا تو راتوں اور بھول بھلیوں کے راستوں میں میری روح کو کس چیز کی گرسنگی تھی؟ اور جب میں پہاڑوں پر چڑھتا تھا تو پہاڑوں پر اگر تجھے نہیں تو اور کسے ڈھونڈتا تھا؟

اور میری تمام سیاحت اور پہاڑوں پر چڑھنا محض مجبوری تھی اور پھوہڑ کا جوڑ توڑ۔ میرا سارا عزم فقط پرواز کرنا چاہتا ہے اور پرواز کر کے تجھ میں حلول کر جانا

اور میں اور کس چیز سے زیادہ نفرت کر سکتا ہوں بہ نسبت اٹھتے ہوئے بادلوں اور ان تمام چیزوں کے جو تجھ پر دھبّا لگاتے ہیں! اور اب تک مجھے اپنی نفرت سے بھی نفرت تھی کیوں کہ وہ تیرے اوپر دھبّا لگاتی تھی۔

میں کبیدہ خاطر ہوں ان اٹھتے ہوئے بادلوں سے جو شکاری بلّیوں کی طرح دبے پانو چلتے ہیں۔ وہ ہم دونوں کو اس چیز سے محروم کر دیتے ہیں جو ہمارے

درمیان مشترک ہو، یعنی بے حد و بے انتہا ہاں اور آمین کہنے سے۔

میں کبیدہ خاطر ہوں ان درمیانیوں اور ملاوٹیوں یعنی اٹھتے ہوئے بادلوں سے، ان ادھوروں سے جنھوں نے نہ برکت دینا سیکھا ہو اور نہ لعنت بھیجنا۔

میں اس کو ترجیح دیتا ہوں کہ بند آسمان کے نیچے پیپے میں بیٹھا رہوں یا بغیر آسمان کے غار میں اس بات پر کہ تجھ پر، ای نورانی آسمان، ان اٹھتے ہوئے بادلوں کے دھبے دیکھوں۔

اور اکثر میرا دل چاہتا تھا کہ ان کو بجلی کے ٹیڑھے بیڑھے سنہرے تاروں سے باندھ رکھوں تاکہ رعد کے مانند میں ان کے دیگچی کی طرح پیٹ پر ڈھول بجاؤں،

مثل ایک غضب ناک ڈھول بجانے والے کے، کیوں کہ وہ تیری ہاں اور آمین مجھ سے چھین رہے ہیں، ای میرے اوپر والے آسمان، پاک! نورانی! غارِ نور! کیوں کہ وہ تیری ہاں اور آمین مجھ سے چھین رہے ہیں،

کیوں کہ میں اس سوچ بچار اور شک و شبہ کرنے والے بلیوں کے سے اطمینانِ قلب پر شور اور گرج اور طوفانی لعنت ملامت کو ترجیح دیتا ہوں۔ اور انسانوں میں بھی میں بہترین نفرت کرتا ہوں تمام دبے پاؤں چلنے والے اور ادھورے اور شک و شبہ اور پس و پیش کرنے والے اٹھتے ہوئے بادلوں سے۔

اور "جو برکت دینے سے قاصر ہو اسے لعنت ملامت کرنا سیکھنا چاہیے!" یہ نورانی تعلیم مجھ پر نورانی آسمان سے نازل ہوئی ہو۔ یہ ستارہ بھی ہنوز کالی راتوں میں میرے آسمان پر چمکتا ہو۔

مگر میں برکت دینے والا اور ہاں کہنے والا ہوں بشرطے کہ تو میرے پاس ہو، ای پاک! ای نورانی!، ای غارِ نور! میں اپنی برکت دینے والی ہاں ہر غار

یں لے جاؤں گا۔

میں برکت دینے والا اور ہاں کہنے والا ہو گیا ہوں اور اس کے لیے مجھے بہت دنوں تک پہلوان بن کر کشتی لڑنی پڑی ہی تاکہ ایک دن برکت دینے کے لیے میرے ہاتھ آزاد ہو جائیں۔

اور میرا برکت دینا یہ ہی: ہر چیز پر مثل خود اس کے آسمان کے کھڑا ہونا اور مثل اس کی گول چھت اور نیل گول گنبد اور ابدی سلامتی کے۔ اور متبرک ہی وہ جو اس طرح برکت دیتا ہی!

کیوں کہ ہمیشگی کے چشمے پر اور نیک و بد کے پار ہر چیز کا عقیقہ ہو چکا ہی۔ لیکن خود نیک و بد محض گزر جانے والے سائے اور مرطوب غم گینیاں اور اٹھتے ہوئے بادل ہیں۔

واقعی یہ ایک برکت ہی نہ کہ گناہ اگر میں یوں تعلیم دوں: "ہر چیز کے اوپر آسمانِ اتفاقات، آسمانِ معصومیت، آسمانِ حادثات، آسمانِ تکبر استادہ ہی"۔

"اتفاقاً" یہ دنیا کا سب سے پرانا لقبِ امارت ہی۔ تمام چیزوں کو میں نے یہ لقب واپس کر دیا ہی۔ اس مقصد کے لیے میں نے تمام چیزوں کو غلامی سے آزاد کر دیا ہی۔

اس آزادی اور آسمانی بشاشت کو میں نے مثل نیل گوں گنبد کے ہر چیز کے اوپر آویزاں کر رکھا تھا جب کہ یہ تعلیم دیتا تھا کہ ان کے اوپر اور ان کے ذریعے سے کوئی "ابدی عزم" ارادہ نہ کرے۔

اسی عزم کے بجائے میں نے اس تکبر اور حماقت کو رکھا تھا جب کہ میں یہ تعلیم دیتا تھا: "ایک چیز ہر ایک کے لیے ناممکن ہی یعنی سمجھ"۔

ہاں تھوڑی سی سمجھ، دانشمندی کے بیج ایک ستارے سے دوسرے تک

چھڑکے ہوئے : یہ خمیر ہر چیز میں ملا ہوا ہے۔ حماقت کی خاطر دانشمندی ہر چیز میں ملی ہوئی ہے
تھوڑی سی دانشمندی تو ممکن ہے۔ لیکن میں نے تمام چیزوں میں یہ بابرکت اطمینان پایا ہے کہ وہ ہنوز اتفاقات کے پاؤں پر ناچنا پسند کرتی ہے۔

اے میرے اوپر والے آسمان ، پاک ! بلند ! میرے نزدیک یہ تیری ہی پاک دامنی کا نتیجہ ہے کہ نہ تو ہمیشگی کی سمجھ دار مکڑیاں پائی جاتی ہیں اور نہ مکڑیوں کے جالے ،

اور یہ کہ میرے نزدیک تو خدائی اتفاقات کا محلِ رقص ہے۔ اور یہ کہ میرے نزدیک تو خدائی پانسوں اور پانسے کھیلنے والوں کے لیے خدائی میز ہے۔

لیکن کیا تو شرما گیا ؟ کیا میں نے ناگفتنی بات کہی ؟ کیا تجھے برکت دینے کی وجہ سے میں گنہگار ہو گیا ؟

یا یہ چار آنکھیں ہونے کی حیا ہے جس سے تو شرما گیا ہے ؟ کیا تو مجھے چلے جانے اور خاموش رہنے کا حکم دیتا ہے کیوں کہ دن کی آمد آمد ہے ؟

دنیا عمیق ہے اور ایسی عمیق کہ دن کے خواب وخیال میں بھی نہ آیا ہو۔ دن کے آگے ہر چیز کو الفاظ میں نہ بیان کرنا چاہیے۔ لیکن دن کی آمد آمد ہے۔ لہٰذا اب ہم جدا ہوتے ہیں۔

اے اوپر والے آسمان ، اے شرمیلے ! اے آگ بگولے ! اے سورج نکلنے سے قبل کی میری خوش وقتی ! دن کی آمد آمد ہے۔ لہٰذا اب ہم جدا ہوتے ہیں۔

یہ تھیں باتیں زردشت کی۔

چھوٹا بنانے والی نیکی

(۱)

جب زرتشت پھر خشکی پر اترا تو وہ اپنے پہاڑوں اور اپنے غار کی طرف سیدھا نہیں گیا۔ بلکہ بہت سے راستے بدلے اور بہت سی باتیں پوچھیں اور اِدھر اُدھر کی باتوں کی تحقیق کی، یہاں تک کہ وہ اپنے متعلق مذاق سے کہتا تھا: "دیکھ ایک ایسے دریا کو جو بہت سے چکر کھاتا ہوا اپنے چشمے کی طرف اُلٹا بہتا ہی!" کیوں کہ وہ اس بات کی تحقیق کرنا چاہتا تھا کہ اس اثنا میں انسان پر کیا گزری ہی: آیا وہ چھوٹا ہوگیا ہی یا بڑا۔ اور ایک بار اس نے ایک قطار میں کئی مکانات دیکھے اور متعجب ہوکر کہنے لگا:

"ان مکانوں کا کیا مفہوم ہی؟ واقعی وہ کوئی بڑی روح نہ تھی جس نے انھیں اپنے مثل بنایا ہی!

غالباً کسی نادان بچے نے انھیں اپنے کھیل کے ڈبے میں سے نکالا ہی؟ تاکہ کوئی دوسرا بچہ پھر انھیں اپنے ڈبے میں بند کرلے!

اور یہ کوٹھڑیاں اور کمرے: کیا مرد ان کے اندر آجاسکتے ہیں؟ میرے خیال میں وہ ریشمی گڑیوں کے لیے بنائے گئے ہیں اور چٹخوری بلیوں کے لیے جنھیں کھانے کے لیے اوروں کی زبان بھی چٹخارے لیتی ہی۔"

اور زرتشت کھڑا کا کھڑا رہ گیا اور سوچنے لگا۔ بالآخر اس نے رنجیدہ ہوکر کہا: "ہر چیز چھوٹی ہوگئی ہی۔

ہر جگہ مجھے نیچے دروازے دکھائی دیتے ہیں۔ میری طرح کے لوگ ان میں جا تو سکتے ہیں مگر انھیں جھکنا پڑے گا۔

آہ، میں پھر کب اپنے وطن میں پہنچوں گا جہاں کہ مجھے جھکنا نہ پڑے، چھوٹوں کے آگے جھکنا نہ پڑے" اور زردُشت نے ایک آہِ سرد کھینچی اور دور دیکھنے لگا۔

اور اسی روز اس نے چھوٹے کرنے والی نیکی پر اپنی تقریر کی۔

(۲)

میں ان لوگوں میں ہو کر گزرتا ہوں اور اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں۔ ان کے لیے میرا یہ فعل قابلِ معافی نہیں کہ مجھے ان کی نیکیوں پر رشک نہیں آتا۔

وہ مجھے کاٹنے دوڑتے ہیں کیوں کہ میں ان سے کہتا ہوں: چھوٹے لوگوں کے لیے چھوٹی نیکیاں ضروری ہیں۔ اور کیوں کہ یہ میری سمجھ میں مشکل سے آتا ہے کہ چھوٹے لوگوں کا وجود ضروری ہے۔

یہاں دوسرے کے وربے میں میری مثال ہنوز اس مرغ کی سی ہے جس کے پیچھے مرغیاں بھی کاٹنے کو دوڑتی ہوں۔ لیکن اس کی وجہ سے میں ان سے ناراض نہیں۔

میں ان کے ساتھ ادب سے پیش آتا ہوں جس طرح کہ تمام چھوٹی موٹی ناراضگیوں کے ساتھ پیش آتا ہوں۔ چھوٹوں کے مقابلے میں خاردار بننا میرے نزدیک دانشمندی ہے خارپشت کی۔

شام کے وقت جب وہ آگ کے اردگرد بیٹھتے ہیں تو وہ سب میری گفتگو کرتے ہیں۔ سب میری گفتگو کرتے ہیں لیکن کوئی مجھے یاد نہیں کرتا۔

یہ نئی قِسم کی خاموشی ہے جو مجھے معلوم ہوئی ہے۔ میرے اِردگرد ان کے شور نے میرے خیالات پر ایک چادر ڈال رکھی ہے۔

وہ آپس میں شور وغل کرتے ہیں: "یہ سیاہ بادل ہمارے لیے کیا کرے گا؟ ہمیں اس بات کی احتیاط کرنی چاہیے کہ ہمارے لیے کوئی وبا نہ لائے!"

اور ابھی کل کی بات ہی کہ ایک عورت نے اپنے بچّے کو جو میرے پاس آنا چاہتا تھا پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا اور بآواز بلند کہنے لگی: "بچّوں کو یہاں سے چلتا کرو۔ اس کی آنکھیں بچّوں کی روحوں کو جھلسا دیتی ہیں"۔

اور جب میں تقریر کرتا ہوں تو وہ کھانسنے لگتے ہیں۔ ان کا کہنا ہو کہ کھانسنا تیز ہوا کا علاج ہی۔ ان کو میری خوش وقتی کے تلاطم کی کچھ خبر نہیں۔

ان کا یہ اعتراض ہی: "ہمارے پاس ابھی زردُشت کے لیے وقت نہیں" لیکن کیا حقیقت ہو سکتی ہی اس وقت کی جس کے پاس زردُشت کے لیے "کوئی وقت نہیں"؟

اور جب وہ میری تعریف بھی کرتے ہیں تو ان کی تعریف پر مجھے نیند تو آ نہیں سکتی! ان کی تعریف میرے لیے ایک خاردار پیٹی ہی جو اتارتے وقت بھی مجھے چھیل ڈالتی ہی۔

اور ان میں رہ کر مجھے یہ بھی تجربہ ہوا ہی: تعریف کرنے والا یہ ظاہر کرنا چاہتا ہی کہ گویا وہ واپس دیتا ہی لیکن سچ تو یہ ہی کہ وہ چاہتا ہی کہ اسے اور زیادہ بطورِ انعام دیا جائے۔

میرے پانو سے پوچھو کہ آیا ان کی تعریف اور لُبھانے کا طریقہ اسے پسند ہی! واقعہ یہ ہی کہ ایسی تالیوں اور ٹک ٹک کے ساتھ نہ وہ ناچنا پسند کرتا ہی اور نہ چپ کھڑا رہنا۔

جو مجھے چھوٹی نیکیوں کی طرف لبھانا اور میری تعریف کرنا چاہتے ہیں وہ گویا میرے پانو کو چھوٹی خوش وقتی کی طرف پھسلانا چاہتے ہیں۔

میں ان لوگوں میں ہو کر گزرتا ہوں اور اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں۔ وہ چھوٹے ہو گئے ہیں اور روز بروز چھوٹے ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن یہ ان کی خوشوقتی

اور نیکی کی تعلیم کا اثر ہی۔

یعنی وہ نیکی میں بھی اعتدال پسند ہیں۔ کیوں کہ وہ آرام طلب ہیں اور آرام طلبی کے ساتھ محض معتدل نیکیوں کا جوڑ بیٹھتا ہی۔

ہاں، وہ اپنے رنگ میں چلنا اور آگے بڑھنا سیکھتے ہیں۔ میں نے اس کا نام ان کا لنگڑانا رکھا ہی۔ اس کی وجہ ہر شخص جو تیز چلنا چاہتا ہی ان سے ٹھوکر کھاتا ہی۔

اور بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ آگے چلتے جاتے اور اکڑی ہوئی گردن سے پیچھے پھر پھر کر دیکھتے جاتے ہیں۔ میں ان سے ٹکر کھانا پسند کرتا ہوں۔

یہ درست ہی کہ نہ پانو جھوٹ بولتا ہی اور نہ آنکھیں اور نہ ایک دوسرے پر جھوٹ کا الزام رکھتے ہیں۔ لیکن چھوٹے لوگوں میں بے حد جھوٹ بولنا پایا جاتا ہی۔

ان میں سے چند اپنے ارادوں کے مالک ہیں مگر اکثر دوسروں کے ارادے کے ماتحت ہیں۔ ان میں سے چند اصیل ہیں مگر اکثر بھونڈے نقال۔

ان میں نقال خلافِ علم اور نقال خلافِ مرضی ہوتے ہیں۔ اصیل بہت کم ہوتے ہیں بالخصوص اصیل نقال۔

یہاں مردانیت کی کمی ہی۔ اس لیے ان کی عورتیں مرد بنتی ہیں۔ کیوں کہ وہی مرد جس میں کافی مردانیت ہو عورت میں عورت کو پناہ دے سکتا ہی۔

اور بد ترین میں نے ان میں اس ریاکاری کو پایا کہ وہ لوگ بھی جو حاکم ہیں اپنے اندر ان لوگوں کی نیکیاں ثابت کرنا چاہتے ہیں جو محکوم ہیں۔

"میں محکوم ہوں، تو محکوم ہی، ہم محکوم ہیں" اس طرح سے حکم رانوں کی ریاکاری دست بدعا ہوتی ہی۔ اور خبردار، اگر پہلا آقا محض پہلا خادم ہو!

آہ، ان کی ریاکاریوں پر بھی میرا اشتیاقِ نظر اڑ کر پہنچ گیا۔ اور ان کی مکھیوں کی سی خوشش وقتی اور کھڑکیوں کے شیشے کی دھوپ پر ان کا

بھنبھنا نا میری سمجھ میں خوب آگیا۔
میں جتنی نیکی پاتا ہوں اتنی ہی کم زوری۔ جتنا انصاف اور ہمدردی اتنی
ہی کم زوری۔
وہ ایک دوسرے کے ساتھ گول، سیدھے سادھے اور نیک دل ہیں
جس طرح سے کہ ایک ریت کا دانہ دوسرے ریت کے دانے کے ساتھ گول،
سیدھا سادھا اور نیک دل ہوتا ہے۔
ایک چھوٹی سی خوش وقتی کو انکسار کے ساتھ آغوش میں لینا: اس کا
نام وہ "فرماں برداری" رکھتے ہیں اور ساتھ ساتھ وہ انکسار سے ایک دوسری
چھوٹی خوش وقتی کی طرف کن انکھیوں سے دیکھتے جاتے ہیں۔
وہ اپنے بھولے پن میں دراصل ایک چیز کے سب سے زیادہ خواہاں
ہیں: کہ ان کو کوئی دکھ نہ پہنچائے۔ لہٰذا وہ ہر شخص کا منشا پہلے سے پہچان لیتے
ہیں اور اس کو آرام پہنچاتے ہیں۔
لیکن یہ بزدلی ہے اگرچہ اس کا نام "نیکی" رکھا جا چکا ہے۔
اور اگر یہ چھوٹے لوگ سختی سے باتیں بھی کرتے ہیں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ گویا ان کا گلا بیٹھ گیا ہے۔ ہر کشمش باد ان کا گلا بٹھا دیتی ہے۔
وہ چالاک تو ہیں۔ ان کی نیکی کی انگلیاں چالاک ہیں۔ لیکن ان کے
پاس مکے نہیں۔ ان کی انگلیوں کو مکوں کی آڑ میں چھپنا معلوم نہیں۔
نیکی ان کے نزدیک اس چیز کا نام ہے جو منکسر المزاج اور پالو بنا دیتی ہے۔
اس کے ذریعے سے انھوں نے بھیڑ کو کتا بنا دیا ہے اور انسان کو انسان کا
بہترین گھریلو جانور۔
ان کا تبسم مجھ سے کہتا ہے: "ہم لوگ اپنی کرسی بیچ میں رکھتے ہیں اور

اتنی ہی دور مرنے والے جنگجویوں سے جتنی مگن سوٗرنیوں سے۔"
یہ میانہ روی تو ضروری ہی مگر معلوم نہیں کہ اعتدال بھی ہی کہ نہیں۔

(۳)

میں ان لوگوں میں ہوکر گزرتا ہوں اور الفاظ پھینکتا جاتا ہوں۔ لیکن وہ نہ ان کو لینا جانتے ہیں اور نہ لے کر اپنے پاس رکھنا۔

اُنھیں تعجب ہوتا ہی کہ میں نفس پرستی اور بداخلاقی کی مذمّت کرنے نہیں آیا ہوں۔ اور واقعہ تو یہ ہی کہ میں گرہ کٹوں سے خبردار کرنے کے لیے بھی نہیں آیا ہوں۔

انھیں تعجب ہوتا ہی کہ میں ان کی عقلمندی کو جلا دینے اور تیز کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ گویا ان کے پاس ابھی تک کافی لال بجھکّڑ نہیں ہیں جن کی آواز سلیٹ کی پنسل کی طرح مجھے کھرچتی ہی!

اور جب میں پکار کر کہتا ہوں: "لعنت ہو تمھارے اندر کے تمام بزدل شیطانوں پر جو ٹھنکنا اور دست بستہ ہونا اور دعا مانگنا پسند کرتے ہیں" تو وہ بھی پکار کر جواب دیتے ہیں: "زردشت ملحد ہی۔"

اور یہ جواب بالخصوص اُن کے معلّمین فرماں برداری پکار کر دیتے ہیں۔ مگر میں انھیں کے کان میں چلا کر یہ کہنا پسند کرتا ہوں: ہاں میں ہی ہوں زردُشت، ملحد!

یہ معلّمین فرماں برداری! جہاں کہیں پستی اور بیماری اور کھُرنڈ ہو وہیں یہ جوؤں کی طرح رینگ کر پہنچ جاتے ہیں۔ اور اگر مجھے گھن نہ آتی تو میں ان کو کٹ سے مار دیتا۔

اچھا! یہ ہی میرا وعظ ان کے کانوں کے لیے: میں ہوں زردُشتِ ملحد

جو یہ کہتا ہی: مجھ سے زیادہ ملحد کون ہی تاکہ میں اس کی تعلیم و تربیت سے حظ اٹھاؤں؟"

میں ہوں زرتُشتِ ملحد- میری نظیر مجھے کہاں مل سکتی ہی؟ اور وہ تمام لوگ میری نظیر ہیں جو اپنے آگے خود اپنا عزم پیش کرتے ہیں اور ہر فرماں برداری سے دور بھاگتے ہیں-

میں ہوں زرتُشتِ ملحد- میں اب تک تمام اتفاقات کو اپنی ہانڈی میں پکا رہا ہوں اور جب وہ پک کر تیار ہو جائیں گے تو میں بہ لحاظ اپنی خوراک کے ان کا خیر مقدم کروں گا-

اور واقعی بعض اتفاقات نے میرے ساتھ تحکمانہ برتاؤ کیا ہی- مگر میرے عزم نے اسے اس سے زیادہ تحکمانہ جواب دیا ہی- اس وقت وہ گڑگڑاتا ہوا گھٹنوں کے بل گر پڑا-

گڑگڑاتا ہوا تاکہ اسے میرے پاس پناہ ملے اور دل دہی، اور یہ خوشامد کرتا ہوا: "دیکھ تو سہی، ای زرتُشت، کہ کس طرح ایک دوست دوسرے دوست کے پاس آتا ہی!"

تاہم اگر کسی کے پاس میرے کان نہ ہوں تو میں اس سے کیا باتیں کروں!

لہٰذا میں ہر طرف ہوا میں یہ باتیں کروں گا:

ای چھوٹے لوگو، تم روز بروز زیادہ چھوٹے ہوتے جاتے ہو!- ای آرام طلبو، تم چور ہوئے چلے جاتے ہو! میرا خیال ہی کہ تم بالکل تباہ ہو جاؤ گے،

اپنی بے شمار چھوٹی چھوٹی نیکیوں کی وجہ سے، اپنی بے شمار چھوٹی چھوٹی بھول چوک کی وجہ سے، اپنی بے شمار چھوٹی چھوٹی فرماں برداریوں کی وجہ سے!

بہت زیادہ اپنے آپ کو بچاتے ہوئے- بہت زیادہ دبتے ہوئے:

یہ ہے تمھاری جاگیر! لیکن درخت کو بڑے ہونے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کی سخت جڑیں سخت پتھروں پر لپٹیں۔

تمھاری بھول چوک بھی تمام انسانی مستقبل کا جالا تنتی ہے۔ تمھاری ہیچ بھی ایک مکڑی کا جالا ہے اور ایک مکڑی جس کی غذا مستقبل کا خون ہے۔

اور جب تم کوئی چیز لیتے ہو تو یہ شل چرانے کے ہوتا ہے، اے چھوٹے نیک لوگو! مگر بد معاشوں میں بھی ایمان داری کا یہ مقولہ ہے: "چوری اسی وقت کرنی چاہیے جب ڈاکہ نہ پڑ سکے"

"وہ اپنے آپ کو دیتی ہے": یہ بھی فرماں برداری کی ایک تعلیم ہے۔ مگر، اے آرام طلبو، میں تم سے کہتا ہوں: وہ اپنے آپ کو لیتی ہے اور تم سے روز افزوں لیتی جائے گی۔

کاش کے تم نیم عزم کو اپنے آپ سے دور کر دو اور کاہلی کا مصمم ارادہ کر لو جس طرح کہ کام کا کیا جاتا ہے!

کاش کے تم ہماری یہ بات سمجھو: "تم جو چاہو کرو۔ مگر پہلے ان کی طرح بن لو جو صاحبِ ارادہ ہیں!"

"تم اپنے ہمسائے سے جس قدر چاہو محبت کرو۔ مگر پہلے ان کی طرح بن لو جو خود اپنے آپ سے محبّت کرتے ہیں۔

بڑی محبّت کے ساتھ محبّت کرتے ہیں، بڑی حقارت کے ساتھ محبّت کرتے ہیں!" یہ ہے مقولہ زردُشتِ ملحد کا۔

لیکن میں کیا بک رہا ہوں کیوں کہ کسی کے پاس میرے کان نہیں۔ میں اپنے لیے یہاں ایک گھنٹا قبل پہنچ گیا ہوں۔

ان لوگوں میں میں خود اپنا پیش رَو ہوں، تاریک گلیوں میں خود اپنی

بانگِ مرغ -
نگران کی گھڑی آرہی ہو۔ اور میری بھی۔ ہر گھڑی وہ زیادہ چھوٹے،
زیادہ نادار اور زیادہ بےخبر ہوتے چلے جاتے ہیں، بےچارے خس وخاشاک
بےچاری جاگیر!
اور میرے خیال میں وہ جلد خشک گھاس اور بے درخت کے میدان کی
طرح ہو جائیں گے اور واقعی خود اپنے آپ سے تنگ۔ اور بہ نسبت پانی کے
وہ آگ کے لیے زیادہ تڑپیں گے -
اے بجلی کی مبارک گھڑی! اے راز قبل از ظہر! ایک روز میں انھیں آتشِ
رواں بنا دوں گا اور شعلہ زبان خبر رساں،
تاکہ وہ ایک روز شعلہ زبانی سے خبر رسانی کریں۔ وہ آرہی ہو، وہ قریب
آگئی ہو، ظہر بزرگ!
یہ تھیں باتیں زردشت کی۔

کوہ زیتون پر

جاڑا بُرا مہمان بن کر میرے گھر اترا ہو۔ اس کی محبّت کے مصافحے سے
میرے ہاتھ نیلے پڑ گئے ہیں۔
میں اس برے مہمان کی قدر کرتا ہوں مگر یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ اکیلا
بیٹھا رہے۔ میں اس سے بھاگ جانا پسند کرتا ہوں اور اگر کسی کو خوب بھاگنا
آتا ہو تو وہ بھاگ کر اس سے نکل جائے گا۔
گرم پاؤ اور گرم خیالات لے کر میں اس جگہ بھاگ جانا چاہتا ہوں جہاں
ہوا نہیں چلتی، اپنے کوہ زیتون کے دھوپ کے کنارے۔

وہاں پہنچ کر میں اپنے ظالم مہمان پر ہنستا ہوں لیکن اس سے ناراض نہیں ہوتا کیوں کہ وہ گھر میں بیٹھا مکھیاں مارا کرتا ہے اور بہت سے چھوٹے موٹے شور وغل کو دھیما کر دیتا ہے۔

یعنی اسے یہ گوارا نہیں ہے کہ ایک یا خود دو مچھر گانا شروع کردیں۔ وہ گلی کوچے کو یہاں تک سُنسان کر دیتا ہے کہ رات کے وقت چاندنی کو وہاں ڈر لگتا ہے۔

وہ ایک سخت دل مہمان ہے۔ لیکن میں اس کی عزت کرتا ہوں۔ مگر میں اس کو پوجتا نہیں جس طرح کہ ناز پر وردہ لوگ بڑے پیٹوں والے آگ کے دیوتاؤں کو پوجتے ہیں۔

دیوتاؤں کی پوجا سے تو ذرا دانت کڑکڑانا بہتر ہے۔ یہ ہے میری فطرت۔ اور میری نفرت تمام تند دھنواں دھار اور بدبودار آگ کے دیوتاؤں سے عجیب وغریب قسم کی ہے۔

اگر میں کسی سے محبت کرتا ہوں تو بہ نسبت گرمیوں کے سردیوں میں زیادہ محبت کرتا ہوں جب کہ سردیاں میرے گھر میں اتری ہوتی ہوں،

واقعی دل سے، اور خود اس وقت جب کہ میں بچھونے میں گھس رہا ہوں۔ اس وقت میری دَبکی ہوئی خوش وقتی بھی ہنستی اور مذاق اڑاتی ہے اور میرا جھوٹا خواب بھی ہنستا ہے۔

میں اور دبکنے والا؟ تمام عمر میں کبھی زردُشت لوگوں کے آگے نہیں دبکا۔ اور اگر میں جھوٹ بھی بولا ہوں تو محبت کی وجہ سے۔ اسی وجہ سے میں سردیوں کے بچھونے میں بھی مگن ہوں۔

امیرانہ بستر سے زیادہ مجھے ایک کم بضاعت بستر گرمی پہنچاتا ہے۔ کیوں کہ

میں اپنی ناداری سے بدظن ہوں اور سردیوں میں وہ میری وفادار ترین ساتھی
ہوتی ہے۔
میں ہر دن کی ابتدا شرارت سے کرتا ہوں۔ میں ٹھنڈے غسل سے سردیوں
کا مذاق اڑاتا ہوں۔ اس پر وہ میرا گھریلو سخت دل دوست بڑبڑاتا ہے۔
اسے موم بتی سے گدگدانے میں بھی مجھے مزہ آتا ہے۔ تاکہ وہ بالآخر میرے لیے
خاکستری شفق ہٹا کر آسمان کو کھول دے۔
بالخصوص صبح کے وقت میں بہت شرارت کرتا ہوں، علی الصباح جب کہ
ڈول کنوئیں پر کھڑکھڑاتا ہے۔ اور اصیل گھوڑے دھندلی گلیوں میں زور سے
ہنہناتے ہیں۔
اس وقت میں بے صبری سے روشن آسمان کے کھل جانے کا انتظار کرتا ہوں،
برف کی سی سفید ڈاڑھی والا سردیوں کا آسمان، بوڑھا اور سر سفید،
سردیوں کا آسمان، خاموش جو اکثر اپنے سورج کو بھی دبا کر خاموش کر دیتا ہے
غالباً میں نے طویل اور روشن خاموشی اسی سے سیکھی ہے؟ یا اس نے مجھ سے
سیکھی ہے؟ یا ہم میں سے ہر ایک نے اسے خود ایجاد کیا ہے؟
تمام اچھی چیزوں کی جڑ ہزار شاخہ ہوتی ہے۔ تمام اچھی اور دلیر چیزیں خوشی
کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں۔ تو یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ صرف ایک بار
ایسا کریں!
طویل خاموشی بھی ایک اچھی اور دلیرانہ چیز ہے اور نیز روشن گول آنکھوں
والے چہرے سے سردیوں کے آسمان کا نظارہ،
اسی کی طرح اپنے سورج اور اپنے نہ جھکنے والے سورجی ارادے کو دبا کر
خاموش رکھنا: واقعی میں نے اس صنعت اور اس زمستانی دلیری کو خوب

سیکھا ہی۔

میری سب سے زیادہ پیاری شرارت اور صنعت یہ ہو کہ میری خاموشی نے یہ سبق سیکھ لیا ہو کہ وہ چپ ہو کر اپنا راز فاش نہ کرے۔

الفاظ اور پانسوں کو کھڑکھڑا کر میں ہوشیار پاسبانوں کو دھوکا دے دیتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا عزم اور مقصد ان سخت چوکیداروں سے بچ کر نکل جائے۔

تاکہ کوئی شخص میری تھاہ اور انتہائی عزم تک نگاہ نہ دوڑا سکے، میں نے اس طویل اور روشن خاموشی کو ایجاد کیا ہی۔

بہتیرے چالاک لوگ مجھے ملے ہیں جو اپنے چہرے چھپا لیتے تھے اور اپنے پانی کو گدلا کر دیتے تھے تاکہ کسی کی نظر نہ ان میں ہو کر گزر سکے اور نہ تھاہ تک پہنچ سکے۔

مگر خاص کر انھیں کے پاس ان سے زیادہ چالاک شک کرنے اور اخروٹ توڑنے والے پہنچے اور خاص کر انھیں کی پوشیدہ ترین مچھلیاں پکڑ کر لے گئے۔

برخلاف اس کے میرے خیال میں چنٹی ایمان دار اور شفاف مچھلیاں سب سے زیادہ ہوشیار چپ رہنے والیاں ہیں۔ کیوں کہ تھاہ کتنی ہی گہری کیوں نہ ہو صاف سے صاف پانی بھی ان کی پردہ دری نہیں کرتا۔

ای برف کی سی سفید داڑھی والے خاموش سردیوں کے آسمان۔ ای میرے اوپر والے گول آنکھوں اور سفید سر والے! ای میری روح اور اس کی دلیری کی اعلیٰ ترین تشبیہ!

اور کیا مجھے اس شخص کی طرح چھپنا نہیں چاہیے جو سونا نگل گیا ہوتا کہ کوئی میری روح چاک نہ کر ڈالے۔

کیا مجھے بیاکھیوں پر نہ چلنا چاہیے تاکہ یہ تمام حاسد اور ایذا رساں میری لمبی
ٹانگیں نہ دیکھ سکیں ؟

یہ دھنویں کی ماری گُن گنی استعمال شدہ جُھلسی ہوئی اور آفت زدہ روحیں
ان کی حسد میری خوش وقتی کو کیوں کر برداشت کر سکتی ہو !

لہٰذا میں ان کو محض اپنی چوٹیوں کا برف اور سردیاں دکھاتا ہوں نہ یہ کہ
سورج کی تمام پیٹیاں میرے پہاڑ کے کمر میں بندھی ہوئی ہیں۔

وہ محض سردیوں کی آندھی کو سیٹی بجاتے سنتے ہیں نہ یہ کہ میں گرم سمندروں
کے اوپر بھی سیاحت کرتا ہوں جس طرح کہ مشتاق بھاری اور گرم جنوبی ہوائیں
کرتی ہیں۔

وہ میرے حادثات اور اتفاقات پر رحم کھاتے ہیں۔ لیکن میرا مقولہ یہ
ہو: " اتفاق کو میرے پاس آنے سے نہ روکو۔ وہ تو بچّے کی طرح معصوم ہو ! "

وہ کیوں کر میری خوش وقتی گوارا کر سکتے تھے اگر میں اپنی خوش وقتی کو
حادثات اور تکالیفِ سرما اور برفستانی بھیڑیوں کی ٹوپیوں اور یخ بستہ
آسمان کی ہتھیلیوں سے ملبوس نہ کرتا !

اگر میں خود ان کی ہمدردی پر رحم نہ کھاتا، ان حاسدوں اور ایذا رسانوں
کی ہمدردی پر !

اگر میں خود ان پر آہِ سرد نہ کھینچتا اور سردی سے دانت نہ کڑکڑاتا اور
متحمل ہو کر ان کی ہمدردی میں لپیٹ دیا جاتا !

یہ میری روح کی دانشمندانہ دلیری اور رضامندی ہو کہ وہ اپنی سردیوں
اور پالے کی آندھیوں کو نہیں چھپاتی۔ وہ اپنی ہوائیوں کو بھی نہیں چھپاتی۔
ایک شخص کی تنہائی کی مثال یہ ہوتی ہو جیسے بیمار کا بھاگ جانا۔ اور

دوسرے شخص کی تنہائی بیمار کے پاس سے بھاگ جانا۔

اگر یہ بے چارے بھینگے بدمعاش مجھے سردی سے دانت بجاتے ہوئے اور سرد آہ کھینچتے ہوئے سننا چاہتے ہیں تو سنیں! اس طرح کی آہ اور گڑگڑاہٹ سے تو میں ان کے گرم کمروں سے بھی بھاگ نکلتا ہوں۔

اگر وہ میری برائیوں کی وجہ سے مجھ پر رحم کھاتے اور آہِ سرد کھینچتے ہیں تو یوں ہی سہی۔ ان کی یہ شکایت ہو: "معرفت کے برف پر تو یہ ٹھٹھر کر رہ جائے گا!"

اس وقت تک میں گرم قدموں سے اپنے کوہِ زیتون پر اِدھر اُدھر دوڑ دھوپ کروں گا۔ اپنے کوہِ زیتون کے دھوپ والے کنارے پر بیٹھ کر میں گیت گاؤں گا اور تمام ہمدردیوں کا مذاق اڑاؤں گا۔

یہ تھا گیت زرتُشت کا۔

چلتا ہونا

الغرض زرتُشت متعدد اقوام اور مختلف شہروں کی سیر کرتا ہوا چکر کے راستے سے اپنے پہاڑوں اور اپنے غار میں واپس آیا۔ اور سفر کرتے کرتے اتفاقاً اس کا گزر شہرِ بزرگ کے پھاٹک پر ہوا۔ اور یہاں ایک دیوانہ جس کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا بانہیں پھیلائے اس کی طرف لپکا اور اس کا راستا روک کر کھڑا ہو گیا۔ یہ وہی دیوانہ تھا جس کا نام لوگوں نے "زرتُشت کا بندر" رکھ چھوڑا تھا۔ کیوں کہ اس نے زرتُشت کے فقرے اور طرزِ بیان اڑا لیے تھے اور اس کی دانشمندی کے خزانے کا عاریتاً استعمال کرتا تھا۔ اور وہ دیوانہ زرتُشت سے یوں مخاطب ہوا:

"زرتُشت، یہ ہو شہرِ بزرگ۔ تجھے یہاں کچھ مل نہیں سکتا بلکہ تو بہت کچھ

کھو سکتا ہی۔
تو اس کیچڑ میں سے ہو کر کیوں گزرنا چاہتا ہو؟ ذرا اپنے پانو پر رحم کر!
اس سے تو یہ بہتر ہی کہ تو اس پھاٹک پر تھوک کر چلتا ہو۔
یہ گوشہ نشینی خیالات کے لیے دوزخ ہی۔ یہاں بڑے بڑے خیالات زندہ
اُبالے جاتے اور گلا کر ریزہ ریزہ کر دیے جاتے ہیں۔
یہاں تمام بڑے بڑے جذبات سڑ جاتے ہیں۔ یہاں محض سوکھے ساکھے ڈھانچے
کی طرح جذبات کو کھڑکھڑانے کی اجازت ہی۔
کیا تجھے یہاں روح کے کھنتوں اور طبّاخ خانوں کی بو نہیں آرہی ہی؟ کیا
اس شہر میں مذبوحہ روح کے بخارات نہیں اٹھ رہے ہیں؟
کیا تو نے روحوں کو بے جان اور میلے چیتھڑوں کی طرح لٹکتا ہوا نہیں دیکھتا ہی؟
اور اخبارات بھی وہ انھیں چیتھڑوں سے بناتے ہیں!
کیا تجھے سنائی نہیں دیتا کہ یہاں روح کس طرح محض الفاظ کا کھیل ہو کر
رہ گئی ہی؟ وہ الفاظ کی گھنونی دھوئیں کی قی کرتی ہی۔ یہاں تک کہ وہ الفاظ کی
اس دھوئیں سے اخبارات بناتے ہیں۔
وہ ایک دوسرے کو ورغلاتے ہیں اور نتیجے سے بے خبر ہیں۔ وہ ایک دوسرے
کو آگ بگولا بنا دیتے ہیں اور جانتے نہیں کہ کیوں۔ وہ اپنے ٹین کو کھڑکھڑاتے
اور اپنے سونے کو جھنکارتے ہیں۔
وہ سرد ہیں اور جلے ہوئے پانیوں سے گرمی پہنچانا چاہتے ہیں۔ وہ گرمی
سے تپ رہے ہیں اور ٹھٹھرتی ہوئی روحوں کے ذریعے ٹھنڈک پہنچانا چاہتے
ہیں۔ وہ سب عام رائے کے مریض اور روگی ہیں۔
یہاں تمام خواہشات اور برائیوں کا گھر ہی۔ لیکن یہاں نیک خصلت

لوگ بھی ہیں اور بہت سی چالاک پیش کردہ خصلتیں بھی،
بہت سی چالاک نیک خصلتیں جن کی آنگلیاں منشیوں کی سی ہیں اور جو دیر تک بیٹھ کر انتظار کر سکتی ہیں اور سینے پر کے چھوٹے چھوٹے ستاروں اور گدرائی ہوئی بے کولوں والی بیٹیوں سے مالامال ہیں۔
اور یہاں بہت زیادہ پارسائی پائی جاتی ہے اور بہت زیادہ عقیدت مندی کا تھوک چاٹنا، یعنی فوجوں کے خدا کے سامنے خوشامد۔
"اوپر سے" ستارا اور تھوک ٹپکتا ہے اور ہر بے ستارے والے سینے کی نظریں اوپر کی طرف لگی ہوئی ہیں۔
چاند کے پاس اپنا دربار ہے اور دربار کے پاس اپنے ماہتابی بچھڑے۔ بھیک منگی قوم اور ہر چالاک بھیک منگی نیک خصلت ہر اس چیز کی پرستش کرتی ہے جو دربار سے آتی ہے۔
"میں خدمت کرتا ہوں، تو خدمت کرتا ہے، ہم خدمت کرتے ہیں":
یوں ہر چالاک نیک خصلت بادشاہ کی پرستش کرتی ہے تاکہ حاصل کردہ ستارا بالآخر تنگ سینے پر آویزاں ہو۔
لیکن چاند اب تک ہر خاکی شے کے گرد گھوم رہا ہے۔ لہٰذا بادشاہ بھی خاکی ترین شے کے گرد گھوما کرتا ہے اور یہ دکان دار کا سونا ہے۔
فوجوں کا خدا سونے کی اینٹوں کا خدا نہیں۔ بادشاہ کے ہاتھ میں تجویز کرنا ہے اور دکان دار کے ہاتھ میں اسے سرانجام تک پہنچانا۔
میں تجھے ان تمام چیزوں کی قسم دیتا ہوں جو تیرے اندر منوّر اور مضبوط اور نیک ہیں، اے زردشت! اس دکان دار کے شہر پر تھوک کر چلا جا!
یہاں ہر ایک کی رگوں میں سڑا ہوا اور نیم گرم اور جھاگ دار خون بہتا ہے۔

تھوک شہرِ بزرگ پر جو کوڑے کرکٹ کا ڈھیر ہے، جہاں بول و براز کا خمیر اٹھتا ہے
پچکی ہوئی روحوں اور تنگ سینوں اور نوک دار آنکھوں اور چپچپی
انگلیوں والے شہر پر تھوک،
اس شہر پر جو قبضۂ مخالفانہ کرنے والوں اور بے حیاؤں اور قلم اور حلق سے
چلّانے والوں اور آتشیں مزاج حوصلہ مندوں کا شہر ہے،
جہاں تمام ٹوٹی پھوٹی اور بدنام اور شہوانی اور تاریک اور گلی ہوئی
اور پھوڑے پھنسی والی اور باغی چیزیں باہم سڑتی ہیں۔
تھوک شہرِ بزرگ پر اور واپس چل دے!"
مگر یہاں زردُشت نے جھاگ والے دیوانے کا قطعِ کلام کر دیا اور اس
کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔
زردُشت بآوازِ بلند کہنے لگا: "ارے چپ! دیر سے میں تیری تقریر اور
تیرے طرزِ بیان سے متنفر ہو رہا ہوں۔
تو اتنے دنوں کیچڑ کے کنارے کیوں رہا کہ خود مینڈک بن گیا؟
کیا خود تیری رگوں میں سڑا ہوا جھاگ دار اور دلدلی خون نہیں بہتا ہے
کہ تو نے اس طرح مینڈک کی بولی اور گالیاں سیکھ لی ہیں؟
تو جنگل میں کیوں نہیں چلا گیا؟ یا کھیت جوتنے؟ کیا سمندر سرسبز جزیروں
سے معمور نہیں ہے؟
میں تیری حقارت آمیز گفتگو کو نظرِ حقارت سے دیکھتا ہوں۔ اور اگر تو
مجھے خبردار کرنا چاہتا ہے تو تو نے خود اپنے آپ کو کیوں خبردار نہیں کیا؟
میری حقارت اور میری خبردار کن چڑیا کو محض محبت کے ذریعے سے
بال و پر ملیں گے نہ کہ کیچڑ کے ذریعے سے

لوگوں نے تیرا نام میرا بندر رکھا ہے، اے جھاگ دار دیوانے! لیکن میں تجھے اپنا غرّانے والا سوٗر کہتا ہوں۔ اس غرّانے کی وجہ سے تو نے میری تعریفِ دیوانگی پر بھی پانی پھیر دیا۔

وہ کون سی چیز تھی جس کی وجہ سے تو سب سے پہلے غرّایا ہے؟ کیا اس وجہ سے کہ کسی نے تیری کافی چاپلوسی نہیں کی؟ اسی وجہ سے تو اس کوڑے کرکٹ کے پاس آکر بیٹھا ہے تاکہ تجھے بہت زیادہ غرّانے کی وجہ ہاتھ آئے۔

تاکہ تجھے بہت زیادہ کینہ پروری کی وجہ ہاتھ آئے۔ اے مغرور دیوانے، تیرا جھاگ اڑانا تو کینے ہی کی وجہ سے ہے۔ میں نے تجھے کیا خوب پہچانا ہے!

لیکن تیری دیوانی باتیں مجھے نقصان پہنچاتی ہیں خواہ تو حق بجانب ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر زرتُشت کے الفاظ سو بار بھی حق بجانب ہوں لیکن تو میرے الفاظ سے ہمیشہ نقصان پہنچائے گا۔"

یہ تھی تقریر زرتُشت کی۔ اور اس نے شہرِ بزرگ کی طرف نظر اٹھائی اور ایک سرد آہ کھینچی اور دیر تک خاموش رہا۔ بالآخر وہ یوں گویا ہوا:

مجھے بھی فقط اس دیوانے سے گھن نہیں آتی بلکہ اس شہرِ بزرگ سے بھی۔ ان دونوں میں نہ کوئی اصلاح ہوسکتی ہے اور نہ خرابی۔

حیف ہے اس شہرِ بزرگ پر! اور کاشکے مجھے شعلوں کے وہ ستون دکھائی دیتے جو اس کو جلا ڈالتے!

کیوں کہ شعلوں کے اس طرح کے ستون ظہرِ عظیم کے قبل ضرور پیش آئیں گے مگر ہاں یہ اپنے وقت پر موقوف ہے اور اپنی قسمت پر۔

مگر اے دیوانے، میں تجھے جاتے جاتے یہ تعلیم دیے جاتا ہوں: جہاں رہ کر انسان محبّت کرنے سے قاصر ہو وہاں سے اس کو چلتا ہونا چاہیے۔

یہ کہہ کر زرُدشت اس دیوانے اور شہرِ بزرگ سے چلتا ہوا۔

مُرتدین

(۱)

ہای، اس مرغزار میں جو چیزیں کل تک ہری بھری اور رنگ برنگ تھیں وہ آج سوکھ گئی ہیں اور بے رنگ ہو گئی ہیں؟ یہاں سے کتنا کچھ شہد میں اپنے چھتّوں میں لے جا چکا ہوں!

یہ نوجوان دل بوڑھے ہو گئے ہیں۔ بڈھے تو نہیں بلکہ تھکے ہوئے ذلیل اور آرام طلب۔ ان کی تاویل یہ ہی: "ہم پھر پارسا ہو گئے ہیں"۔

ابھی کل کی بات ہی کہ میں نے ان کو صبح کے وقت ان کے جری پانو پر چلتے دیکھا تھا۔ لیکن اب ان کے بامعرفت پانو تھک گئے ہیں اور اب وہ اپنی صبح والی جرائت کا بھی اقرار نہیں کرتے۔

واقعی ان میں سے بہتیروں کے پانو ناچنے والوں کی طرح حرکت کرتے تھے۔ میرا خندۂ دانشمندی ان سے آنکھ لڑاتا تھا۔ پھر انھیں اپنی یاد آئی۔ اور اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ خمیدہ قد ہو گئے ہیں اور دبک کر چلتے ہیں۔

ایک دن تھا کہ وہ بھروں اور جوان شاعروں کی طرح روشنی اور آزادی کے گِرد پر پھڑپھڑاتے تھے۔ اب وہ کسی قدر بوڑھے ہو گئے ہیں اور نسبتاً سرد، لہٰذا چبا چبا کر باتیں کرنے والے اور آگ کے پاس سے نہ ہٹنے والے۔

شاید ان کے دل نے اس وجہ سے ہمت ہار دی کہ تنہائی نے مجھے ویل مچھلی کی طرح نگل لیا ہی؟ شاید ان کے کانوں نے بہت مدت تک میرے بگلوں اور فرستادوں کی آواز کو عبث سنا ہی؟

آہ، ایسے لوگ بہت کم پائے جاتے ہیں جو بڑے دلیر اور باہمت ہوں۔ اور ایسے لوگوں کی روح بھی متحمل ہوتی ہے۔ باقی لوگ بزدل ہیں۔

باقی لوگ: یہ بے حد زیادہ ہیں، عوام، ضرورت سے زیادہ، کثیر التعداد۔ یہ سب بزدل ہیں۔

جو شخص میرا ہم جنس ہے اس کی راہ میں میرے ہی سے تجربے بھی پیش آئیں گے۔ اس طرح سے کہ اس کے پہلے ساتھی لاشیں ہوں گی اور نٹ۔

اور اس کے دوسرے ساتھی: وہ اس کے معتقدین کہلائیں گے، یعنی ایک زندہ انبوہ، افراطِ محبت، بے حد حماقت، بہت بے داڑھی والی تعظیم۔

اس شخص کو ان معتقدین کے ساتھ اپنا دل پھنسانا نہ چاہیے، یعنی جو انسانوں میں میرا ہم جنس ہے! ان بہار کے موسموں اور رنگ برنگ سبزہ زاروں پر اس شخص کو اعتقاد نہ رکھنا چاہیے جو انسانی سرسری اور بزدلانہ طینت سے واقف ہو!

اگر ان کا طرزِ عمل دوسرا ہو سکتا تو ان کا ارادہ بھی دوسرا ہوتا۔ ادھورے ہر مکمل چیز کو بگاڑ دیتے ہیں۔ اگر پتے سوکھ جائیں تو اس میں شکایت کی کون سی بات ہے!

ان کو چلنے دے اور گر جانے دے، اے زردُشت، اور شکایت زبان پر نہ لا! بلکہ ان کے اندر شور کرنے والی آندھی چلا،

ان پتوں کے درمیان ہوا چلا، اے زردُشت، تاکہ ہر خشک چیز زیادہ تیزی کے ساتھ تیرے پاس سے اُڑ جائے۔

(۲)

"ہم پھر پارسا ہو گئے ہیں": یہ دعویٰ مرتدین کا ہے۔ مگر بہتیرے ان میں سے ایسے بزدل ہیں کہ یہ دعویٰ تک نہیں کرتے۔

میں اُن کی آنکھ میں آنکھ ڈالتا ہوں۔ یہ میں اُن کے منہ پر اور ان کے رخساروں کی سرخی کے آگے کہتا ہوں: تم وہ لوگ ہو جو پھر پرستش کرنے لگے ہو!

لیکن پرستش کرنی بے حیائی ہے! ہر شخص کے لیے نہیں بلکہ تیرے اور میرے لیے اور اس کے لیے جس کسی کا ضمیر اس کے دماغ میں موجود ہو۔ ہاں، بے حیائی ہے تیرے لیے پرستش کرنا!

تو اسے خوب جانتا ہے۔ تیرا بزدل شیطان جو تیرے اندر ہے اور جو ہاتھ باندھنا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا اور بیشتر آرام طلبی کرنا پسند کرتا ہے۔ تجھ سے یہ کہتا ہے: "خدا موجود ہے!"

مگر یوں تیرا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو روشنی سے بھاگتے ہیں جن کو روشنی کبھی آرام سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ اب تجھے چاہیے کہ تو روز بروز اپنے سر کو تاریکی اور بدبو کے اندر زیادہ داخل کرتا جا!

اور واقعی تو نے اچھی گھڑی انتخاب کی ہے! کیوں کہ ابھی ابھی پھر رات کے پرندے اُڑ نکلے ہیں۔ تمام روشنی سے بھاگنے والوں کی گھڑی آن پہنچی ہے، شام اور چھٹی کی گھڑی جب کہ وہ "چھٹی نہیں مناتے"۔

میں یہ سنتا ہوں اور سونگھتا ہوں: ان کے شکار اور تبدیلِ مکان کی گھڑی آن پہنچی ہے، ہاں جنگلی شکار کی نہیں بلکہ پالو لنگڑے منمنانے والے دبے پاؤں چلنے والے اور آہستہ آہستہ نماز پڑھنے والے شکار کی،

روح سے پُر اور دبکنے والے شکار کی۔ دل کے تمام چوہے دان اب پھر لگا دیے گئے ہیں۔ اور جہاں کہیں بھی میں پردہ اٹھاتا ہوں وہاں سے ایک نہ ایک پتنگہ نکل بھاگتا ہے۔

شاید وہ وہاں کسی دوسرے پتنگے کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا؟ کیوں کہ مجھے ہر جگہ

پوشیدہ ٹولیوں کی بو آتی ہے۔ اور جہاں کہیں تنگ کوٹھریاں ہیں وہاں نئے پجاری ہیں اور نئے پجاریوں کی بدبو۔

وہ راتوں کو دیر تک باہم بیٹھتے ہیں اور یہ گفتگو کرتے ہیں: "آؤ، ہم پھر بچوں کی طرح ہو جائیں اور 'پیارے خدا' کہیں!" اور پارسا حلوائیوں کی وجہ سے ان کے منہ اور معدے خراب ہو گئے ہیں۔

یا وہ راتوں کو دیر دیر تک کسی دغا باز تاک میں بیٹھنے والی صلیبی مکڑی کو دیکھتے رہتے ہیں جو خود دوسری مکڑیوں کو عقلمندی سکھاتی اور یہ تعلیم دیتی ہے:۔ "صلیبوں کے نیچے جالے تاننا اچھی بات ہے!"

یا وہ دن بھر بنسیاں لیے کیچڑ کے کنارے بیٹھے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم گہرے پانی بیں ہیں۔ لیکن جو شخص اس جگہ مچھلیاں پکڑنا چاہتا ہے جہاں مچھلیاں ہوں ہی نہ، تو میں اس کو سطحی کے نام سے بھی پکار نہیں سکتا۔

یا وہ کسی مذہبی گیتوں کے شاعر کے پاس پارسائی مسرت کے ساتھ بربط بجانا سیکھتے ہیں جو خود بربط بجا کر نوجوان عورتوں کا دل لبھانا چاہتا ہے۔ کیوں کہ وہ بوڑھی عورتوں اور ان کی تعریفوں سے اکتا گیا ہے۔

یا وہ کسی نیم خبطی عالم کے پاس بیٹھ کر ڈرنا سیکھتے ہیں جو تاریک کمروں میں اِس بات کا انتظار کرتا ہے کہ اس کے پاس جنات آئیں اور اس کی روح بالکل خیر باد کہہ دے۔

یا وہ کسی پرانے ہرزہ گرد خرخرُ اور سُرسُر کرنے والے کی باتوں کو کان دھر کر سنتے ہیں جس نے غم زدہ ہواؤں سے غم زدہ سُر سیکھے ہیں۔ اب وہ اسی ہوا کی طرح سیٹی بجاتا ہے اور غم زدہ سُروں کے ساتھ غم زدگی سکھاتا ہے۔

اور بعض تو ان میں سے رات کے چوکیدار ہو گئے ہیں۔ اب ان کو صور بجانا

اور شب گردی اور بہت دیر کی سوئی چیزوں کو جگانا آگیا ہو۔

کل رات باغ کی چار دیواری کے پاس میں نے پُرانی باتوں میں پانچ جملے سنے جو ایسے ہی بوڑھے غم زدہ اور خشک چوکیداروں کی زبان سے نکلے تھے۔

"وہ اپنی اولاد کی خبر گیری ایسی نہیں کرتا جیسی باپ کو کرنی چاہیے! انسانی باپ بہتر خبر گیری کرتے ہیں۔"

"وہ بہت بوڑھا ہوگیا ہو۔ وہ تو اب اپنی اولاد کی بالکل خبر گیری نہیں کرتا"؛ یہ تھا جواب دوسرے چوکیدار کا۔

"کیا اس کی اولاد ہو؟ اگر وہ خود اس کا ثبوت نہ دے سکے تو اور کون اس کا ثبوت دے سکتا ہو! بہت دنوں سے یہ میری آرزو ہو کہ وہ اس کا کافی ثبوت دے۔"

"ثبوت دینا؟ گویا اس نے کبھی کسی بات کا ثبوت دیا ہو! اثبات کرنا اس پر گراں گزرتا ہو۔ وہ اس بات پر زور دیتا ہو کہ اس کا یقین کیا جائے۔"

"ہاں! ہاں! وہ یقین سے خوش ہوتا ہو، یعنی کہ اس پر یقین کیا جائے۔ یہ پرانے لوگوں کی خصلت ہو۔ یہی حالت ہماری بھی ہو"

یہ تھی دو بوڑھے روشنی سے بھاگنے والے چوکیداروں کی باہمی گفتگو۔ اور اس کے بعد وہ دونوں غم زدہ ہوکر اپنے اپنے صوروں میں پھونکنے لگے۔ یہ واقعہ ہو کل شام کا باغ کی چار دیواری کے پاس۔

اور میرا دل مارے ہنسی کے بیتاب ہوگیا اور نکل بھاگنا چاہتا تھا مگر نہ معلوم کہاں۔ لہٰذا وہ میرے پہلو میں گر پڑا۔

واقعی یہ میری موت کا باعث ہوگا کہ جب کبھی میں گدھوں کو نشے میں چور دیکھتا ہوں اور چوکیداروں کو اس طرح خدا کے متعلق شک کرتے سنتا ہوں

تو مارے ہنسی کے میرا دم گھٹنے لگتا ہی۔

کیا اس شکوک کے زمانے کو گزرے مدّت نہیں ہوئی ؟ اب کس کو پڑی ہی کہ ایسی خوابیدہ روشنی سے بھاگنے والی چیزوں کو پھر بیدار کرے !

پرانے خدا تو عرصے سے ختم ہو چکے ہیں۔ اور واقعی ان کا خاتمہ ایک اچھا مسرّت آمیز خدائی خاتمہ تھا !

وہ "گھُل کر" ختم نہیں ہوئے اگرچہ بعض لوگ دروغ گوئی سے یہ دعوے کرتے ہیں بلکہ ایک بار وہ خود ہنس کر مر گئے۔

یہ اس وقت ہوا جب کہ خود ایک خدائے واحد نے ملحدانہ لفظ منہ سے نکالا تھا۔ وہ لفظ یہ تھا: "خدا محض ایک ہی ! میرے سوا تجھے اور کسی خدا کو نہ رکھنا چاہیئے"

ای غضب ناک حاسد خدا کے منہ سے بے سوچے سمجھے یہ بات نکل گئی۔

اس وقت تمام خدا ہنسے اور ان کی کرسیاں ہلنے لگیں اور انھوں نے باآواز بلند کہا: "کیا یہ خدائیت نہیں ہی کہ کئی خدا ہوں اور ایک خدا نہ ہو ؟"

جس کے کان ہوں وہ سنے !

یہ تھی تقریر زردشت کی اس شہر میں جس سے اسے محبّت تھی اور جس کا نام "چتکبری گائے" تھا۔ یہاں سے دو روز کی مسافت اسے اور طے کرنی تھی تاکہ وہ اپنے غار اور اپنے جانوروں کے پاس پھر پہنچ جائے۔ اور اپنے وطن کے قرب کی وجہ سے اس کی رُوح باغ باغ ہو رہی تھی۔

واپسیِ وطن

ای تنہائی ! ای میرے وطن، تنہائی ! میں نے اس قدر مدت تک وحشی غربت میں وحشیانہ زندگی بسر کی ہی کہ آب دیدہ ہو کر تیرے پاس گھر لوٹ رہا ہوں۔

اب تو مجھے انگلی سے دھمکا جس طرح کہ مائیں دھمکاتی ہیں۔ اب مجھ سے مسکرا جس طرح کہ مائیں مسکراتی ہیں۔ اب تو یہ کہہ "اور وہ کون تھا جو اس دن میرے پاس آندھی کی طرح چلتا ہوا تھا؟"

"جس نے چلتے چلتے پکار کر کہا تھا: میں نے مدت تک تنہائی کے ساتھ زندگی بسر کی ہے۔ اس لیے میں چپ رہنا بالکل بھول گیا ہوں۔ اب تو تو نے اسے سیکھ لیا ہوگا؟

"ای زردشت، میں سب کچھ جانتا ہوں اور یہ بھی کہ تو، ای شخصِ واحد، بہت لوگوں کی صحبت میں زیادہ فراموشی کی حالت میں تھا بہ نسبت اس وقت کے جب کہ تو میرے پاس تھا۔

"فراموشی دوسری چیز ہے اور تنہائی دوسری۔ اب تو اسے سمجھ گیا ہے! نیز یہ بھی کہ انسانوں میں تو ہمیشہ اجنبی رہے گا،

"وحشی اور اجنبی اس وقت بھی جب کہ وہ تجھ سے محبت کریں۔ کیوں کہ سب سے پہلے وہ اس بات کے خواہاں ہیں کہ ان کا دل نہ دکھایا جائے۔

"مگر یہاں تو اپنے وطن اور گھر میں ہے۔ یہاں تو ہر بات کہہ ڈال سکتا ہے اور تمام رازوں کو اُنڈیل سکتا ہے۔ یہاں کسی کو بھی پوشیدہ اور منجمد جذبات سے شرم نہیں آتی۔

"یہاں تمام چیزیں تیری تقریر کو گلے لگانے آتی ہیں اور تیری نازبرداری کرتی ہیں۔ کیوں کہ وہ تیرے اوپر کاٹھی رکھنا چاہتی ہیں۔ یہاں تو ہر تشبیہ پر سوار ہو کر ہر سچائی کے پاس جا سکتا ہے۔

"یہاں تو تمام چیزوں کے ساتھ صاف صاف اور ایمان داری کے ساتھ گفتگو کر سکتا ہے اور ایک چیز کا تمام چیزوں کے ساتھ گفتگو کرنا ان کے کانوں

کو بھلا معلوم ہوتا ہی۔

مگر فراموشی دوسری چیز ہی۔ کیا تجھے، ای زردشت، یہ معلوم نہیں؟ اس روز جب کہ تیرا پرندہ تیرے اڈ پر شور مچا رہا تھا، جب کہ تو جنگل میں کھڑا ہوا تھا اور یہ فیصلہ نہیں کرسکتا تھا کہ کہاں جائے، جب کہ تو ایک لاش کے پاس ہکا بکا کھڑا تھا،

"جب کہ تو کہہ رہا تھا: کاش کے میرے جانور میری رہنمائی کریں! جانوروں کی نسبت انسانوں کے درمیان میں نے زیادہ خطرہ پایا ہی۔ یہ تھی فراموشی!

"اور ای زردشت، کیا تجھے معلوم ہی؟ جب کہ تو اپنے جزیرے میں بیٹھا ہوا تھا جس طرح کہ خالی ڈولوں کے درمیان شراب کا حوض ہوتا ہی، دیتا ہوا اور سب کچھ دے ڈالتا ہوا، پیاسوں کو پانی پلاتا ہوا اور پلا ڈالتا ہوا،

"یہاں تک کہ سیر شدہ لوگوں میں صرف تو ہی پیاسا تھا اور رات کے وقت یہ شکایت کر رہا تھا: "کیا دینے سے لینا مبارک تر نہیں ہی؟ اور چرانا لینے سے بھی مبارک تر؟" یہ تھی فراموشی!

"اور ای زردشت، کیا تجھے معلوم ہی؟ جب کہ تیری خاموش ترین گھڑی آئی تھی اور تجھ کو خود تجھ سے لے گئی تھی، جب کہ اس نے بیہودہ طور سے کانا پھوسی کرتے ہوئے کہا تھا: "بول اور چکنا چور ہو جا!"

"جب کہ اس نے تیرے تمام انتظار اور خاموشی کی وجہ سے تجھے ضیق میں ڈال دیا تھا اور تیری منکسر المزاج ہمت کو بے ہمت بنا دیا تھا۔ یہ تھی فراموشی!"

ای تنہائی! ای میرے وطن، تنہائی! تیری آواز کس خوشی اور نزاکت کے ساتھ مجھ سے گفتگو کرتی ہی!

ہم ایک دوسرے سے سوالات نہیں کرتے، ہم ایک دوسرے سے شکوہ

شکایت نہیں کرتے ۔ہم ساتھ ساتھ کھلے ہوئے دروازوں میں سے علی الاعلان گزرتے ہیں۔

کیوں کہ تیرے یہاں کشادگی پائی جاتی ہی اور روشنی ۔ اور یہاں گھڑیاں بھی زیادہ ہلکے پانو آتی جاتی ہیں ۔یعنی کہ تاریکی میں وقت زیادہ گراں گزرتا ہی بہ نسبت روشنی کے ۔

یہاں میرے لیے ساری کائنات کے الفاظ اور الفاظ کے کھبے کھل جاتے ہیں ۔یہاں ہر کائنات کی خواہش ہی کہ لفظ میں مبدّل ہو جائے اور ہر تبدیلی مجھ سے بولنا چاہتی ہی۔

لیکن وہاں نیچے : وہاں ساری باتیں بیکار ہیں ۔ وہاں بھول جانا اور گزر جانا بہترین دانشمندی ہی۔ یہ میں اب سیکھ گیا ہوں ۔

جو شخص انسان کی ہر چیز سمجھنا چاہتا ہو اسے ہر چیز پر حملہ آور ہونا چاہیے ۔مگر میں اس سے بالکل مبرّا ہوں ۔

جہاں وہ سانس لیتے ہیں وہاں میں سانس نہیں لے سکتا ۔افسوس کہ میں نے اتنی مدّت تک ان کے شور اور بد بو سانس میں زندگی بسر کی !

ای میرے آس پاس کی مبارک خاموشی ! ای میرے آس پاس کی مبارک خوشبو ُ! یہ خاموشی کس زور سے پاک وصاف سانس اندر کھینچتی ہی !وہ کس طرح کان دھر کر سنتی ہی، وہ مبارک خاموشی !

لیکن وہاں نیچے : وہاں ہر چیز بک بک کرتی ہی۔ وہاں کوئی چیز سنائی نہیں دیتی۔ وہاں کوئی شخص خواہ ڈنکے کی چوٹ پر ڈھنڈورا کیوں نہ پیٹے بازار کے بنیے کوڑیوں کی آواز سے اس کا ناطقہ بند کر دیتے ہیں ۔

ان کے یہاں ہر چیز بک بک کرتی ہی۔ کچھ کسی کے سمجھ میں نہیں آتا۔ ہر چیز

پانی میں ڈوب جاتی ہے۔ کوئی چیز گہرے کنوئیں میں نہیں گرتی۔

ان کے یہاں ہر چیز بک بک کرتی ہے۔ کوئی چیز درست ہو کر تکمیل تک نہیں پہنچتی۔ ہر چیز مرغی کی طرح کڑکڑاتی ہے۔ مگر اب یہ کون چاہتا ہے کہ گھونسلے میں بیٹھ کر انڈے سیے؟

ان کے یہاں ہر چیز بک بک کرتی ہے۔ ہر چیز بول کر بگاڑ دی جاتی ہے۔ اور کل تک جو چیز خود زمانے اور خود اس کے دانتوں کے لیے بہت سخت تھی آج وہ زمانہ حال کے لوگوں کے نتھنوں سے چھتڑے چھتڑے اور پرزہ پرزہ ہو کر لٹک رہی ہے۔

ان کے یہاں ہر چیز بک بک کرتی ہے۔ ہر چیز کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ اور جو چیز کبھی راز تھی اور گہری روحوں کے اسرار وہ آج گلی کوچوں میں چلانے والوں اور دوسری تتلیوں کی ملکیت ہے۔

اے نوعِ بشر، اے عجیب المخلوقات! اے تاریک گلیوں کے شور و غل، اب دوبارہ میرا پیچھا تجھ سے چھوٹا، میرا پیچھا اپنے سب سے بڑے خطرے سے چھوٹا!

دل آزاری نہ کرنے اور ہمدردی کرنے میں ہمیشہ سے میرے لیے سب سے بڑا خطرہ تھا۔ اور ہر نوعِ بشر اس کا خواہاں ہے کہ اس کی دل آزاری نہ کی جائے بلکہ اس کا تحمل کیا جائے۔

روکی ہوئی سچائیوں کے ساتھ، مجنونانہ ہاتھوں اور مخبوط دل کے ساتھ، اور ہمدردی کی چھوٹی چھوٹی دروغ گوئیوں سے پُر: اس طرح میں نے ہمیشہ انسانوں میں زندگی بسر کی۔

میں ان کے درمیان بھیس بدل کر بیٹھتا تھا۔ اور میں اپنے آپ کو نہ پہچاننے کے لیے تیار رہتا تھا تاکہ میں ان کا متحمل ہو سکوں۔ اور میں اپنے آپ سے یہ کہنا

پسند کرتا تھا: "اے دیوانے، تو انسانوں کو نہیں پہچانتا!"
جو شخص انسانوں کے درمیان رہتا ہے وہ انسانوں کو نہیں پہچانتا۔ تمام انسانوں کا پیش میدان بہت بڑا ہے۔ ایسی جگہ دُور بین اور دُور طلب آنکھوں کا کیا کام!
اور جب انھوں نے مجھ کو نہیں پہچانا تو مجھ بے وقوف نے اپنے سے زیادہ ان کی دل جوئی کی۔ کیوں کہ میں اپنے اوپر سختی کرنے کا عادی تھا اور اکثر اس دل جوئی کی وجہ سے میں اپنا بدلہ اپنے ہی اوپر نکالتا تھا۔
زہریلی مکھیوں کے ڈنک کھائے ہوئے اور پتھر کی طرح بہت سے قطراتِ شرارت سے سوراخ در سوراخ: اس طرح سے میں ان کے درمیان میں صرف بیٹھتا ہی نہ تھا بلکہ اپنے آپ کو یہ بھی سمجھاتا تھا: "ہر کم مایہ چیز اپنی کم مایگی کے الزام سے بَری ہے!"
خاص کر ان لوگوں کو جو اپنے آپ کو "نیک لوگ" کہتے ہیں میں نے سب سے زیادہ زہریلی مکھیاں پایا۔ وہ نہایت بھولے پن سے ڈنک مارتے ہیں — وہ نہایت بھولے پن سے جھوٹ بولتے ہیں۔ پھر وہ میرے ساتھ کیوں کر انصاف برت سکتے ہیں!
جو شخص نیک لوگوں کی صحبت میں رہتا ہے اس کو ہمدردی جھوٹ بولنا سکھا دیتی ہے۔ ہمدردی تمام آزاد روحوں کی ہوا کو گندہ کر ڈالتی ہے۔ یعنی نیکوں کی بے وقوفی بے تھاہ ہے۔
اپنے آپ کو بھی پوشیدہ رکھنا اور اپنے تمول کو بھی: یہ وہاں نیچے میں نے سیکھا ہے۔ کیوں کہ میں نے وہاں اب تک ہر ایک کی روح کو نادار پایا ہے۔ یہ میری ہمدردی کی دروغ گوئی تھی کہ مجھے ہر شخص کے متعلق معلوم تھا،
اور یہ کہ میں نے ہر ایک میں دیکھا اور محسوس کیا تھا کہ اس میں کتنی رُوح کافی

اور کتنی زاید تھی۔

اُن کے بے لچک دانشمند لوگ: میں ان کو دانشمند کہتا تھا نہ کہ بے لچک۔ اس طرح الفاظ کا نگل جانا میں نے سیکھا تھا۔ ان کے قبرکَن: ان کا نام میں نے علما اور محققین رکھا تھا۔ اس طرح الفاظ کا ہیر پھیر میں نے سیکھا تھا۔

قبرکَن اپنے لیے بیماریاں کھودتے ہیں۔ پُرانے ڈھیروں میں خراب بخارات ہوتے ہیں۔ گندی کیچڑ کو الٹ پلٹ نہ کرنا چاہیے۔ انسان کو چاہیے کہ پہاڑوں پر زندگی بسر کرے۔

میں پھر مبارک نتھنوں سے پہاڑی آزادی کی سانس لیتا ہوں۔ آخر میری ناک کو نوعِ بشر کی بو سے چھٹکارا مل ہی گیا!

میری روح کو تیز ہواؤں نے گدگدایا جس طرح کہ پھین دار شراب کرتی ہے اور اس کو چھینک آئی۔ اس کو چھینک آئی اور اس نے مسرت کے جوش میں آگر کہا: تندرستی!

یہ تھیں باتیں زردشت کی۔

تین عیب

(۱)

خواب میں، آج صبح کے آخری خواب میں میں نے دیکھا کہ میں ایک دامنِ کوہ پر دنیا کے اس پار کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ میں ترازو ہے اور میں دنیا کو تول رہا ہوں۔

افسوس کہ بہت جلد پو پھٹ گئی۔ اس حاسد نے چمک دمک کر مجھے جگا دیا۔ وہ ہمیشہ سے میرے صبح کے خواب کی چمک دمک پر حسد کرتی ہے۔

قابلِ مساحت اس کے لیے جس کے پاس وقت ہی، قابلِ وزن اچھّے تولنے والے کے لیے، قابلِ پرواز مضبوط بال و پر کے لیے، قابلِ حل خدائی اخروٹ توڑنے والوں کے لیے: اس طرح میرے خواب کو دنیا دکھائی دی،

میرے خواب کو جو دلیر ملّاح ہی، آدھا جہاز، آدھا طوفان، تتلیوں کے مانند خاموش، مثل عقاب کے بے سکون۔ دیکھو تو سہی، آج دنیا کو تولنے کے لیے اس کے پاس کس قدر تحمل اور وقت تھا!

غالباً میری دانش مندی نے چپکے سے اسے راضی کر لیا، میری ہنس مکھ بیدار اور موجودہ دانشمندی نے جو تمام "لامتناہی دنیاؤں" کا تمسخر کرتی ہی؟ کیوں کہ اس کا مقولہ ہی: "جہاں قوّت پائی جاتی ہی وہاں تعداد بھی حاکم ہوتی ہی۔ تعداد کی قوت بیشتر ہی۔"

میرا خواب اس متناہی دنیا کو کس بھروسے سے دیکھ رہا تھا، نہ نئی چیزوں کا متجسس نہ پرانی چیزوں کا، نہ خائف نہ ملتجی،

گویا ایک بھاری بھرکم سیب میرے ہاتھ میں آنا چاہتا تھا، ایک پختہ سونے کا سیب جس کا چھلکا مخمل کی طرح ٹھنڈا اور نرم تھا: اس طرح سے دنیا میرے سامنے آئی،

گویا کہ ایک درخت مجھے اشارے سے بلا رہا تھا، ایک چوڑی شاخوں اور پختہ عزم والا درخت جو کہ ٹیک بننے اور تھکے ماندے پانو کے سستانے کے لیے جھک گیا تھا: اس طرح دنیا میرے دامنِ کوہ پر کھڑی تھی،

گویا نازک ہاتھ میرے سامنے تبرکات کا ایک صندوقچہ پیش کر رہے تھے، ایسا صندوقچہ جو حیادار اور عابد آنکھوں کی مسرت کے لیے پیش کیا گیا ہو: آج دنیا میرے سامنے آئی،

نہ تو ایسی چیستاں کہ محبتِ انسانی کو ڈرا کر بھگا دے اور نہ ایسا حل کہ انسانی دانشمندی کو سلا دے۔ جس دنیا کی لوگ برائی کرتے ہیں آج وہ دنیا مجھے لطیف انسانی شے کی طرح معلوم ہوئی۔

میں اپنے خوابِ صبح کا کہاں تک شکریہ ادا کروں کہ میں نے آج صبح اس طرح دنیا کو تولا! وہ بہ حیثیت لطیف انسانی شے کے میرے پاس آیا، وہ خواب اور تشفی بخشِ قلب!

اور اس لیے کہ میں دن میں اس کی نقل اتاروں اور اس کی بہترین چیز کا مطالعہ کروں اور سبق پڑھوں اب میں تین بدترین عیبوں کو ترازو پر رکھتا ہوں اور ان کو بہترین امکانِ انسانی سے تولتا ہوں۔

جس نے دعا دینا سکھایا ہے اس نے لعنت بھیجنی بھی سکھائی ہے۔ دنیا میں تین بہترین ملعون چیزیں کون سی ہیں؟ ان کو میں ترازو پر رکھنا چاہتا ہوں۔

ہوس اور حکومت طلبی اور خود غرضی: اس وقت تک ان تینوں پر بہترین لعنت بھیجی گئی ہے۔ اور ان پر بدترین افترا باندھا گیا اور الزام لگایا گیا ہے۔ ان تینوں کو میں بہترین امکانِ انسانی سے تولوں گا۔

اچھا! یہ میرا دامنِ کوہ ہے اور وہ سمندر۔ وہ میری طرف لنڈ کتا ہوا آرہا ہے، بال بکھیرے ہوئے اور پیار سے، وفادار پرانا سگ نما اژدہا جس سے مجھے محبت ہے۔

اچھا! یہاں لنڈ کتے ہوئے سمندر کے اوپر میں اپنی ترازو لگاتا ہوں اور ایک گواہ بھی منتخب کرتا ہوں تاکہ وہ غور سے دیکھے تجھ کو، اسی گوشہ نشین درخت، تیز خوشبو پھیلانے والے، بڑے گھیر والے درخت جس سے مجھے محبت ہے۔

حال استقبال کی طرف کس پُل پر سے ہو کر جاتا ہے؟ کس قوت سے بلندی اپنے آپ کو پستی کی طرف کھینچتی ہے؟ اور بلند ترین چیز کے اور زیادہ بلند ہونے

کے کیا معنے ہیں ؟

اس وقت ترازو کے دونوں پلڑے برابر ہیں اور وہ ساکت ہی۔ میں نے اس میں تین بھاری سوالات ڈالے۔ دوسرے پلڑے میں تین بھاری جوابات ہیں۔

(۲)

ہوس: لباسِ توبہ پہننے اور جسم کو حقارت سے دیکھنے والوں کے لیے ڈنک اور نوک اور دنیا کے پچھواڑے والوں کے لیے بلحاظ "دنیا" ہونے کے ملعون۔ کیوں کہ وہ تمام غلط اور پریشان علم معلّموں کا تمسخر کرتی ہی اور ان کو بے وقوف بناتی ہی۔

ہوس: بدمعاشوں کے لیے آہستہ خرام آگ جس میں وہ کباب کیے جائیں گے تمام کِرم خوردہ لکڑیوں اور بدبودار چھتڑوں کے لیے تیار شدہ تپتی ہوئی اور شعلہ زن انگیٹھی۔

ہوس: آزاد دلوں کے واسطے معصوم اور آزاد۔ زمین کی جنّتی خوش وقتی۔ تمام مستقبل کا حال کے لیے سیلاب شکر گزاری۔

ہوس: محض مرجھائے ہوؤں کے لیے میٹھا میٹھا زہر۔ مگر شیر عزموں کے لیے عظیم تقویتِ قلب اور تمام شرابوں میں سے بہترین قدر کے ساتھ محفوظ شدہ شراب۔

ہوس: اعلیٰ خوش وقتی اور اعلیٰ ترین امید کے لیے تشبیہی خوش وقتی۔ بہتیروں کے لیے وعدۂ نکاح بلکہ بہتر از نکاح،

بہتیروں کے لیے اپنے آپ سے زیادہ غیر مانوس بہ نسبت خاوند اور بیوی کے۔ اور یہ کس کی سمجھ میں ٹھیک آیا ہی کہ خاوند اور بیوی باہم کس قدر غیر مانوس ہوتے ہیں !

ہوس: لیکن میں اپنے خیالات کو احاطے کے اندر رکھنا چاہتا ہوں اور نیز اپنے الفاظ کو تاکہ میرے باغ کے اندر سوّر اور جوشیلے لوگ زبردستی نہ گھس آئیں۔

حکومت طلبی : سخت دلوں میں سے سب سے زیادہ سخت دل کے لیے آتشی کوڑا۔ تکلیف دہ آزار جو خود ظالم ترین لوگوں کے لیے اٹھا رکھا گیا ہے۔ زندہ جلا دیے جانے والوں کے لیے مدہش شعلہ۔

حکومت طلبی : سب سے بڑی روک ٹوک جو متکبر ترین لوگوں پر لگائی جاتی ہے۔ تمام مشکوک نیکیوں کو حقارت سے دیکھنے والی۔ وہ جو ہر اصیل گھوڑے اور ہر تکبر پر کاٹھی رکھتی ہے۔

حکومت طلبی : زلزلہ جو ہر بوسیدہ اور کرم خوردہ چیز کو توڑ ڈالتا اور تباہ کر ڈالتا ہے۔ لپی ہوئی قبروں کی گردش کن شور انگیز اور عذاب دہ ہلاکت قبل از وقت جواب کے شروع میں بجلی کی علامتِ استفہامیہ۔

حکومت طلبی : جس کی صورت دیکھ کر انسان رینگنے اور دبکنے اور غلامی کرنے لگتا ہے اور سانپ اور سوٗر سے بھی گیا گزرا ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ حقارتِ عظیم اس کے اندر سے شور مچانے لگتی ہے۔

حکومت طلبی : حقارتِ عظیم کی دہشتناک ملّانی جو شہروں اور حکومتوں کے منہ پر کہتی ہے : "چل دور ہو یہاں سے !" یہاں تک کہ اندر سے یہ آواز آتی ہے : "دور ہوں یہاں سے !"

حکومت طلبی : جو دلکشی سے پاکوں اور گوشہ نشینوں تک اور ان سے بھی اوپر غنی بلندیوں تک پہنچتی ہے، چمکتی دمکتی ہوئی مثل ایک ایسی محبّت کے جو زرق برق مسرتیں دنیاوی آسمان پر دلکشی کے ساتھ نقش کرتی ہے۔

حکومت طلبی : لیکن اس کو طلبی کون کہہ سکتا ہے جب کہ خود بلند چیز حکومت کی خاطر نیچے جھکنے کی ہوس رکھتی ہے ! واقعی اس قسم کی ہوس اور نزول میں کسی بیماری یا مرض کا کوئی شائبہ نہیں !

یہ کہ تنہا بلندی ہمیشہ کے لیے تنہا نہ رہے اور اپنے اوپر اکتفا کرے، اور یہ کہ پہاڑ وادی کے پاس آئے اور بلندی کی آندھیاں پستیوں کے پاس،

آہ، اس اشتیاق کا ٹھیک نام اور کنیت کون جان سکتا ہے! "بخشش کُن نیکی:" یہ نام ایک بار زردشت نے اس بے نام کا رکھا تھا۔

اور اسی وقت یہ بھی پیش آیا تھا، اور واقعی یہ پہلا موقع تھا، کہ اُس کے الفاظ نے خودغرضی کو مبارک تسلیم کر لیا تھا، صحیح و تندرست خودغرضی جو عظیم الشان روح سے پھوٹ کر نکلتی ہے،

عظیم الشان روح سے جس کے ساتھ اعلیٰ جسم کا تعلق ہے، خوب صورت فتح مند اور بشاش جسم کا جس کے چاروں طرف ہر چیز آئینہ ہو جاتی ہے،

لچک دار اور اپنی بات منوانے والا جسم، رقاص جس کی تشبیہ اور انتخاب روحِ خود شادماں ہے۔ ایسے جسموں اور روحوں کی خود شادمانی نے اپنا نام رکھا ہے: "نیکی"۔

اس قسم کی خود شادمانی نے نیکی اور بدی کے خود ساختہ ناموں سے اپنے آپ کو اس طرح ڈھک لیا ہے جیسا کہ متبرک جھاڑیوں سے۔ اس نے اپنی خوش وقتی کے نام لے لے کر ہر حقیر چیز کو اپنے سے دور کر دیا ہے،

اس نے ہر بزدل چیز کو اپنے سے دور کر دیا ہے۔ اس کا مقولہ ہے: عیب بزدلی ہے!۔ وہ اس شخص کو نہایت حقارت سے دیکھتی ہے جو ہمیشہ متفکر رہتا ہے اور آہِ سرد کھینچتا ہے اور شکوہ شکایت کرتا رہتا ہے اور چھوٹے سے چھوٹے فائدے کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔

وہ اس عقلمندی کو بھی نظرِ حقارت سے دیکھتی ہے جس کو تکلیف میں مزہ آتا ہے۔ واقعی ایسی عقلمندی کا وجود ہے جو اندھیرے میں پھولتی پھلتی ہے، تاریکیِ شب کی عقلمندی جو ہمیشہ آہِ سرد بھر کر کہتی ہے: "سب سچ ہے!"

اس کے نزدیک بزدل عدمِ اعتماد ایک پست چیز ہی اور نیز وہ شخص جو بجائے نظروں اور ہاتھوں کے قسموں کا خواہاں ہی اور بے حد بے اعتمادانہ عقلمندی بھی کیوں کہ یہ عادت ہی بزدلانہ روحوں کی۔

اس سے بھی زیادہ پست اس کے نزدیک چاپلوس ہی، سگ خو جو فوراً اپنی پیٹھ پر لیٹ جاتا ہی، متواضع۔ اور بعض عقلمندی بھی متواضع اور سگ خو اور پارسا اور چاپلوس ہوتی ہی۔

لیکن ایسے شخص سے تو اسے سخت علاوت اور نفرت ہی جو کبھی اپنا بچاؤ نہیں کرتا جو زہریلا تھوک اور ناراض نگاہیں ہیر کر جاتا ہی، بے حد صابر ہر چیز کا متحمل ہر چیز سے راضی۔ یہ ہی فطرتِ غلامانہ۔

خواہ کوئی شخص خداؤں اور خدائی ٹھوکروں کا پرستار ہو یا انسانوں اور بیہودہ انسانی رایوں کا: ہر غلامانہ عادت پر وہ تھوکتی ہی، یہ مبارک خود غرضی!۔

بُرا: یہ نام اس نے ہر اس چیز کا رکھا ہی جو دل شکستہ اور غلامانہ ذلیل حالت ہی، غیر آزادانہ جھپکنے والی آنکھیں، پسپا دل اور جھوٹا ہاں میں ہاں ملانے والا طریقہ جو چوڑے اور بزدلانہ لبوں سے بوسہ دیتا ہی۔

اور مصنوعی عقلمندی: یہ نام اس نے ہر اس چیز کا رکھا ہی جو غلاموں بوڑھوں اور تھکے ماندوں سے بہ تکلف ظاہر ہوتی ہی۔ اور بالخصوص پادریوں کی نہایت بُری بیہودہ اور متکبرانہ بے وقوفی کا۔

مگر مصنوعی عقلمند یعنی تمام پادری اور دنیا سے اکتا جانے والے اور وہ لوگ جن کی روح عورتوں اور غلاموں کی سی ہی: آہ، ان کے لہو ولعب نے کس طرح ہمیشہ سے خود غرضی کا کھیل بگاڑ رکھا ہی!

اور نیکی یہی ہی اور اسی کا نام نیکی ہی کہ خود غرضی کا کھیل بگاڑ دیا جائے!

اور "بے نفس"؛ تمام دنیا سے اکتا جانے والے بزدل اور باغ کی مکڑیاں اپنے آپ کو
ایسا بنانا بے وجہ نہیں چاہتیں۔
لیکن ان سب کے لیے وہ دن آنے والا ہو، تغیر، شمشیرِ قاتل، ظہرِ عظیم۔ اس
وقت بہت سی چیزیں ظاہر ہو جائیں گی۔
اور جو شخص "میں" کو تندرست اور پاک اور خود غرضی کو مبارک تسلیم کرتا ہو
وہ واقعی وہ بات بھی کہتا ہو جس کو وہ بلحاظ پیشین گو کے جانتا ہو: "دیکھ، وہ آرہی ہو،
وہ قریب آ گئی ہو، ظہرِ عظیم!"
یہ تھیں باتیں زردشت کی۔

بھاری پن کی رُوح

میری زبان عوام کی زبان ہو۔ ریشمی خرگوشوں کے لیے میری باتیں بے حد اکھڑ
اور بے ریا ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ غیرمانوس میری باتیں تمام روشنائی کی مچھلیوں
اور قلم کی لومڑیوں کو معلوم ہوتی ہیں۔
میرا ہاتھ دیوانے کا ہاتھ ہو۔ حیف ہو ان تمام میزوں اور دیواروں اور ان
تمام جگہوں پر جہاں دیوانہ گل کاری اور دیوانہ پچی کاری کی گنجایش ہو۔
میرا پانو گھوڑے کا پانو ہو۔ اس سے میں سخت سی سخت زمین پر جولانی کرتا
ہوں اور ہر قسم کی تیز رفتاری کے وقت میں مارے خوشی کے آفت کا پرکالہ بن جاتا
ہوں۔
میرا معدہ غالباً عقاب کا معدہ ہو؟ کیوں کہ میمنے کا گوشت اس کو سب
سے زیادہ مرغوب ہو۔ مگر ہو وہ پرندے ہی کا معدہ۔
معصوم چیزوں سے پرورش پایا ہوا اور وہ بھی کم مقدار، آمادہ اور بیچین

اڑنے کے لیے، اُڑ بھاگنے کے لیے: یہ ہی تو میری فطرت ہے۔ تو پھر اس میں پرندے کی کچھ طینت کا نہ ہونا کیا معنے رکھتا ہے!

اور بالخصوص یہ پرندے کی طینت ہے کہ میں بھاری پن کی روح کا دشمن ہوں، اور واقعی جانی دشمن، پکا دشمن، آبائی دشمن! ارے میری دشمنی اُڑ کر کہاں کہاں نہیں گئی اور بھٹکتی نہیں پھری!

اس کے متعلق میں پورا گیت گا سکتا ہوں اور ضرور گاؤں گا خواہ میں خالی مکان میں اکیلا ہی کیوں نہ ہوں اور محض اپنے ہی کانوں کو کیوں نہ سناؤں۔

یہ درست ہے کہ اور گوتیے بھی ہیں جن کا گلا اس وقت نرم ہوتا ہے جب گھر بھرا ہو اور اسی وقت ان کے ہاتھوں میں طاقتِ گفتار آتی ہے اور آنکھوں میں گویائی اور دل میں بیداری۔ میں ان کی طرح نہیں ہوں۔

(۲)

جو شخص انسانوں کو ایک روز اڑنا سکھائے گا اس نے ساری حدبندیاں اپنی جگہ سے دُور کر دی ہوں گی۔ ساری حدبندیاں خود ہوا میں اُڑ رہی ہوں گی — وہ زمین کو از سرِ نو زندہ کرے گا: بہ حیثیت "زمینِ سَبک" کے۔

شترمرغ تیز ترین گھوڑے سے تیز تر دوڑتا ہے۔ مگر وہ بھی اپنا سر گرانی سے گراں زمین میں چھپا لیتا ہے۔ یہی حالت انسان کی ہے جو ابھی اُڑ نہیں سکتا۔

اس کے نزدیک زمین اور زندگانی گراں ہے۔ اور بھاری پن کی روح کا یہی منشا ہے! لیکن جو شخص سَبکی کا خواہاں ہے اور پرندہ بننے کا، اسے خود اپنے آپ سے محبت کرنی چاہیے: یہ ہے میری تعلیم،

لیکن اس محبت سے ہرگز نہیں جو بیماروں اور روگیوں کی محبت ہے کیوں کہ ان کی خود محبتی سے بھی بدبو آتی ہے۔

انسان کو خود اپنے آپ سے محبّت کرنی سیکھنا چاہیے : یہ ہے میری تعلیم، ایک صحیح وسالم اور تندرست محبّت کے ساتھ تاکہ انسان خود اپنے سے اکتا نہ جائے اور ادھر ادھر بھٹکتا نہ پھرے۔

اس طرح سے بھٹکتے پھرنے کا نام "محبّت ہمسایہ" ہے۔ اس لفظ کے ذریعے سے لوگوں نے اب تک بہترین جھوٹ بولا اور چاپلوسی کی ہے۔ خاص کر ان لوگوں نے جو ساری دنیا پر بوجھل ہیں۔

اور واقعی اپنے آپ سے محبّت کرنی سیکھنا کچھ آج یا کل کے لیے فرض نہیں ہے بلکہ ساری صنعتوں میں یہ لطیف ترین اور ہوشیار ترین اور آخر ترین اور متحمل ترین صنعت ہے۔

یعنی ہر مالک کے خیال میں اس کی ملکیت خوب محفوظ ہوتی ہے۔ اور تمام خزانوں میں سے اپنا خزانہ سب کے بعد کھودا جاتا ہے۔ یہ ہے کرتوت بھاری پن کی روح کی۔

تقریبًا گہوارے ہی میں ہمیں "نیک" و "بد" کے ہمراہ بھاری بھاری الفاظ اور قیمتیات ودیعت دی جاتی ہیں۔ یہی ہے نام اس جہیز کا۔ اور انھیں کی وجہ سے ہمارے زندہ رہنے کی تقصیر معاف کر دی جاتی ہے۔

اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ بچّوں کو میرے پاس آنے دو تاکہ انھیں خود اپنے آپ کو محبّت کرنے سے عین وقت پر روک دیا جائے۔ یہ ہے کرتوت بھاری پن کی روح کی۔

اور ہم : ہم ایمان داری کے ساتھ اپنے سخت کاندھوں پر اس چیز کو دشوار گزار پہاڑوں پر لیے لیے پھرتے ہیں جو ہم کو ودیعت دی گئی ہے۔ اور جب ہم پسینے پسینے ہو جاتے ہیں تو ہم سے کہا جاتا ہے "ہاں زندگانی کا برداشت کرنا مشکل کام ہے!"

یہ نہیں بلکہ خود انسان کا برداشت کرنا مشکل کام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بہت سی اجنبی چیزیں اپنے کاندھوں پر لیے لیے پھرتا ہے۔ اونٹ کی طرح وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتا ہے اور اپنے اوپر خوب بوجھ لادنے دیتا ہے،

بالخصوص مضبوط اور متحمل شخص جس کے دل میں خدا ترسی ہو، وہ اپنے اوپر بے شمار اجنبی اور بھاری الفاظ اور قیمتیات لاد لیتا ہے۔ پھر زندگی اس کو ریگستان معلوم ہوتی ہے۔

اور واقعی خود اپنی بہت سی چیزوں کا لاد کر چلنا بھی مشکل پڑ جاتا ہے۔ اور انسان کی بہت سی اندرونی چیزیں کستورمچھلی کی طرح ہیں یعنی گھنونی اور لیلبی اور ہاتھ سے پھسل جانے والی،

گویا کہ ایک مرصع بیل بوٹوں والا مرصع خول شفاعت کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہے۔ لیکن یہ صنعت بھی سیکھنا چاہیے: پاس خول کا ہونا اور خوب صورتی کا اور چالاک اندھے پن کا!

اور پھر بھی انسان کی بہت سی چیزوں پر یہ دھوکا ہوتا ہے کہ بعض خول کم حیثیت اور افسوسناک اور محض خول ہی خول ہوتے ہیں۔ بہت سی پوشیدہ نیکی اور طاقت کبھی کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ سب سے زیادہ مرغوب چٹ پٹی چیزوں کو کوئی چکھنے والا نہیں ملتا۔

عورتیں، مرغوب ترین کائنات، اس کو جانتی ہیں۔ ذرا زیادہ موٹا، ذرا زیادہ دُبلا۔ اس چھوٹی سی چیز میں کس قدر قسمت مضمر ہے!

انسان کا دریافت کرنا مشکل کام ہے اور اپنے آپ کو دریافت کرنا مشکل ترین۔ جان اکثر روح کے متعلق جھوٹ بولتی ہے۔ یہ ہے کرتوت بھاری پن کی روح کی۔

اپنے آپ کو دریافت کرلیا ہے اس شخص نے جس کا یہ مقولہ ہے: یہ میرے لیے اچھا

اور بُرا ہے۔ اس سے اس نے ناطقہ بند کر دیا ہے چھچھوندر اور بالشتیے کا جن کا یہ مقولہ ہے:

''سب کے لیے اچھا، سب کے لیے بُرا''

واقعی مجھے ایسے لوگ بھی پسند نہیں جن کے لیے ہر چیز اچھی ہے اور یہ دنیا سب سے اچھی۔ ایسے لوگوں کا میں نے نام رکھا ہے 'ہر چیز سے راضی'۔

ہر چیز سے رضامندی جو ہر چیز کو چکھنا جانتی ہے: یہ کوئی اچھا مذاق نہیں۔ میں قدر کرتا ہوں سرکش اور تُنک مزاج زبانوں اور معدوں کی جنھوں نے ''میں'' اور ''ہاں'' اور ''نہیں'' کہنا سیکھا ہے۔

ہر چیز کو چبا کر ہضم کر جانا: یہ بالکل سؤر کی فطرت ہے۔ ہمیشہ ہا۔ آں کہنا: یہ محض گدھے نے سیکھا ہے اور اس نے جو اس کی طرح ہو۔

تیز زرد اور گرم سُرخ: یہ ہے مقتضا میرے ذائقے کا۔ وہ ہر رنگ میں خون ملاتا ہے۔ جو شخص اپنے گھر میں پُتائی سفید کرتا ہے اس سے مجھے اس کی روح کے سفید پُتے ہوئے ہونے کا پتا چلتا ہے۔

بعض لوگ مومیائی پر محو ہیں اور بعض بھوت پریت پر اور دونوں گوشت و خون کے دشمن: یہ دونوں کس قدر میرے مذاق کے خلاف ہیں! کیوں کہ مجھے خون سے محبّت ہے۔

اور میں اس جگہ رہنا بسنا پسند نہیں کرتا جہاں ہر شخص تھوکتا ہے: کیا کیا جائے میرا مذاق یہی ہے۔ اس سے تو زیادہ میں چوروں اور جھوٹی قسم کھانے والوں میں رہنا پسند کرتا ہوں۔ کسی کے منہ میں سونا نہیں ہوتا۔

ان سے بھی زیادہ میں متنفّر ہوں تھوک چاٹنے والوں سے اور جو شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت ہے اس کا نام میں نے مفت خورہ رکھا ہے۔ وہ خود محبّت نہیں کرنا چاہتا مگر دوسروں کی محبّت سے پرورش پانا چاہتا ہے۔

ان سب لوگوں کو میں بدبخت کے نام سے یاد کرتا ہوں جن کے لیے فقط ایک امکان ہو: وحشی جانور بننا یا وحشی جانوروں کا توڑنے والا۔ ایسے لوگوں کے قریب میں اپنی جھونپڑی نہ ڈالوں گا۔

میں ان لوگوں کو بدبخت کہتا ہوں جن کو ہمیشہ انتظار کرنا پڑے۔ یہ لوگ میرے مذاق کے مخالف ہیں: تمام چنگی لینے والے اور بنیے بقال اور بادشاہ اور غیر ملک اور غیر دکانوں کے پاسبان۔

انتظار کرنا تو درحقیقت میں نے بھی سیکھا ہے اور خوب سیکھا ہے لیکن خود اپنا انتظار کرنا۔ اور سب سے زیادہ میں نے کھڑا ہونا اور چلنا اور دوڑنا اور کودنا اور چڑھنا اور ناچنا سیکھا ہے۔

اور میری تعلیم یہ ہے: جو ایک روز اُڑنا سیکھنا چاہتا ہو اس کو پہلے کھڑا ہونا اور چلنا اور دوڑنا اور چڑھنا اور ناچنا سیکھنا چاہیے۔ محض اُڑ بھاگنے سے اڑنا نہیں آتا۔

میں کمند کے ذریعے سے بہت سی کھڑکیوں تک چڑھ گیا ہوں۔ اونچے مستولوں تک میں ہلکے پانو چڑھا ہوں۔ معرفت کے اونچے مستولوں پر بیٹھنا میرے نزدیک کوئی معمولی خوش وقتی نہیں ہے،

مثل چھوٹے چھوٹے شعلوں کے اونچے اونچے مستولوں پر ٹمٹمانا: اگرچہ زراسی روشنی ہے لیکن راہ گم کردہ ملاحوں اور جہاز شکستگان کے لیے بڑی تسلیِ خاطر۔

بہت سے راستوں اور طریقوں سے ہو کر میں اپنی سچائی تک پہنچا ہوں صرف ایک ہی سیڑھی کے ذریعے میں اس بلندی پر نہیں پہنچا جہاں میری آنکھ میری دوری میں بھٹکتی پھرتی ہے۔

اور راستا پوچھنا میں نے ہمیشہ ناپسند کیا۔ یہ میرے مذاق کے خلاف تھا۔ مجھے یہ
پسند تھا کہ میں خود راستوں سے پوچھوں اور ان کا تجربہ کروں۔
میری ساری سیاحت محض تجربہ کرنا اور پوچھنا تھا۔ اور ایسے سوالوں کے
جواب بھی ضرور سیکھنے چاہییں! یہ ہی میرے مذاق کی بات :
نہ اچھا نہ بُرا مگر میرا مذاق جو میرے لیے نہ تو شرم کی بات ہے اور نہ راز کی۔
"میرا راستا تو یہ ہے۔ اور تم لوگوں کا کہاں ہے؟" یہ جواب میں ان لوگوں کو دیتا
ہوں جو مجھ سے "راہ کی سمت" پوچھتے ہیں۔ اور رہا خود راستا وہ معدوم ہے۔
یہ تھیں باتیں زرتُشت کی۔

پُرانی اور نئی جدولیں

(۱)

میں یہاں بیٹھا ہوا انتظار کر رہا ہوں۔ میرے آس پاس کچھ پُرانی شکستہ جدولیں
اور کچھ نئی نیم نوشتہ جدولیں پڑی ہوئی ہیں۔ دیکھوں میری گھڑی کب آئے؟
میرے انحطاط، نزول کی گھڑی۔ کیوں کہ میں ایک بار اور انسانوں کے
پاس جانا چاہتا ہوں۔
اس گھڑی کا مجھے انتظار ہے۔ کیوں کہ میرے پاس پہلے اس بات کی نشانیاں
آنی چاہییں کہ وہ میری ہی گھڑی ہے، یعنی قمریوں کے ساتھ خندہ زن شیر۔
اس وقت تک میں اس شخص کی طرح جس کے پاس کافی وقت ہو خود اپنے آپ
سے باتیں کروں گا۔ کوئی شخص مجھ سے کوئی نئی بات نہیں بیان کرتا۔ لہٰذا میں اپنے آپ
کو اپنے آپ سے بیان کروں گا۔

جب میں انسانوں کے پاس آیا تو میں نے ان کو ایک پرانے گھمنڈ پر مسند نشین پایا:
تمام لوگوں کا خیال تھا کہ انھیں اس بات کا پہلے سے علم ہے کہ انسان کے لیے کون سی چیز اچھی اور کون سی بُری ہے۔

نیکیوں کے متعلق ساری باتیں ان کو ایک پرانی درماندہ سی چیز معلوم ہوتی تھی۔ اور جسے اچھی نیند سونے کی خواہش تھی وہ سونے سے پہلے "نیکی" اور "بدی" کا تذکرہ کرلیا کرتا تھا۔

اس نیند اس کو میں نے گڑبڑ کردیا تھا جب کہ میں نے یہ تعلیم دی تھی: جو چیز نیک یا بد ہے اس کا علم ابھی تک کسی کو نہیں ہوا۔ اور اگر کسی کو اس کا علم ہے تو خلق کرنے والے کو۔

لیکن یہ خلق کرنے والا وہ شخص ہوسکتا ہے جو انسان کا مقصد خلق کرے اور زمین کو اس کا مفہوم اور مستقبل عطا کرے: یہ شخص پہلے کسی چیز کا اچھا یا بُرا ہونا خلق کرتا ہے۔

اور میں نے ان کو یہ حکم دے رکھا ہے کہ تم اپنی کہنہ مسندِ درس الٹ دو اور نیز وہ تمام چیزیں جن پر وہ پُرانا گھمنڈ مسند نشین ہے۔ میں نے ان کو یہ حکم دے رکھا ہے کہ تم اپنے بڑے معلّمینِ اوصافِ حمیدہ اور اولیا، اللہ اور شعرا اور نجات دہندگان کا مذاق اڑاؤ۔
میں نے ان کو حکم دے رکھا ہے کہ تم غم زدہ اور دانشمندوں کا مذاق اڑاؤ اور نیز ان لوگوں کا جو زندگی کے درخت پر چڑیوں کے ڈرانے کا پُتلا بن کر بیٹھتے ہیں۔
میں ان کے عظیم الشان قبرستان کے راستے میں بیٹھا ہوں اور چاہتا ہوں کہ خود گدھ اور گوشت خوار پرندے مجھے نوچ کھائیں اور میں ان کے تمام ماضی اور اس کی پھُتپھس بوسیدہ عظمت پر ہنستا ہوں۔

واقعی میں ان کے توبہ دینے والے پادریوں اور بے وقوفوں کی طرح ان کی تمام چھوٹی اور بڑی باتوں پر بے حد غصّہ اور تُف کرتا ہوں۔ حیف ہے کہ ان کی بہترین چیز اس قدر چھوٹی ہے! اور یہ کہ ان کی بدترین چیز اس قدر چھوٹی ہے! اس طرح سے میں ان کا مذاق اُڑاتا تھا۔

اس طرح سے میری دانشمند آرزو اپنے اندر سے شور مچاتی اور ہنستی تھی، وہ آرزو جو پہاڑ پر پیدا ہوئی ہے اور جو واقعی ایک جنگلی آرزو ہے، میری پُرانی پرواز صدا آرزو۔

اور وہ مجھے اکثر اُڑا کر علیحدہ اور اوپر اور دُور لے گئی ہے، اور یہ واقعات ہنسی کے دوران میں پیش آئے ہیں۔ اس وقت میں تیر کی طرح کانپتا ہوا اس مسرت میں سے ہو کر گزرا جو سورج کے نشے میں چُور تھی،

ایسے بعید مستقبلوں کی طرف جن کو اب تک کسی نے خواب میں نہ دیکھا تھا، خطّہ جنوبی کی طرف جو اب تک کسی معمار کے خواب و خیال میں بھی نہ آئے تھے، اس جگہ جہاں خداؤں کو ناچتے وقت ہر لباس سے شرم آتی ہے۔

عجیب بات ہے کہ میں تشبیہوں میں باتیں کرتا ہوں اور شاعروں کی طرح لنگڑاتا اور ہکلاتا ہوں۔ اس بات سے مجھے واقعی شرم آتی ہے کہ مجھے اب تک شاعر ہونا پڑا ہے!

چوں کہ ہر تکوین مجھ کو خداؤں کا رقص اور خداؤں کی دلیری معلوم ہوتی تھی اور دنیا مطلق العنان اور شریر اور رجعت قہقری کرنے والی،

جس طرح کہ متعدد خداؤں کا دائمی اپنے سے گریز کرنا اور پھر اپنے کو تلاش کرنا، جس طرح کہ متعدد خدائوں کی دوبارہ باہمی مخالفت اور باہمی گوش گزاری اور دوبارہ باہمی ملاپ،

اور چوں کہ مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام اوقات لحات پر ایک مبارک تمسخر کر رہے ہیں اور چوں کہ خود ضرورت آزادی تھی جو آزادی کے کانٹوں کے ساتھ کھیلنے

میں مگن تھی،

اور چوں کہ مجھے اپنا پرانا شیطان اور جانی دشمن پھر ملا تھا، یعنی بھاری پن کی روح، اور نیز وہ تمام چیزیں جو اس کی خلق کردہ تھیں: زور اور قانون اور ضرورت اور نتیجہ اور مقصد اور عزم اور نیک اور بد،

لہٰذا کیا ایسی چیز موجود نہ ہونی چاہیے تھی جس پر ناچا جائے اور ناچ کر گزر جایا جائے؟ کیا سُبک اور سُبک ترینوں کی خاطر چھچھوندروں اور بھاری بالشتیوں کو موجود نہ ہونا چاہیے؟

(۳)

جس جگہ لفظِ "فوق البشر" مجھے راہ میں پڑا مل گیا تھا اور یہ کہ انسان ایک ایسی شے ہے جس سے گزر جانا چاہیے،

اور یہ کہ انسان ایک پُل ہے نہ کہ مقصد: بوجہ اپنی ظہر اور شام کے اپنے آپ کو مبارک خیال کرنے والا کیوں کہ وہ راستا صبح کی نئی نئی افقوں کی طرف،

وہیں زردشت کا بیان ظہرِ عظیم کے متعلق بھی تھا اور نیز ان تمام باتوں کے متعلق جن کو میں نے انسان کے اوپر مثل شام کی سرخ شفقِ ثانی کے آویزاں کیا تھا۔

اور واقعی میں نے ان کو نئے نئے ستاروں کے ساتھ نئی نئی راتیں بھی دکھلائی تھیں۔ اور بادلوں اور دن اور رات کے اوپر میں نے قہقہوں کے رنگا رنگ تنبو تان دیے تھے۔

میں نے ان کو اپنا سارا جوڑ توڑ سکھا دیا تھا: انسان میں جو چیز ٹکڑے ٹکڑے ہے اور چیستاں اور مخدوش اتفاقات ان سب کو جوڑ کر ایک کر دینا اور سب کو ملا کر اپنے ساتھ رکھنا۔

بہ حیثیت جوڑنے والے اور چیستاں حل کرنے والے اور اتفاقات کو نجات

دینے والے کے میں نے ان کو یہ سکھایا تھا کہ مستقبل کو خلق کریں اور ماضی کو خلق کرتے ہوئے نجات دیں،

انسان کے ماضی کو نجات دیں اور "ہر" یہ تھا" کی شکل بدل دیں یہاں تک کہ عزم پکار اٹھے: "ہاں میں یہ چاہتا تھا! اس طرح میں اسے چاہوں گا"

میں نے ان سے کہا تھا کہ یہ ہی نجات اور میں نے ان کو تعلیم دی تھی کہ وہ محض اسی کو نجات کہیں۔

اب میں اپنی نجات کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہوں یعنی یہ کہ میں آخری بار ان کے پاس جاؤں۔

کیوں کہ میں صرف ایک بار اور ان کے پاس جاؤں گا۔ میں ان کے درمیان فنا ہو جانا چاہتا ہوں۔ مرتے وقت میں ان کو اپنا سب سے زیادہ گراں بہا عطیہ دوں گا۔

یہ میں نے سورج سے سیکھا ہے جب کہ وہ ڈوبتا ہے، وہ بے حد غنی ذات۔ اپنی لازوال تونگری کی وجہ سے وہ سمندر میں سونا پھینکتا جاتا ہے،

اس طرح کہ غریب سے غریب ماہی گیر بھی سونے کے پتواروں سے کھیتا ہے۔

کیوں کہ میں نے یہ ایک بار دیکھا تھا اور دیکھتے وقت مجھے آنسوؤں سے سیری نہ ہوتی تھی۔

سورج کی طرح زردشت بھی ڈوبنا چاہتا ہے۔ اور وہ انتظار میں بیٹھا ہے اور پرانی جدولیں اس کے آس پاس پڑی ہیں۔ اور نئی جدولیں بھی، نیم نوشتہ جدولیں۔

(۴)

دیکھ، یہاں ایک نئی جدول ہے۔ لیکن میرے وہ بھائی کہاں ہیں جو اسے میرے ہمراہ وادی اور گوشت والے دلوں میں لے چلیں؟

بعید ترین کے ساتھ میری بڑی محبت کا یہ مقتضا ہی: اپنے پڑوسی کے ساتھ رعایت نہ کر! انسان ایک ایسی شی ہی جس سے گزر جانا چاہیے۔

گزر جانے کے بہت سے راستے اور طریقے ہیں۔ اس پر دھیان رکھ۔ محض ایک مسخرہ یہ خیال کرتا ہی: "انسان کے اوپر سے پھاندا بھی جا سکتا ہی"!

اپنے پڑوسی میں بھی تو اپنے اوپر سے گزر جا۔ اور جس حق کو تو چھین کر حاصل کرسکتا ہی اس کے لیے ہاتھ نہ پھیلا!

جو کچھ تو کرسکتا ہی اسے تیرے ساتھ پھر اور کوئی نہیں کرتا ہی۔ دیکھ، بدلے کا وجود نہیں۔

جو اپنے اوپر حکمرانی نہیں کرسکتا اسے فرماں برداری کرنی چاہیے۔ اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنے اوپر حکمرانی کرسکتے ہیں لیکن اپنی فرماں برداری کرنے سے ابھی بہت دور ہیں۔

(۵)

تمام شریف ذاتوں کی یہ فطرت ہی: وہ کوئی چیز مفت میں نہیں لینا چاہتے اور سب سے کم زندگانی۔

جو رذیل ہی وہ مفت میں زندگی بسر کرنا چاہتا ہی۔ مگر ہم لوگ جو ان کے علاوہ ہیں اور جنھیں زندگی نے اپنے تئیں دے رکھا ہی: ہم ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ اس کے عوض میں کیا دیں۔

اور واقعی یہ ایک شریف بات ہی جس کا یہ مقولہ ہی: "جو وعدہ زندگی ہمارے ساتھ کرتی ہی ہمیں چاہیے کہ اس کا ایفا زندگی کے ساتھ کریں!"

انسان کو لطف اٹھانے کا کوئی حق نہیں جب تک وہ خود دوسروں کو لطف اٹھانے میں مدد نہ دے۔ اور اسے لطف اٹھانے کا خواہش مند نہ ہونا چاہیے۔

کیوں کہ لطف اور معصومیت سب سے زیادہ حیادار چیزیں ہیں۔ دونوں میں سے کوئی یہ نہیں چاہتی کہ اس کو تلاش کیا جائے۔ ہاں یہ چاہتی ہو کہ اس کو رکھا جائے گناہ اور تکلیف کی تلاش اس سے بہتر ہو۔

(۶)

ای میرے بھائیو، ہمیشہ پہلوٹھی کے بچے کی قربانی کی جاتی ہو اور ہم پہلوٹھی کے بچے ہیں۔

ہم سب کا خون قربانی کے تخت پر بہایا جاتا ہو۔ ہم سب پرانے بتوں کی تعظیم و توقیر کی خاطر جلائے اور بھونے جاتے ہیں۔

ہمارا بہترین حصہ ابھی تک تر و تازہ ہو۔ بوڑھے تالوؤں کو اس میں مزہ آتا ہو۔ ہمارا گوشت نرم ہو۔ ہماری کھال بھیڑ کے بچّے کی کھال ہو۔ بتوں کے بڈھے پجاریوں کو پھر ہم میں مزہ کیوں نہ آئے!

بتوں کا بڈھا پجاری خود ہمارے اندر موجود ہو جو ہمارا بہترین حصہ تناول فرمانے کے لیے بھونتا ہو۔ ہائے میرے بھائیو، پہلوٹھی کے بچے کس طرح قربانی سے بچ سکتے ہیں!

لیکن کیا کیا جائے ہماری فطرت کا مقتضا یہی ہو۔ اور مجھے ان سے محبّت ہو جو اپنے آپ کو بچا کر نہیں رکھتے۔ ہلاک ہونے والوں کو میں دل سے چاہتا ہوں کیونکہ وہ پار اترنے والے ہیں۔

(۷)

سچا ہونا: اس کا امکان بہت کم لوگوں میں ہو۔ اور جن میں یہ امکان ہو وہ ابھی ہونا نہیں چاہتے۔ اور اس کا سب سے کم امکان نیک لوگوں میں ہو۔

ارے یہ نیک لوگ! نیک آدمی کبھی سچ نہیں بولتے۔ ایسا نیک ہونا روح کے لیے آزار ہو۔

وہ بات مان لیتے ہیں، یہ نیک لوگ، وہ اپنے آپ کو تسلیم کر دیتے ہیں۔ ان کا

دل کہے ہوئے کو دُہراتا ہی۔ان کا قلب فرماں برداری کرتا ہی۔لیکن جو شخص فرمانبرداری کرتا ہی وہ خود اپنی بات نہیں سنتا۔

تمام چیزیں جو نیکوں کے نزدیک بد ہیں یکجا ہونی چاہییں تاکہ سچائی ظہور میں آئے۔ای میرے بھائیو، کیا تم بھی اس سچائی کے لیے کافی بد ہو؟

دلیرانہ ہمت، طویل بے اعتمادی، ظالم نہیں، تنگ آجانا، زندہ چیزیں شگاف دینا: یہ چیزیں بہت کم یکجا جمع ہوتی ہیں۔لیکن یہی وہ بیج ہیں جن میں سچائی اگتی ہی۔

اب تک تمام علوم کی پیداوار ضمیرِ بد کے قرب وجوار میں ہوئی ہی۔توڑ ڈالو توڑ ڈالو، ای اصحاب علم، پُرانی جدولوں کو!

(۸)

جب پانی کے اوپر تختے پڑے ہوں اور کھٹ ملپے اور جنگلے دریا کے آر پار لگے ہوں: اگر اس وقت کوئی شخص کہے کہ: "ہر چیز دریا میں ہی" (یعنی درست حالت میں ہی۔مترجم) تو کوئی اس کا یقین نہ کرے گا،

بلکہ بھولے بھالے لوگ بھی اس کی تردید کریں گے اور کہیں گے: "کیوں؟ ہر چیز دریا میں ہی؟ تختے اور جنگلے تو دریا کے اوپر ہیں نہ؟

"دریا کے اوپر ہر چیز مستحکم ہی۔چیزوں کی قیمتیات، پُل، اصطلاحات، سارا "نیک" و "بد": یہ تمام چیزیں مستحکم ہیں۔"

لیکن جب جاڑا آتا ہی، دریا کو پالو بنا دینے والا جاڑا، تو چالاک سے چالاک لوگ بھی شک وشُبہہ کرنے لگتے ہیں اور بھولے بھالوں کے سوا اور لوگ بھی کہنے لگتے ہیں: "کیا ہر چیز کو خاموش کھڑا نہ ہونا چاہیے؟"

"دراصل ہر چیز خاموش ہی": یہ لگتی ہوئی تعلیم ہی جاڑے کی، بنجر زمانوں کے لیے ایک اچھی چیز، سردیوں میں سونے والوں اور انگیٹھی کے پاس بیٹھنے والوں کے

لیے تسکینِ قلب۔

"دراصل ہر چیز خاموش ہے"۔ لیکن برف پگھلانے والی ہوا اس کے خلاف تقریر کرتی ہے۔

وہ برف پگھلانے والی ہوا جو ایک سانڈ ہے مگر ہل چلانے والا سانڈ نہیں بلکہ ایک وحشی سانڈ، تباہ کرنے والا سانڈ جو اپنے غضب ناک سینگوں سے برف کو توڑ ڈالتا ہے۔ لیکن برف کھٹ پلوں کو توڑ ڈالتی ہے۔

اے میرے بھائیو، کیا اس وقت سب چیزیں دریا کے اندر نہیں ہیں؟ کیا سارے جنگلے اور کھٹ پلے پانی میں نہیں گر گئے ہیں؟ اب "نیک" و "بد" پر کون یقین کرے گا؟

"حیف ہے ہم پر۔ مرحبا ہمارے لیے! برف پگھلانے والی ہوا چلنے لگی ہے"۔ اے میرے بھائیو، اس طرح تم ہر گلی کوچے میں صدا دیا کرو!

۹

ایک پرانی خام خیالی ہے۔ اس کا نام نیک و بد ہے۔ اب تک اس خام خیالی کا پہیا پیشین گویوں اور نجومیوں کے گرد گھوما کرتا تھا۔

ایک دن تھا کہ پیشین گویوں اور نجومیوں پر اعتقاد رکھتے تھے۔ لہٰذا ان کا یہ اعتقاد تھا: "ہر چیز مقدر ہے۔ تجھے فلاں کام کرنا ہوگا کیوں کہ تو اس کے کرنے پر مجبور ہے!"

اس کے بعد لوگوں کا اعتقاد پیشین گویوں اور نجومیوں پر سے اٹھ گیا۔ لہٰذا ان کا یہ اعتقاد ہوا: "آزادی ہر چیز ہے۔ تو کر سکتا ہے۔ کیوں کہ تو کرنا چاہتا ہے!"

اے میرے بھائیو، اب تک ستاروں اور مستقبل پر محض اٹکل پچو کام لیا گیا ہے اور ان کا علم کسی کو نہیں۔ اسی طرح نیک و بد کے متعلق بھی ساری باتیں اٹکل پچو ہیں اور ان کا علم کسی کو نہیں۔

(۱۰)

"تجھے ڈاکا نہ ڈالنا چاہیے! تجھے قتل نہ کرنا چاہیے!" ایک زمانہ تھا کہ اس قسم کی باتیں پاک خیال کی جاتی تھیں۔ ان کے سامنے لوگ گھٹنے اور سر خم کرتے تھے اور جوتے اُتارتے تھے۔

مگر میں تم سے پوچھتا ہوں: اس قسم کی پاک باتوں سے بڑھ کر ڈاکو اور قاتل دنیا میں کہاں پائے جاتے ہیں؟

یا یہ بھی کوئی وعظِ موت تھا جس نے ان چیزوں کا نام پاک رکھا تھا جو تمام زندگی کی مخالفت اور تردید کرتی ہیں؟ ای میرے بھائیو، توڑو توڑو پرانی جدولوں کو!

(۱۱)

میری ہمدردی کا مقتضا ہر گزشتہ چیز کے ساتھ یہ ہی کہ میں دیکھوں کہ وہ ترک کر دی گئی ہی،

ہر آیندہ نسل کے رحم، خیال اور خام خیالی پر چھوڑ دی گئی ہی اور ہر ماضی کو اس نے اپنے پُل کے مفہوم میں بدل دیا ہی۔

غالبًا ایک جابر ظالم آنے والا ہی، ہوشیار عظیم الجثہ جو اپنے رحم اور بے رحمی سے ہر ماضی کو زیر کرے گا اور دبائے گا حتیٰ کہ وہ اس کے لیے پُل بن جائے گا اور پیش خیمہ اور خبر رساں اور بانگِ خروس۔

لیکن یہ اور ہی خطرہ ہی اور میری اور ہی ہمدردی۔ جو شخص عامیوں میں سے ہی اس کے دماغ کی رسائی محض اس کے دادا تک ہی۔ دادا سے آگے چل کر زمانے کا خاتمہ ہو جاتا ہی۔

یہ ہی ہر گزشتہ چیز کا ترک کر دینا۔ کیوں کہ یہ ممکن ہی کہ وہ عامی ایک روز حاکم بن جائے اور تمام زمانوں کو چھچھلے پانی میں غرق کر دے۔

اس لیے ای میرے بھائیو، نئے اُمرا کی ضرورت ہی جو تمام عامیوں اور ظالم حکمرانوں کے دشمن ہوں اور نئی جدولوں پر از سرِ نو یہ لکھیں: "شریف" بہت سے شرفا اور بہت قسم کے شرفا کی اس لیے ضرورت ہی کہ امرا پیدا ہوں۔ ورنہ وہی ہونے والا ہی جو میں نے ایک بار کہا تھا: "یہی تو خدائیت ہی کہ متعدد خدا ہوں اور ایک خدا نہ ہو!"

(۱۲)

ای میرے بھائیو، میں ابتدا کرتا ہوں اور تمھیں نئے اُمرا کا راستا بتاتا ہوں میرے خیال میں تمھیں یہ چاہیے کہ پیدا کرنے والے اور پرورش کرنے والے بنو اور مستقبل کے کاشتکار۔

واقعی میں ایسے امرا کا راستا نہیں بتاتا جن کو تم مثل بنیے بقّالوں کے بنیے بقّالوں کے روپے سے خرید سکو۔ کیوں کہ جس چیز کے دام ہوتے ہیں اس کی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ آیندہ سے تمھاری عزت اس بات سے نہ ہونی چاہیے کہ تم کہاں سے آتے ہو بلکہ کہاں جاتے ہو۔ تمھارا عزم اور تمھارا قدم جس کو تم سے آگے بڑھ جانے کی خواہش ہی: اس سے تمھیں نئی عزت حاصل کرنی چاہیے!

واقعی اس وجہ سے نہیں کہ تم نے کسی بادشاہ کی خدمت کی ہی، بادشاہوں میں دھرا کیا ہی، اور نہ اس وجہ سے کہ تم کسی استادہ چیز کی ٹیک ہو تاکہ وہ زیادہ مضبوطی سے کھڑی رہے!

اور نہ اس وجہ سے کہ تمھارا خاندان درباروں میں درباداری کرتا ہی اور تم سارس کی طرح زنگا رنگ ہو کر گھٹنوں تک پایاب تالابوں میں کھڑے رہ سکتے ہو، کیوں کہ درباریوں کے نزدیک کھڑے رہنے کی قابلیت خوبی میں داخل ہی۔ اور تمام درباریوں کا یہ عقیدہ ہی کہ بیٹھنے کی اجازت پانا راحتِ بعد از مرگ کا جزو ہی۔

اور اس وجہ سے بھی نہیں کہ ایک روح جس کا نام انھوں نے روح القدس رکھ چھوڑا ہی، تمھارے بزرگوں کو بلادِ موعودہ کو لے گئی تھی جن کو میں ہرگز قابلِ وعدہ نہیں سمجھتا۔ کیوں کہ وہ سرزمین جہاں بد ترین درخت اگا ہی، یعنی صلیب، اس میں کوئی بات میں قابلِ وعدہ نہیں پاتا۔

اور واقعی یہ روح القُدُس جہاں کہیں بھی اپنے شہسواروں کو لے گیا ہی تو ان لشکروں کے آگے آگے ہمیشہ بکریاں اور بطخیں اور سڑی اور پاگل دوڑتے ہوئے چلے ہیں۔

ای میرے بھائیو، تمھارے امرا کو پیچھے کی طرف نہ دیکھنا چاہیے بلکہ آگے کی طرف اس بات کی ضرورت ہی کہ تمھیں تمام آبائی اور اجدادی وطنوں سے نکال دینا چاہیے!

تمھیں اپنی اولاد کے وطن سے محبت کرنی چاہیے۔ محبت تمھاری نئی امارت ہونی چاہیے جو دُور دراز سمندروں میں گمنام پڑی ہوئی ہی۔ میں تمھارے بادبانوں سے اصرار کرتا ہوں کہ اسے ڈھونڈو ڈھونڈو!

تمھیں اپنی اولاد کے ساتھ اس تقصیر کا تدارک کرنا چاہیے کہ تم اپنے باپوں کی اولاد ہو۔ اس طرح تمھیں اپنے ماضی سے چھٹکارا پانا چاہیے۔ یہ نئی جدولیں میں تمھارے اوپر آویزاں کرتا ہوں۔

(۱۳)

"زندہ رہنے کی ضرورت کیا ہی! سب ہیچ ہی! - زندگانی: اس کے معنے ہیں بھُس کوٹنا۔ زندگانی: اس کے معنے ہیں جل جانا اور گرم نہ ہونا۔"

اس قسم کی دقیانوسی گپوں کو اب تک "عقلمندی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہی اور اس وجہ سے کہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہیں اور ان میں بساہند آنے لگی ہی ان کی قدر و منزلت اور زیادہ ہو گئی ہی۔ سڑاہند سے بھی امارت آتی ہی۔

یہ بچّوں کی سی باتیں ہیں۔ وہ آگ سے دور بھاگتے ہیں کیوں کہ وہ ان کو جلا دیتی

ہے۔ پرانی دانشمندی کی کتابوں میں بچپن بھرا پڑا ہے۔

اور جو شخص ہمیشہ "بھس کوٹتا ہے"، اس کے لیے یہ کیوں کر روا ہے کہ وہ بھس کوٹنے کو معیوب سمجھے۔ ایسے احمق کے منہ پر پٹی باندھ دینی چاہیے!

یہ وہ لوگ ہیں جو دسترخوان پر آکر بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے ساتھ کچھ نہیں لاتے، حتّٰی کہ اچھی بھوک بھی نہیں لاتے۔ پھر وہ کفرانِ نعمت کرتے ہیں: "سب ہیچ ہے!"

لیکن اچھا کھانا پینا، اے میرے بھائیو، ہرگز ہیچ نہیں۔ توڑو توڑو جدولیں ان لوگوں کی جن کے دلوں میں کبھی خوشی نہیں آتی!

(۱۴)

"پاک لوگوں کے لیے ہر چیز پاک ہے۔" یہ عوام النّاس کا مقولہ ہے۔ مگر میں تم سے کہتا ہوں: سؤر کے لیے ہر چیز سؤر ہو جاتی ہے۔

اسی خیالی پلاؤ پکانے والے اور گردن جھکا کر چلنے والے جن کے دل بھی سرنگوں رہتے ہیں یہ وعظ کرتے ہیں: "دنیا خود ایک ناپاک اژدہا ہے۔"

کیوں کہ ان سب لوگوں کی روحیں گندی ہیں۔ بالخصوص ان لوگوں کی جو بے چین اور بے آرام ہیں۔ البتہ وہ لوگ اس سے مستثنٰی ہیں جو دنیا کو پیچھے سے دیکھتے ہیں، دنیا کے پچھواڑے والے۔

یہ میں ان کے منہ پر کہتا ہوں اگرچہ یہ بات خوش گوار نہیں: اس لحاظ سے کہ دنیا کا بھی پچھواڑا ہے وہ انسان سے مشابہت رکھتی ہے۔ یہاں تک واقعہ ہے۔

دنیا میں بہت سا دَلِدّر ہے۔ یہاں تک واقعہ ہے۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ خود دنیا ایک ناپاک اژدہا ہے۔

اس بات میں دانشمندی پائی جاتی ہے کہ دنیا میں بہت سی چیزیں بدبودار ہیں۔ خود عفونت سے بال و پر پیدا ہوتے ہیں اور سرچشمے کو تاڑ جانے کی قوتیں۔

بہترین شخص میں بھی کوئی نہ کوئی گھن کی چیز پائی جاتی ہے۔ اور بہترین شخص بھی ایک ایسی شے ہے جس سے گزر جانا چاہیے۔

اے میرے بھائیو، اس بات میں بڑی دانشمندی پائی جاتی ہے کہ دنیا میں بہت کچھ دَلِدّر ہے۔

(۱۵)

ایسی باتیں میں نے دنیا کے پارسا پچھواڑے والوں کو اپنے ضمیر سے کہتے ہوئے سنا ہے اور واقعی نہ اس میں شرارت کو دخل ہے نہ جھوٹ کو۔ اگرچہ دنیا میں اس سے زیادہ شریر اور جھوٹ کوئی بات نہیں۔

"دنیا کو یوں ہی چلنے دے! اس پر انگلی مت اٹھا!"

"جو چاہے لوگوں کا گلا گھونٹے اور ان کو چھلنے کرے اور ان کی کھال کھینچے اور کُھرچے۔ اس کے خلاف بھی انگلی مت اُٹھا! اس وجہ سے لوگ دنیا سے قطع تعلق کرنا سیکھتے ہیں"۔

توڑ ڈالو توڑ ڈالو، اے میرے بھائیو، پارساؤں کی ان جدولوں کو! توڑ ڈالو ان لوگوں کے مقولوں کو جو دنیا کو جھٹلاتے ہیں!

(۱۶)

"جو شخص بہت کچھ سیکھتا ہے وہ تمام جوشیلے جذبات کو بھول جاتا ہے": یہ کانا پھوسی لوگ اندھیری گلیوں میں آج کل کرتے ہیں۔

"دانشمندی سُست بنا دیتی ہے۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ تجھے کسی چیز کی خواہش نہ کرنی چاہیے!" ان جدولوں کو میں نے عام بازاروں تک میں آویزاں دیکھا ہے۔

توڑ ڈالو، اے میرے بھائیو، توڑ ڈالو ان نئی جدولوں کو بھی! دنیا سے اکتا جانے والوں نے ان کو آویزاں کیا ہے اور واعظینِ موت اور نیز قید خانوں کے داروغاؤں

نے ۔کیوں کہ دیکھو، یہ بھی ایک غلامانہ وعظ ہے۔

ان کا معدہ اس وجہ سے خراب ہو گیا ہے کہ ان کی تعلیم خراب ہوئی ہے اور بہترین چیز کی تعلیم بالکل نہیں ہوئی اور ساری تعلیم بہت پہلے اور بہت تیز ہوئی اور اس وجہ سے کہ ان کا کھانے کا طریقہ بُرا ہے۔

الغرض ان کی روح ایک بگڑا ہوا معدہ ہے: وہ موت کا مشورہ دیتا ہے۔ اور، اے میرے بھائیو، روح واقعی ایک معدہ ہے!

زندگی مسرتوں کا سرچشمہ ہے۔ لیکن جس کے اندر بگڑا ہوا معدہ بولتا ہو جو ساری تکالیف کی بنیاد ہے اس کے سارے سرچشمے زہر آلود ہو جاتے ہیں۔

معرفت حاصل کرنا: یہ شعرِ عزم کے لیے مسرتِ روحانی ہے۔ لیکن جو تھکا ماندہ ہوتا ہے وہ دوسروں کے "عزم کا مرجع ہوتا ہے"، موجیں اس کے ساتھ کھیلتی ہیں۔

اور کم زور آدمیوں کی ہمیشہ یہ فطرت رہی ہے: وہ اپنے راستوں میں کھو جاتے ہیں۔ اور بالآخر ان کی تکان یہ سوال کر بیٹھتی ہے: "آخر ہم راستوں پر چلے ہی کیوں! تمام چیزیں یکساں ہیں"۔

ان کے کانوں کو یہ وعظ بھلا معلوم ہوتا ہے: "یہ بالکل بے سود ہے! تمھیں اپنا ارادہ نہ رکھنا چاہیے!" مگر یہ وعظ غلام ساز ہے۔

اے میرے بھائیو، زردشت تمام درماندگانِ راہ کے لیے مفرّح گونجتی ہوئی آندھی ہے۔ اس کی وجہ سے ابھی اور بہت سی ناکیں چھینکنا شروع کر دیں گی۔

میری آزاد سانس دیواروں میں سے بھی ہو کر قید خانوں اور قیدی روحوں تک سرایت کر جاتے گی۔

عزم آزاد کنندہ ہے۔ کیوں کہ عزم مرادف ہے خلق کرنے کا: یہ میری تعلیم ہے۔ اور تمھارے سیکھنے کا مقصد محض تخلیق ہونا چاہیے!

اور سیکھنے کا فن پہلے تمھیں مجھ سے سیکھنا چاہیے، اچھی طرح سیکھنے کا فن۔ جس کے کان ہوں وہ سنے!

(۱۷)

وہ ناؤ کھڑی ہے۔ وہ دیکھو پار جا رہی ہے شاید عدمِ عظیم کی طرف۔ لیکن کس کی یہ خواہش ہو سکتی ہے کہ وہ اس "شاید" میں سوار ہو؟

تم میں سے کوئی بھی اس موت کی ناؤ میں سوار ہونا نہیں چاہتا! پھر تم کس طرح دنیا سے تنگ آسکتے ہو!

دنیا سے تنگ! درآں حالیکہ تم دنیا سے ابھی تک کنارہ کش بھی نہیں ہوئے! میں نے تم کو اب تک ہمیشہ دنیا کی طرف دل سے خواہش مند پایا ہے اور خود اپنی ارضی تکان پر فریفتہ۔

تمھارے ہونٹوں کا نیچے لٹکنا بے وجہ نہیں۔ ان کے اوپر ایک چھوٹی سی ارضی تمنا بیٹھی ہوئی ہے۔ اور کیا آنکھوں میں نافراموش کردہ ارضی مسرت کی چھوٹی سی بدلی نہیں تیر رہی ہے؟

زمین پر بہت سی اچھی اچھی ایجادیں پائی جاتی ہیں جن میں سے بعض سود مند اور بعض مرغوبِ خاطر ہیں۔ خود ان کی خاطر زمین سے محبت کرنی چاہیے!

اور بہت سی چیزیں تو ایسی عمدہ ایجادیں ہیں کہ ان کی مثال محض عورتوں کے سینے سے دی جا سکتی ہے: بیک وقت سود مند اور مرغوبِ خاطر۔

مگر اے دنیا سے تنگ آنے والو! اے زمین کے کاہلو! تمھاری تو چھڑی سے خبر لینی چاہیے! چھڑی کی مار سے پھر تمھاری ٹانگوں میں چستی پیدا کرنی چاہیے!

پھر: اگر تم بیمار اور از کار رفتہ نہیں بھی ہو جن سے زمین اکتا گئی ہے تو تم کم از کم متعفن سست بھینسے ہو یا چٹوری دبے پاؤں چلنے والی اور دل بہلاؤ بلیاں ہو۔ اور اگر

تم ایک بار اور دل کھول کر دوڑنا نہیں چاہتے تو سمجھ لو کہ تمھارا خاتمہ ہونے والا ہو۔
لاعلاج کا طبیب بننا ٹھیک نہیں : یہ ہو تعلیم زردشت کی۔ لہٰذا سمجھ لو کہ تمھارا
خاتمہ ہونے والا ہو۔
لیکن خاتمہ کرنے کے لیے زیادہ ہمّت کی ضرورت ہو بہ نسبت ایک نئے شعر
کہنے کے۔ ہر طبیب اور شاعر یہ جانتا ہو۔

(۱۸)

اے میرے بھائیو، بعض جدولیں ایسی ہیں جو تکان کی وجہ سے ظہور میں آئی ہیں
اور بعض سُستی کی وجہ سے، کاہل سُستی کی وجہ سے۔ اگرچہ وہ ایک سی گفتگو کرتی ہیں کہ
مختلف طور سے ان کو سنا جائے۔
زرا اس اجل رسیدہ کو تو دیکھو! وہ اپنے مقصد سے فقط ایک بالشت دُور ہو لیکن
تکان کی وجہ سے وہ ضد میں آکر زمین پر لیٹ گیا ہو: کیا ہی دلیر ہو!
اب اس پر شدّت کی دھوپ پڑ رہی ہو اور کتّے اس کا پسینا چاٹ رہے ہیں لیکن
وہ اپنی ضد میں وہیں پڑا ہوا ہو اور وہیں رہ کر اجل رسیدہ ہو جانا پسند کرتا ہو،
اپنے مقصد سے ایک بالشت کے فاصلے پر۔ واقعی تمھیں اس کے بال پکڑ کر اس
کی جنّت میں کھینچنا پڑے گا، اس سورما کو!
لیکن بہتر ہو کہ اس کو وہیں پڑا رہنے دو جہاں وہ پڑا ہوا ہو تاکہ اسے نیند آجائے
اطمینان بخش نیند جس کے ساتھ ٹھنڈی ٹھنڈی بوندیں ٹپ ٹپ گر رہی ہوں۔
اس کو پڑا رہنے دو جب تک کہ وہ بیدار نہ ہو جائے، جب تک وہ خود ساری
تکان اور جو کچھ کہ تکان نے اس کے ذریعے سے سکھایا ہو واپس نہ لے لے۔
میرے بھائیو، تم محض اس کا خیال رکھو کہ کُتّے اس کے پاس نہ پھٹکیں، سست
کام چور، اور تمام بھنکنے والے حشرات الارض،

وہ سارے بھنکنے والے حشرات الارض جو "تعلیم یافتہ" کہلاتے ہیں اور جو اس سورما کے پسینے سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

(۱۹)

میں اپنے آس پاس کنڈل کھینچتا ہوں اور مبارک حد بندیاں کرتا ہوں۔ جوں جوں پہاڑ اونچے ہوتے جاتے ہیں میرے ساتھ اوپر چڑھنے والوں کی تعداد گھٹتی جاتی ہے۔ میں ایک کوہستان بنا رہا ہوں جس کے پہاڑ ایک سے ایک مبارک تر ہوں گے۔

لیکن جہاں کہیں بھی تم میرے ساتھ اوپر چڑھنا، اے میرے بھائیو، اس بات کا خیال رکھنا کہ کوئی مفت خورہ تمھارے ساتھ نہ ہو!

مفت خورہ: یہ ایک کیڑا ہے، رینگنے والا اور چمٹنے والا، جو تمھارے جسم کے بیمار اور مجروح کونوں کے طفیل میں موٹا تازہ ہونا چاہتا ہے۔

اور اس کی یہ اُستادی ہے کہ وہ اس بات کا پتا لگا لیتا ہے کہ ترقی کرنے والی روحوں کی کون کون سی جگہیں تکان زدہ ہیں۔ وہ اپنا گِھنونا گھر تمھاری تکالیف اور دل شکنیوں اور تمھاری لطیف حیاداری میں بناتا ہے۔

جس جگہ مضبوط آدمی کم زور اور شریف بے حد نرم دل ہوتا ہے وہیں وہ اپنا گِھنونا گھر بناتا ہے۔ مفت خورہ بڑے آدمی کے جسم کے اس کونے میں رہتا ہے جہاں چھوٹے چھوٹے زخم ہوتے ہیں۔

تمام کائنات میں اعلیٰ ترین جنس کون سی ہے اور اسفل ترین کون سی؟ مفت خورہ اسفل ترین جنس میں سے ہے وہی سب سے زیادہ مفت خوروں کو پالتا ہے۔

یعنی وہ روح جس کی سیڑھی سب سے زیادہ لمبی ہے اور سب سے زیادہ نیچے اُتر سکتی ہے: یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ اس پر سب سے زیادہ مفت خورے نہ چمٹیں؟،

سب سے زیادہ حجم والی روح جو اپنے آپ میں سب سے زیادہ دُور تک

دوڑ سکتی اور غلطی کر سکتی اور بہر پھر سکتی ہی، سب سے زیادہ ضروری روح جو مارے خوشی کے اپنے آپ کو اتفاقات کا شکار بنا دیتی ہی،
موجودہ روح جو مستقبل میں غوطہ لگاتی ہی، مالک روح جو عزم اور تمنّا میں مسرت کرنا چاہتی ہی،
جو خود اپنے آپ سے بھاگتی ہی اور بڑے سے بڑا چکر لگا کر اپنے آپ کو پکڑ لیتی ہی، سب سے زیادہ دانشمند روح جس کو بے وقوفی میٹھی میٹھی باتیں کر کے مناتی ہی،
جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ پیار کرتی ہی، جس میں تمام چیزیں آگے اور پیچھے لہریں مارتی ہیں اور اپنا مدّوجزر رکھتی ہیں: ارے یہ کیوں کر ہو سکتا ہی کہ یہ اعلیٰ ترین روح بدترین مفت خورے نہ رکھتی ہو؟

(۲۰)

اے میرے بھائیو، کیا میں سنگ دل ہوں؟ مگر میرا یہ مقولہ ہی: جو چیز گر رہی ہو اس کو ایک دھکّا بھی دے دینا چاہیے!
آج کل کی تمام چیزیں گر رہی اور منہدم ہو رہی ہیں۔ کون ان کو بچانا چاہتا ہی! مگر جہاں تک میرا تعلق ہی میں ان کو دھکّا بھی دے دینا چاہتا ہوں۔
کیا تمھیں اس مسرّت کی خبر ہی جو پتّھروں کو عمیق غاروں میں لڑھکاتی ہی؟ یہ آج کل کے انسان: ان کو دیکھو تو سہی کہ وہ کس طرح میرے غاروں میں لڑھکتے ہیں!
میں بہترین نقالوں کا تمہیدی کھیل ہوں، اے میرے بھائیو! ایک نمونہ ہوں! میرے نمونے کی پیروی کرو!
اور جن کو تم اڑنا نہیں سکھاتے ان کو، تمھیں میری قسم، جلد تر گر پڑنا سکھاؤ!

(۲۱)

مجھے بہادروں سے محبّت ہی۔ مگر اس کے لیے مارتے خاں ہونا کافی نہیں ہی

بلکہ یہ بھی جاننا چاہیے کہ کس پر ہاتھ صاف کیا جائے۔

اور اکثر بہادری اس میں پائی جاتی ہے کہ آدمی اپنے آپے میں رہے اور چپکے سے گزر جائے تاکہ وہ اپنے آپ کو قابل ترین دشمن کے لیے اٹھا رکھے۔

تمھارے دشمنوں کو قابلِ عداوت ہونا چاہیے نہ کہ قابلِ تحقیر۔ تمھیں اپنے دشمن پر ناز کرنا چاہیے: یہ تعلیم میں تمھیں ایک بار پہلے دے چکا ہوں۔

قابل ترین دشمنوں کے لیے، اے میرے دوستو، تمھیں اپنے آپ کو اٹھا رکھنا چاہیے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تم بہت سے لوگوں سے گزر جاؤ،

بالخصوص بہت سے اوباشوں سے جو قوم اور قوم کے بارے میں تمھارے کان کھاتے ہیں۔

ان کے موافق اور مخالف سے اپنی آنکھیں پاک رکھو۔ وہاں بہت کچھ حق اور بہت کچھ ناحق پایا جاتا ہے۔ جو شخص وہاں نظرِ غائر ڈالتا ہے وہ غضب ناک ہو جاتا ہے۔

اس کے اندر نظر ڈالنا، اس کے اندر حملہ آور ہونا: وہاں یہ دونوں ایک ہیں۔ لہٰذا جنگلوں میں نکل بھاگو اور اپنی تلوار کو سونے کے لیے لِٹا دو!

تم اپنی راہ لو! اور قوم اور قوموں کو اپنی راہ جانے دو! واقعی یہ تاریک راہیں ہیں جہاں ایک امید تک نہیں جھِلملاتی،

جہاں تمام چیزیں جو زرق برق ہیں بنیے بقالوں کا سونا ہی کیوں نہ ہوں وہاں اگر بنیے بقالوں کی حکومت ہے تو ہونے دو! بادشاہوں کا دور دورہ اب نہیں رہا جس کا نام آج کل قوم ہے وہ بادشاہوں کی مستحق نہیں۔

دیکھو تو سہی، یہ قومیں کس طرح بنیے بقالوں کی سی کارروائی کرتی ہیں۔ وہ ہر کوڑے کرکٹ میں سے چھوٹے سے چھوٹا فائدہ حاصل کرنے سے بھی نہیں رکتیں۔

وہ ایک دوسرے کے راز کے درپے رہتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو دھوکا دے کر

ان کا راز دریافت کر لیتی ہیں۔ اس کا نام انھوں نے "اچھی ہمسائگی" رکھا ہے۔ وہ کیا مبارک زمانۂ بعید تھا جب کہ ایک قوم اپنے دل میں کہتی تھی: "میں دوسری قوموں پر حکومت کروں گی!"

کیوں کہ میرے بھائیو، بہترین کے ہاتھ میں حکومت ہونی چاہیے اور بہترین کے ہاتھ میں حکومت ضرور ہوگی! اور جہاں اس کے علاوہ کوئی اور تعلیم دی جاتی ہے وہاں بہترین کا وجود ہی نہیں۔

(۲۲)

اگر روٹی انھیں مفت میں ملتی ہو تو حیف ہے! ۔ پھر وہ اور کس چیز کے لیے چلّائیں گے! ان کا گزارہ ان کی حقیقی گزرِ اوقات ہے۔ اور انھیں مشکل کا سامنا پڑے گا۔

وہ درندے ہیں۔ ان کے "کاموں" میں بھی درندگی پائی جاتی ہے۔ ان کی "کمائی" میں چال بازی کو دخل ہے۔ اس لیے انھیں مشکل کا سامنا پڑے گا۔

لہٰذا انھیں بہترین درندے بننا پڑے گا اور نفیس ترین اور ہوش مند ترین اور مشابہ ترین انسان: کیوں کہ انسان بہترین درندہ ہے۔

انسان نے سارے جانوروں سے ان کی نیک خصلتیں چھین لی ہیں۔ اسی وجہ سے انسان کو سب سے بڑی مشکل کا سامنا پڑتا ہے۔

اب تک محض پرندے اس کے اوپر ہیں۔ اور اگر انسان اُڑنا بھی سیکھ لے تو خیر باشد، اس کی حرصِ درندگی معلوم نہیں کہاں تک اُڑ کر پہنچے!

(۲۳)

میں چاہتا ہوں کہ مرد اور عورت اس طرح ہوں: ایک قابلِ جنگ اور دوسرا قابلِ تولید مگر دونوں سر اور پانْو کے بل قابلِ رقص۔

اور گم ہو ہمارے لیے وہ دن جب کہ ایک بار بھی ناچا نہ جاتے! اور جھوٹ سے

تعبیر کی جائے۔ ہمارے لیے ہر وہ سچائی جس کے ساتھ ہنسی نہ پائی جائے۔

(۲۴)

تمھارا عقدِ نکاح : اس بات کا خیال رکھو کہ وہ بُرا عقد نہ ہو۔ تم نے بہت جلدی سے عقد کر لیا ہی۔ لہٰذا اس کا نتیجہ ہی نکاح کی عہد شکنی !

مگر نکاح کی عہد شکنی کرنا بہتر ہی بہ نسبت نکاح کے توڑنے مروڑنے اور نکاح کے جھوٹ بولنے کے۔ ایک بار ایک عورت نے مجھ سے یہ کہا تھا: "یہ سچ ہی کہ میں نے نکاح کی عہد شکنی کی لیکن اس سے پہلے نکاح نے میری عہد شکنی کی ہی"

بُرے میاں بیوی کو میں نے بدترین کینہ پرور پایا ہی۔ وہ تمام دنیا سے اس بات کا خمیازہ اٹھوانا چاہتے ہیں کہ وہ اب اکیلے نہیں چلتے۔

اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ایمان دار لوگ آپس میں کہیں: "ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہماری باہمی محبت قایم رہے ! ورنہ کیا ہمارا عہد و پیماں غلطی پر مبنی تھا ؟"

"ہمیں ایک میعاد دو اور نکاحِ صغیر تاکہ ہم اندازہ کریں کہ آیا ہم نکاحِ کبیر کے قابل ہیں بھی کہ نہیں۔ دُکیلا رہنا کوئی چھوٹی بات نہیں ہی"

ہر ایمان دار شخص کو میں یہی مشورہ دیتا ہوں اور فوق البشر اور ہر مستقبل شی سے میری محبّت کا کیا حشر ہوتا اگر میں اس کے سوا کوئی اور مشورہ دیتا اور باتیں کرتا !

اے میرے بھائیو، تمھارے نکاح کے باغ کا منشا محض تعداد بڑھانا نہ ہونا چاہیے بلکہ عروج دینا !

(۲۵)

دیکھ، جس کی سمجھ میں پرانی ابتدائیں آگئی ہیں وہ بالآخر مستقبل کے سرچشمے

اور نئی ابتدائیں تلاش کرے گا۔

ای میرے بھائیو، تھوڑے ہی زمانے کے بعد نئی نئی قومیں ظہور میں آئیں گی اور
نئے نئے چشمے نئے نئے نشیبوں میں موجزن ہوں گے۔

مثلاً زلزلہ: وہ بہت سے چشموں کو پاٹ دیتا ہی اور بہت سی تمناؤں کا خون
کرڈالتا ہی لیکن وہ اندرونی قوتوں اور بھیدوں کو بھی تو ہویدا کر دیتا ہی۔

زلزلہ نئے نئے چشمے ظہور میں لاتا ہی۔ پرانی اقوام کے زلزلے میں نئے سرچشمے
پھوٹ نکلتے ہیں۔

اور جو شخص چلّا کر کہتا ہی: "دیکھ، یہاں بہت سے پیاسوں کے لیے ایک چشمہ ہی،
بہت سے مشتاقوں کے لیے ایک دل، بہت سے اوزاروں کے لیے ایک ارادہ":
اس کے گرد قوم کی قوم جمع ہو جاتی ہی یعنی بہت سے تجربہ کرنے والے لوگ۔

کون حکمرانی کر سکتا ہی، کس کو فرماں برداری کرنی چاہیے: اس کا تجربہ وہاں کیا
جانے گا، اور آہ، کس قدر طول طویل تلاش اور صحیح اور غلط حل اور سیکھنے اور از سرِ نو
تجربہ کرنے کے ساتھ!

انسانی صحبت: یہ ایک تجربہ کرنا ہی، یہ میری تعلیم ہی، اور ایک طول طویل تلاش
مگر وہ تلاش حکمران کی ہی،

ایک تجربہ، ای میرے بھائیو! مگر معاہدہ نہیں! توڑ ڈالو نرم دلوں اور ادھوروں
کے اس لفظ کو، توڑ ڈالو۔

(۲۶)

ای میرے بھائیو! کہو تو سہی کہ انسانی مستقبل کے لیے سب سے بڑا خطرہ کس چیز
میں ہی؟ کیا نیکوں اور خدا ترسوں میں نہیں ہی؟

کیوں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اس بات کو دل میں بھی محسوس کرتے ہیں اور زبان پر

بھی لاتے ہیں: "ہمیں معلوم ہوچکا ہے کہ نیکی اور خدا ترسی کیا ہے۔ وہ ہمارے پاس بھی موجود ہے۔ حیف ہے ان لوگوں پر جو یہاں اب تک اس کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں!"

اور بُرے لوگ کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچائیں نیکوں کا نقصان پہنچانا سب سے زیادہ ضرر رساں ضرر ہے!

اور دنیا کو جھٹلانے والے کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچائیں نیکوں کا نقصان پہنچانا سب سے زیادہ ضرر رساں ضرر ہے!

اے میرے بھائیو، ایک بار کسی شخص نے نیکوں اور خدا ترسوں کے دل کے اندر نظرِ غائر ڈالی تھی اور یہ کہا تھا: "یہ تو ریاکار ہیں" لیکن اس کی بات کسی کے سمجھ میں نہ آئی۔

خود نیک اور خدا ترس اس کے سمجھنے سے عاجز تھے۔ ان کا دل ان کے ضمیرِ نیک میں پھنسا ہوا ہے۔ نیکوں کی حماقت بے انتہا سمجھ دار ہے۔

اور یہ بالکل واقعہ ہے۔ نیکوں کے لیے ریاکار رہنا ضروری ہے۔ اس کے سوا ان کے لیے اور کوئی امکان ہی نہیں!

نیک لوگ اس شخص کو ضرور سُولی پر چڑھا دیں گے جو اپنی نیکی خود ایجاد کرتا ہے۔ یہ بالکل واقعہ ہے۔

اور ایک اور شخص جس نے ان کا وطن دریافت کیا تھا، یعنی نیکوں اور خدا ترسوں کا مالک اور دل اور زمین: وہ وہ شخص تھا جس نے پوچھا: "وہ سب سے زیادہ کس سے متنفّر ہیں؟"

سب سے زیادہ وہ خلق کرنے والے سے متنفّر ہیں، اس سے جو جدولیں توڑتا ہے اور پرانی قیمتیات، یعنی توڑنے والے سے۔ اس کا نام انھوں نے مجرم رکھ چھوڑا ہے۔

کیوں کہ نیک لوگ، وہ خلق نہیں کر سکتے۔ وہ تو ابتدا ہیں انتہا کی طرف سے۔

وہ اس شخص کو سولی دے دیتے ہیں جو نئی جدولوں پر نئی قیمتیات کا اندراج کرتا
ہے وہ مستقبل کو اپنے اوپر سے قربان کر دیتے ہیں۔ وہ ہر انسانی مستقبل کو سولی پر چڑھا
دیتے ہیں۔

نیک لوگ : یہ تو ابتدا ہیں انتہا کی طرف سے۔

(۲۷)

اے میرے بھائیو، کیا تمھاری سمجھ میں یہ بات بھی آئی ہے ؟ اور وہ بھی جو میں
نے ایک بار "آخری انسان" کے متعلق کہا تھا ؟

انسانی مستقبل کے لیے سب سے زیادہ خطرہ کس چیز میں ہے ؟ کیا نیکوں اور
خدا ترسوں میں نہیں ؟

تباہ کر دو نیکوں اور خدا ترسوں کو، تباہ کر دو ! اے میرے بھائیو، کیا تمھاری
سمجھ میں یہ بات آگئی ہے ؟

(۲۸)

تم مجھ سے گریز کرتے ہو ؟ تم سہم گئے ہو ؟ تم اس بات سے کانپتے ہو ؟
اے میرے بھائیو، جب میں نے نیکوں اور نیکوں کی جدولوں کو پاش پاش کرنے
کے لیے تم سے کہا تھا اسی وقت میں نے انسان کو جہاز پر بٹھا کر سمندر پار روانہ کر دیا تھا۔
اور ابھی ابھی اس کے پاس پہنچا ہے : بڑا خوف، اپنی بڑی خبر گیری، بڑی بیماری
بڑی گھن، بڑی سمندر کی متلی۔

نیکوں نے تم کو غلط ساحلوں اور غلط تسلیوں کی تعلیم دی ہے۔ نیکوں کے جھوٹ
میں تم پیدا ہوئے ہو اور اسی میں دبے پڑے ہو۔ نیکوں کی وجہ سے ہر چیز جڑ تک جھوٹ
اور کج ہو گئی ہے۔

لیکن جس شخص نے اس ملک کو دریافت کیا ہے جس کا نام انسان ہے اسی نے

اس ملک کو بھی دریافت کیا ہو جس کا نام "انسانی مستقبل" ہو۔ اب تمھیں ملاح بننا پڑے گا بہادر اور ثابت قدم ملاح!

پہلے سے سیدھے ہو کر چلو! ای میرے بھائیو، سیدھے ہو کر چلنا سیکھو! سمندر متلاطم ہو۔ بہت لوگوں کی خواہش ہو کہ تمھارے سہارے پھر سیدھے ہو جائیں۔

سمندر متلاطم ہو: ہر چیز سمندر میں ہو۔ اچھا! شاباش! ای ملاحوں کے تجربہ کار دلو! وطن آبائی: ہمارا پتوار اس طرف رخ کرے گا جہاں ہماری اولاد کا وطن ہو۔ اسی طرف سمندر کے تلاطم سے بڑھکر ہماری تمنائے عظیم متلاطم ہو۔

(۲۹)

ایک بار باورچی خانے کے کوئلے نے ہیرے سے کہا: "آخر تم اتنے سخت کیوں ہو! کیا ہم تم قریبی رشتے دار نہیں ہیں؟"

اور میں تم سے، ای میرے بھائیو، یہ پوچھتا ہوں: آخر تم اِتنے نرم کیوں ہو؟ کیا تم میرے بھائی نہیں ہو؟

تم اتنے نرم اور دَبّو اور فرماں بردار کیوں ہو؟ تمھارے دل میں اتنا انکار اور ضد کیوں ہو؟ تمھاری نگاہ میں کیوں اس قدر کم قسمت پائی جاتی ہو؟

اور اگر تم قسمتیں نہیں ہونا چاہتے، اور وہ بھی سنگدل قسمتیں، تو پھر تم میری فتحیابی میں کس طرح میرا ہاتھ بٹاؤ گے؟

اور اگر تمھاری سختی یہ نہیں چاہتی کہ چمکے اور غائب ہو جائے اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تو پھر تم ایک روز مجھ سے مل کر کس طرح خلق کرو گے؟

خلق کرنے والے تو سخت ہی ہوتے ہیں۔ اور یہ تمھارے لیے باعثِ انبساطِ خاطر ہونا چاہیے کہ تم ہزار ہا سال کی مدت پر اپنے کو اس طرح دباؤ جیسے کہ موم پر،

باعثِ انبساطِ خاطر ہونا چاہیے ہزار ہا سال کی مدّت کے عزم پر اس طرح لکھنا جیسے کہ دھات پر

دھات سے زیادہ سخت دھات سے زیادہ شریف۔ بالکل سخت وہی ہے جو سب سے زیادہ شریف ہے۔
اس نئی جدول کو، اے میرے بھائیو ہیں تمھارے اوپر آویزاں کرتا ہوں: سخت بنو!

(۳۰)

اے میرے عزم! اے ہر تکلیف کے دور کرنے والے! اے میرے لیے ناگزیر! مجھ کو
تمام چھوٹی چھوٹی فتحیابیوں سے بچا!
اے میری روح کی قسمت جس کا نام میں نے مقدر رکھا ہے! اے میرے اندر
والے! میرے اوپر والے! مجھے ایک نئے مقدر کے لیے بچاکر اور اٹھاکر رکھ!
اور اپنی بڑی عظمت کو، اے میرے عزم، اپنے آخری دن کے لیے اٹھا رکھ
تاکہ تو اپنی فتحیابی میں سخت دل رہے! افسوس اس کی فتحیابی نے کس کو زیر نہیں کیا!
افسوس، اس نشے سے چور شفق پر کس کی آنکھوں میں اندھیر نہیں آیا! افسوس
کس کا پانو نہیں ڈگمگایا اور بوقتِ فتحیابی سیدھا کھڑا ہونا بھول نہیں گیا!،
تاکہ میں ایک روز ظہرِ عظیم میں آمادہ اور پختہ ہو جاؤں، آمادہ اور پختہ مثل تپتی
ہوئی دھات کے اور برق آلود بادل کے اور بھرے ہوئے دودھ کے تھنوں کے،
آمادہ خود اپنے لیے اور اپنے پوشیدہ ترین عزم کے لیے: ایک کمان مشتاق
اپنے تیر کی، ایک تیر مشتاق اپنے ستارے کا،
ایک ستارا آمادہ اور پختہ اپنی نصف النہار میں، دمکتا ہوا اور سوراخ در سوراخ،
مگن سورج کے مہلک تیروں میں،
خود ایک سورج اور ایک سنگدل سورج کا عزم، فتحیابی پر قربان ہو جانے کے لیے آمادہ!
اے عزم، ہر تکلیف کے دور کرنے والے، اے میرے لیے ناگزیر! مجھے ایک بڑی
فتحیابی کے لیے اٹھا رکھ!
یہ تھیں باتیں زردشت کی۔

رُو بصحت بیمار

غار میں واپس آنے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد زرُدشت ایک روز صبح کو اپنے بچھونے سے مثل ایک پاگل کے اُچھل پڑا اور بڑی دہشت ناک آواز سے چلّانے لگا اور اس کے تیور سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کوئی اور شخص اس کے بچھونے پر پڑا ہوا ہے جو وہاں سے اٹھنا نہیں چاہتا اور اس کی آواز اس طرح گونجی کہ اس کے جانور سہم گئے اور اس کے پاس آکر جمع ہوگئے۔ اور زردشت کے غار کے آس پاس جتنے غار اور کونے آنترے تھے ان کے جانور نکل بھاگے، اُڑتے ہوئے، پرپھڑپھڑاتے ہوئے، رینگتے ہوئے، کودتے ہوئے، غرضکہ جس طرح کہ جس کے پانووں یا پروں پر بل بوتا تھا۔ اور زردُشت نے یہ تقریر کی:۔

اُوپر نکل، اے خیالِ عمیق، میری تھاہ سے! میں تیرا مُرغا ہوں اور افقِ صبح، اے محوِ خواب کیڑے! اُٹھ! اُٹھ! میری آواز کائیں کائیں کرکے تجھے بیدار کردے گی۔

اپنے کانوں کی کڑیوں کو ڈھیلا کر! کان لگا کر سُن! کیوں کہ میں تیری باتیں سُننا چاہتا ہوں۔ اُٹھ! اُٹھ! یہاں قبروں تک کو شنوا بنانے کے لیے کافی گرج کڑک ہے۔

اور نیند اور ہر قسم کی حماقت اور نابینائی کو اپنی آنکھوں سے پونچھ ڈال! میری باتیں اپنی آنکھوں سے بھی سن! میری آواز مادرزاد اندھوں کے لیے بھی دوا ہے۔

اور اگر تو ایک بار بیدار ہوچکا ہے تو تجھے ہمیشہ بیدار رہنا چاہیے۔ یہ میری عادت نہیں کہ میں پڑدادی کو نیند سے جگاؤں اور اس سے کہوں کہ پھر سوجا!

تو کُلبلاتا اور انگڑائیاں اور خراٹے لیتا ہے۔ اٹھ! اٹھ! خراٹے مت لے۔ باتیں کر! زردشتِ مُلحد تجھے پکارتا ہے،

میں زرُدشت، شفیعِ زندگانی، شفیعِ تکلیف، شفیعِ بازگشت، میں تجھے پکارتا

ہوں، اپنے عمیق ترین خیال کو!

زندہ باد میں! تو آرہا ہی۔ مجھے تیری آواز سنائی دیتی ہی۔ میرا عمق باتیں کرتا ہی۔ میں نے اپنی آخری پستی کو کھود کر روبروشنی کر دیا ہی۔

زندہ باد میں! آ! ہاتھ دے! اہا! جانے دے! اہاہا! گھِن گھِن گھِن حیف ہو مجھ پر!

(۲)

زردشت نے ابھی یہ الفاظ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ مُردے کی طرح گر پڑا اور بہت دیر تک مُردے کی طرح پڑا رہا۔ اور جب پھر وہ اپنے ہوش میں آیا تو اس کا رنگ فق تھا اور وہ کانپ رہا تھا اور زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اور بہت دیر تک اس نے نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ اس کی یہ حالت ایک ہفتے تک رہی۔ لیکن اس کے جانور دن رات اس کا ساتھ نہ چھوڑتے تھے بجز اس کے کہ عقاب اڑجاتا اور کھانا لے آتا تھا۔ اور جو کچھ وہ چھین جھپٹ کر لاتا زرُدشت کے بچھونے پر ڈال جاتا یہاں تک کہ بالآخر زرُدشت کے اردگرد پیلی اور لال جھربیریوں اور انگوروں اور ثمرِ گلاب اور خوشبودار جڑ بوٹیوں اور ثمرِ صنوبر کا انبار لگ گیا۔ اور اس کے پاس دو بھیڑ کے بچے پڑے تھے جن کو عقاب ان کے چرواہوں سے بہ مشکل چھین کر لایا تھا۔

بالآخر ایک ہفتے کے بعد زرُدشت اپنے بچھونے پر اُٹھ کر بیٹھ گیا اور ایک ثمرِ گلاب کو اپنے ہاتھ میں اُٹھا لیا اور اس کو سونگھنے لگا اور اس کی خوشبو اسے بھلی معلوم ہوئی۔ اب اس کے جانوروں کو یقین آگیا کہ اس سے گفتگو کرنے کا وقت آگیا ہی۔

انھوں نے کہا: ای زرُدشت، تجھے اس طرح پڑے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا، بھاری آنکھوں کے ساتھ۔ کیا تو اب پھر اپنے پانو... پر کھڑا ہونا نہیں چاہتا؟

باہر نکل اپنے غار سے! دنیا مثل ایک باغ کے تیرا انتظار کر رہی ہی۔ ہوا بھاری

خوشبوؤں سے جو تیرے پاس آنا چاہتی ہیں کھیل رہی ہو۔ اور ساری نہریں تیرے پیچھے دوڑنا چاہتی ہیں۔

تمام چیزیں تیری مشتاق ہیں کیوں کہ تو ایک ہفتے تک اکیلا رہا ہو۔ باہر نکل اپنے غار سے! تمام چیزیں تیری طبیب بنا چاہتی ہیں۔

غالباً کوئی معرفت تجھے حاصل ہوئی ہو، ترش اور وزنی معرفت؟ ترش خمیر کی طرح تو پڑا ہؤا تھا۔ تیری روح کا خمیرا ٹھا اور وہ پھول کر اپنے کناروں سے ابھر آئی۔"

زرتُشت نے جواب دیا: ای میرے جانورو، اسی طرح باتیں کیے جاؤ اور مجھے سُننے دو! تمھارا باتیں کرنا مجھے کسی قدر بھلا معلوم ہوتا ہو! جہاں باتیں ہوتی ہیں وہاں دنیا مجھے مثل ایک باغ کے معلوم ہوتی ہو۔

الفاظ اور آوازوں کا ہونا کیسی پیاری بات ہو! کیا الفاظ اور آوازیں دائمی جُدا چیزوں کے لیے قوس قزح اور ظاہری پُل کا کام نہیں دیتیں؟

ہر رُوح کی الگ دنیا ہو۔ ہر روح کے لیے ہر دوسری روح پچھواڑے والی دنیا ہو۔ ظاہری حالت بہترین خوب صورتی کے ساتھ خاص کر ان چیزوں کے ساتھ دروغ گوئی کرتی ہو جو آپس میں سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔ کیوں کہ سب سے تنگ نالے پر پُل ڈالنا سب سے مشکل کام ہو۔

میرے لیے مجھ سے خارج کا وجود کس طرح ہو سکتا ہو؟ خارج کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ لیکن یہ بات ہم تمام آوازوں کے متعلق فراموش کر دیتے ہیں۔ یہ کیسی پیاری بات ہو کہ ہم فراموش کر دیتے ہیں!

کیا چیزوں کو نام اور آوازیں اس لیے عطا نہیں ہوئی ہیں کہ انسان کو اس سے مسرت حاصل ہو؟ باتیں کرنا ایک خوب صورت حماقت ہو۔ اس کے ساتھ انسان ہر چیز پر رقص کرتا ہو۔

تمام تقریروں اور آوازوں کی ساری دروغ گوئیاں کیسی پیاری ہیں! آوازوں کے ساتھ ہماری محبت رنگ برنگ قوس قزح پر رقص کرتی ہے۔

یہ سن کر جانوروں نے کہا: "اے زرتشت، جو لوگ ہمارے ہم خیال ہیں ان کے لیے تمام چیزیں خود رقص کرتی ہیں؛ وہ آتی ہیں اور مصافحہ کرتی ہیں اور ہنستی ہیں اور چلی جاتی ہیں، اور پھر لوٹ کر آتی ہیں۔

ہر چیز جاتی ہے، ہر چیز واپس آتی ہے۔ کائنات کا پہیا ہمیشہ گھومتا رہتا ہے۔ ہر چیز مرجاتی ہے، ہر چیز پھر زندہ ہوجاتی ہے۔ کائنات کا سال ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

ہر چیز ٹوٹ جاتی ہے، ہر چیز پھر دوبارہ جُڑ جاتی ہے۔ کائنات کا ایک ہی مکان ہمیشہ زیرِ تعمیر رہتا ہے۔ ہر چیز رخصت ہوتی ہے، ہر چیز پھر آکر سلام کرتی ہے۔ کائنات کا دائرہ ہمیشہ اپنے نام کی تبیح کرتا ہے۔

ہر لمحہ کائنات کی ابتدا ہوتی ہے۔ ہر یہاں کے گرد وہاں کا پہیا گھومتا ہے۔ وسط ہر جگہ ہے۔ ہمیشگی کا راستا ٹیڑھا ہے"۔

زرتشت دوبارہ مسکرایا اور کہنے لگا: "اے مسخرو اور گھم چکّرو! تمھیں کس قدر ٹھیک ٹھیک معلوم ہے کہ ان سات دنوں میں کون کون سی چیزوں کی تکمیل ہوئی، اور کس طرح سے وہ اژدہا میرے گلے میں گُھسا اور اس نے میرا گلا گھونٹا! لیکن میں نے اس کا سر کاٹ ڈالا اور اپنے سے دُور تھوک کر پھینک دیا۔

اور تم: تم نے اس کا ایک گیت بنا لیا ہے؟ مگر میں اس کاٹنے اور تھوک دینے کی وجہ سے تھکا ہوا پڑا ہوں اور خود اپنی نجات کی وجہ سے بیمار۔

اور تم یہ سب دیکھ رہے تھے؟ اے میرے جانورو، کیا تم بھی سنگ دل ہو؟ کیا تم میری بڑی تکلیف کو دیکھنا چاہتے ہو جس طرح کہ انسان دیکھتے ہیں؟ انسان تو سب سے زیادہ سنگ دل جانور ہے۔

دنیا میں اب تک اس کا جی غمگین نقلوں اور سانڈوں کی لڑائیوں اور سولیوں پر چڑھانے میں سب سے زیادہ لگتا ہے۔ اور جب اس نے دوزخ کی ایجاد کی تو دنیا میں بس یہی اس کے لیے جنت تھی۔

اور جب بڑا آدمی پکارتا ہے تو چھوٹا آدمی فوراً دوڑ کر وہاں پہنچ جاتا ہے اور اس کی زبان مارے خوشی کے لٹک پڑتی ہے۔ اور اس کا نام اس نے اپنی "ہمدردی" رکھ چھوڑا ہے۔

چھوٹا آدمی بالخصوص شاعر: کس جوش و خروش سے وہ زندگی کی شکایت الفاظ میں کرتا ہے! اس کی باتیں سنو! مگر، میری قسم، اس مسرت کو نظر انداز نہ کرو جو تمام شکایتوں میں پائی جاتی ہے!

اس قسم کے شاکیانِ زندگی: زندگی ان سے ایک لمحے میں پار ہو جاتی ہے۔ وہ شوخ کہتی ہے: "تو مجھ سے محبت کرتا ہے؟ ذرا ٹھیر جا! ابھی میرے پاس تیرے لیے وقت نہیں ہے۔"

انسان خود اپنے لیے سب سے زیادہ سنگ دل جانور ہے۔ اور ان تمام لوگوں میں جو اپنے آپ کو "گنہگار" اور "صلیب بردار" اور "تائبین" کہتے ہیں اس شہوتِ نفسانی کو نظر انداز نہ کرو جو ان کے تمام شکوے شکایتوں میں پائی جاتی ہے!

اور میں خود: کیا اس وجہ سے میری یہ خواہش ہے کہ میں انسان کا شاکی بنوں؟ ارے میرے جانورو! میں نے اب تک محض یہ سیکھا ہے کہ انسان کے لیے اپنی بہترین چیز کی خاطر اپنی بدترین چیز ضروری ہے،

اور یہ کہ بدترین سے بدترین چیز اس کی بہترین قوت ہے اور اعلیٰ ترین خلق کرنے والے کے لیے اس کا سخت ترین پتھر، اور یہ کہ انسان کو بہتر اور بدتر ہونا چاہیے۔

میں اس تختۂ صلیب پر جکڑا ہوا نہیں تھا جب مجھے اس بات کا علم ہوا:۔ انسان بد ہے۔ بلکہ میں اس روز سے چلّایا تھا کہ کوئی اور نہ چلّایا ہوگا:

افسوس کہ اس کی بدترین چیز بھی چھوٹی ہو! افسوس کہ اس کی بہترین چیز بھی چھوٹی ہو!"

انسان سے بڑی نفرت کرنا: اس نے میرا گلا گھونٹ دیا تھا اور وہ میری زخمی میں گھس گئی تھی اور پیشین گو کی اس پیشین گوئی نے میرا گلا گھونٹ دیا تھا: "ہر چیز یکساں ہے۔ ہر چیز لاحاصل ہے۔ علم گلا گھونٹ دیتا ہے۔"

ایک طویل شفق میرے سامنے لنگڑاتی ہوئی چلی آرہی تھی، ایک مہلک تھکی ہوئی اور مہلک مخمور غمگینی جو جمائیاں لے لے کر باتیں کرتی تھی۔

"وہ ہمیشہ پھر پھر کر واپس آتا ہے، وہ انسان جس سے تو عاجز آگیا ہے، چھوٹا انسان": اس طرح سے میری غمگینی جمائیاں لے لے کر کہتی تھی اور لنگڑاتی تھی اور سونے سے عاجز تھی۔

انسانی زمین میرے لیے ایک گڑھا ہو کر رہ گئی تھی، اس کا سینہ پچک کر رہ گیا تھا۔ ہر زندہ چیز میرے لیے انسانی غلاظت تھی اور ہڈیاں اور کرم خوردہ ماضی۔

میری آہ تمام انسانی قبروں پر بیٹھی اور بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ میرا آہِ سرد کھینچنا اور سوالات کرنا دن رات مینڈک کی بولی بولتا تھا اور گلا گھونٹتا تھا اور کترتا تھا اور شکایت کرتا تھا:

"افسوس، انسان ہمیشہ لوٹ لوٹ کر آتا رہتا ہے۔ چھوٹا انسان ہمیشہ لوٹ لوٹ کر آتا رہتا ہے۔"

ایک بار میں نے دونوں کو برہنہ دیکھا، سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے انسان کو۔ دونوں باہم بے حد مشابہ تھے۔ میں نے سب سے انسان کو بھی بے حد انسان نما پایا۔

سب سے بڑا انسان بھی بے حد چھوٹا تھا۔ یہ وجہ تھی میری نفرت کی انسان

سے۔اور نیز چھوٹے سے چھوٹے انسان کی دائمی واپسی: یہ وجہ تھی میری نفرت کی انسان سے۔

افسوس، گھن! گھن! گھن!: یہ کہا زردُشت نے اور ایک آہِ سرد کھینچی اور کانپ اٹھا۔کیوں کہ اسے اپنی بیماری یاد آگئی۔اس وقت اس کے جانوروں نے اسے اور زیادہ بولنے سے روک دیا۔

"ای روبصحت بیمار، زیادہ مت بول" یہ جواب اس کے جانوروں نے اسے دیا، "بلکہ باہر نکل جہاں دنیا مثل ایک باغ کے تیری راہ دیکھ رہی ہی!
باہر جا گلابوں اور شہد کی مکھیوں اور کبوتروں کے جھنڈ کے پاس! مگر بالخصوص گانے والی چڑیوں کے پاس تاکہ تو اُن کو گانا بھلا دے!
گانا تو رُوبصحت انسانوں کے لیے ہی۔تندرست لوگ باتیں کرتے ہیں۔اور اگر تندرست آدمی کو گیت کی خواہش ہو بھی تو اسے ان گیتوں کی خواہش نہ ہوگی جن کی روبصحت بیماروں کو ہوتی ہی۔"

زردُشت اپنے جانوروں پر مسکرایا اور کہنے لگا: "ای مسخرو اور گھُم چکرّو، چُپ بھی رہو! تمھیں کس قدر ٹھیک ٹھیک معلوم ہی کہ ان سات دنوں میں میں نے کون سے اطمینانِ قلب کی ایجاد کی ہی!

اس اطمینانِ قلب کی ایجاد کی ہی کہ مجھے پھر گانا چاہیے اور اس افاقہ مرض کی۔ کیا تم پھر اس کا گیت بنا ڈالوگے؟

اس کے جانوروں نے دوبارہ جواب دیا: "اور زیادہ مت بول! اس سے تو یہ بہتر ہی، ای روبصحت، کہ تو ایک باجا بنا، ایک نیا باجا!

کیوں کہ دیکھ تو سہی، ای زردُشت! تیرے نئے گیتوں کے لیے نئے باجوں کی ضرورت ہی۔

گا اور اُبل، ای زردُشت! نئے نئے گیتوں سے اپنی روح کا علاج کر، تاکہ تو
اپنی اس بڑی قسمت کا بوجھ اٹھا سکے جو اب تک کسی آدمی کو نصیب نہیں ہوئی!
کیوں کہ تیرے جانور اس کو اچھی طرح جانتے ہیں، ای زردُشت، کہ تو کون ہو اور
کیا ہو کر رہے گا۔ دیکھ، تو معلّم ہو تناسخِ مسلسل کا۔ بس یہ ہی تیرا مقدر ہو!
چوں کہ تو پہلا شخص ہو جو یہ تعلیم دیتا ہو لہٰذا یہ کیوں کر ہو سکتا ہو کہ یہ بڑا مقدر تیرا
بزرگ ترین خطرہ اور مرض نہ ہو!
دیکھ، ہم جانتے ہیں کہ تو کیا تعلیم دیتا ہو۔ یہ کہ تمام چیزیں ہمیشہ آتی جاتی رہیں گی
اوران کے ساتھ ہم بھی۔ اور یہ کہ ہم لاانتہا بار یہاں آچکے ہیں اور ہمارے ساتھ باقی
سب چیزیں بھی۔
تو تعلیم دیتا ہو کہ کائنات کا ایک بہت بڑا سال ہو، ایک عظیم الشان سال جو کہ
ریت گھڑی کی طرح ہمیشہ گھومتا رہتا ہو تاکہ وہ از سرِ نو خالی ہوتا اور ختم ہوتا رہے،
تاکہ یہ سال بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیزوں میں ایک دوسرے کے
برابر رہیں، تاکہ ہر بڑے سال کے اندر ہم خود بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیزوں
میں باہم برابر رہیں۔
اور اگر اب تو مر بھی جائے، ای زردُشت، تو دیکھ کہ ہم کو یہ بھی معلوم ہو کہ
تو اس وقت اپنے آپ سے کس طرح باتیں کرے گا۔ مگر تیرے جانوروں کی تجھ سے
یہ التجا ہو کہ ابھی نہ مر!
تو باتیں کرے گا اور بغیر کانپنے کے باتیں کرے گا بلکہ جوشِ مسرت میں آکر تقریر
کرے گا۔ کیوں کہ ایک بڑا بوجھ اور حبس تجھ سے دُور کر دیا گیا ہو، ای سب سے زیادہ
صبر کرنے والے!
تو کہ سکتا ہو: "اب میں مرتا ہوں اور ناپید ہوتا ہوں اور ایک لمحے میں ہیچ

ہو جاؤں گا۔ جسموں کی طرح روحیں بھی فانی ہیں۔ لیکن جن اسباب سے میں جکڑا ہوا ہوں ان کی گانٹھ دوبارہ واپس آئے گی اور وہ مجھے پھر پیدا کرے گی۔ میں خود تناسخِ مسلسل کے اسباب کا ایک جزو ہوں۔

میں دوبارہ آؤں گا اسی سورج کے ساتھ اسی زمین کے ساتھ اسی عقاب کے ساتھ اسی سانپ کے ساتھ، نہ وہ نئی زندگی ہوگی نہ بہتر زندگی نہ ایسی ہی زندگی۔

میں ہمیشہ ہمیشہ واپس آتا رہوں گا اسی زندگی کے ساتھ جس میں بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی باتیں یکساں رہیں گی تاکہ میں پھر تمام چیزوں کے تناسخ کی تعلیم دوں،

تاکہ میں دوبارہ زمین اور انسان کے عظیم نصف النہار کے متعلق باتیں کروں، تاکہ میں دوبارہ انسان کو فوق البشر کی خوش خبری دوں۔

میں اپنی بات کہہ چکا۔ میں اپنی بات کہہ کر ختم ہو رہا ہوں۔ یہ اقتضا ہے میرے دائمی مقدر کا۔ میں خوش خبری دیتا ہوا ختم ہو رہا ہوں۔

اب وہ گھڑی آگئی ہے کہ ختم ہونے والا خود اپنے لیے دعائے خیر کرے۔ یوں زرُدشت کا تنزّل ختم ہوتا ہے۔"

جب جانور یہ باتیں کہہ چکے تو چپ ہو گئے اور اس بات کی راہ دیکھنے لگے کہ زرُدشت کچھ کہے۔ مگر زرُدشت کو ان کی خاموشی سُنائی نہ دی۔ بلکہ وہ آنکھیں بند کیے ہوئے مثل ایک خوابیدہ شخص کے خاموش پڑا ہوا تھا، اگرچہ ابھی تک اس کو نیند نہ آئی تھی کیوں کہ وہ اپنی روح سے باتیں کر رہا تھا۔ لیکن جب سانپ اور عقاب نے اسے اس درجہ خاموش پایا تو وہ اس کے گرد کی بڑی خاموشی کو عزّت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور چپکے سے چلتے ہوئے۔

بڑا اشتیاق

اے میری روح، میں نے تجھے سکھایا تھا کہ تو "آج" اس طرح کہہ جس طرح کہ "ایک بار"

اور "ایک روز" کہتی ہو اور ہر یہاں اور وہاں اور اُدھر سے رقص کرتی ہوئی نکل جا!

ای میری روح، میں نے تجھے تمام کونے آنتروں سے نجات دے دی تھی۔ میں نے تجھے گرد و غبار اور جالوں اور دھندلکے سے جھاڑ پونچھ کر صاف کیا تھا۔

ای میری روح، میں نے جھوٹی حیا اور جھوٹی نیکی سے تجھے دھوکر پاک کیا تھا اور تجھے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ تو سورج کی آنکھوں کے سامنے برہنہ کھڑی ہو۔

میں نے تیرے موجزن سمندر کے اوپر وہ آندھی چلائی تھی جس کا نام "جان" ہے۔ تمام بادلوں کو میں نے وہاں سے اڑا دیا تھا۔ میں نے خود اس گلا گھونٹنے والی کا جس کا نام "گناہ" ہو گلا گھونٹ دیا تھا۔

ای میری روح، میں نے تجھے اس بات کا حق دیا تھا کہ تو 'نہ' کہے مثل طوفان کے اور 'ہاں' کہے جس طرح کہ صاف آسمان ہاں کہتا ہو۔ تو روشنی کی طرح خاموش کھڑی ہو اور 'نہ' کہنے والے طوفان میں سے ہو کر گزرتی ہو۔

ای میری روح، میں نے تجھے مخلوقات اور غیر مخلوقات پر پھر آزادی دی ہو۔ اور تیری طرح اور کون مستقبل شخص کے جذبات سے خبردار ہو؟

ای میری روح، میں نے تجھے وہ حقارت سکھائی تھی جو کیڑے کی طرح کھانے نہیں آتی بلکہ وہ بڑی اور محبت آمیز حقارت جو کہ اس وقت سب سے زیادہ محبت کرتی ہو جب کہ وہ سب سے زیادہ حقارت کرتی ہو۔

ای میری روح، میں نے تجھے اس طرح پُھسلانا سکھایا تھا کہ تو خود اسباب کو اپنی طرف پھُسلائے مثل سورج کے جو سمندر کو بھی پُھسلا کر یہ سمجھا لیتا ہو کہ وہ اس کا قعر ہو۔

ای میری روح، میں نے تجھ سے ساری فرماں برداری اور زانو خم کرنا اور جی حضور کہنا دور کر دیا ہو۔ میں نے تجھے خود یہ نام دیا ہو: "مشکل کشا" اور "مقدّر"۔

ای میری روح، میں نے تجھے نئے نئے نام اور رنگ برنگ کھلونے دیے

ہیں۔ میں تجھے ان ناموں سے پکارتا ہوں: "مقدّر" اور "زیادتیوں کی زیادتی" اور "زمانے کا رودہِ ناف" اور "گنبدِ نیلگوں"۔

ای میری روح، میں نے تیری دنیاوی حکومت کو ساری دانشمندی گھول کر پلادی ہی، ساری نئی شرابیں اور نیز دانشمندی کی ساری بے حد کہنہ اور تیز شرابیں۔

ای میری روح، میں نے ہر سورج اور ہر رات اور ہر خاموشی اور ہر اشتیاق سے تجھے سینچا ہی۔ تب تو انگور کی بیل کی طرح بڑھی ہی۔

ای میری روح، تو اب لدی ہوئی اور بوجھ سے دبی ہوئی کھڑی ہی، انگور کی بیل گدرائے ہوئے تھنوں اور خوشہ در خوشہ بادامی سنہرے رنگ کے انگوروں کے ساتھ۔

خوشہ در خوشہ اور لدے ہوئے تیری خوش وقتی سے، بہتات کی منتظر اور باایں ہمہ اپنے انتظار کی وجہ سے آنکھیں نیچی کیے ہوئے۔

ای میری روح، اب کہیں کوئی اور روح نہیں ہی جو تجھ سے زیادہ محبّت کرنے والی اور سمجھ دار اور وسیع ہو! تجھ سے زیادہ مستقبل اور ماضی اور کس کے پاس باہم قریب تر ہیں؟

ای میری روح، میں نے تجھے سب کچھ دے رکھا ہی اور تیری وجہ سے میرے ہاتھ خالی ہو گئے ہیں۔ اور اب! اب تو مسکرا کر اور غم زدہ ہو کر مجھ سے کہتی ہی: "ہم دونوں میں سے کسے شکر گزار ہونا چاہیے"۔

کیا دینے والے کو شکر گزار نہ ہونا چاہیے کہ لینے والے نے لیا؟ کیا بخشش کرنا اقتضائے ضرورت نہیں ہی؟ کیا لینا مہربانی کرنا نہیں ہی؟

ای میری روح، میں تیری غم زدگی کی مسکراہٹ کو سمجھتا ہوں۔ خود تیری لامتناہی امارت اپنے مشتاق ہاتھ پھیلا رہی ہی۔

تیری افراط متلاطم سمندر کے اوپر اپنی نگاہیں دوڑا رہی ہو اور ڈھونڈ رہی ہو اور انتظار کر رہی ہو۔ لا متناہی افراط تیری آنکھوں کے متبسم آسمان سے نظر آ رہی ہو۔

اور واقعی، ای میری روح! وہ کون ہو جو تیرا تبسم دیکھے اور اس کے آنسو بہنے نہ لگیں؟ تیری مسکراہٹ کی افراطِ شفقت سے خود فرشتے آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔

تیری شفقت اور افراط شفقت ہی تو ہو جو نہ کبھی شاکی ہوتی ہو اور نہ آنسو بہاتی ہو۔ لیکن با ایں ہمہ، ای میری روح، تیرا تبسم آنسوؤں کا مشتاق ہو اور تیرا کانپتا ہوا مُنہ ہچکیاں لینے کا۔

"کیا رونا شکایت نہیں ہو؟ اور کیا شکایت الزام نہیں ہو؟" : یوُں تو اپنے آپ سے گفتگو کرتی ہو۔ اور اسی لیے تو، ای میری روح، اپنا رونا رونے پر تبسم کو ترجیح دیتی ہو،

اس کو ترجیح دیتی ہو کہ تیری تمام تکالیف آنسوؤں کے ذریعے پھوٹ نکلیں اپنی افراط پر، اور انگور کی بیل کی اس تمنا پر جو اس کو خوشہ چیں اور خوشہ چیں کے چاقو کی ہوتی ہو۔

لیکن اگر تو رونا نہیں چاہتی اور اپنی تیز رنگ غم زدگی رو ڈالنا نہیں چاہتی تو تجھے گانا چاہیے، اور میری روح! دیکھ، میں جو تجھ سے اس کی پیشین گوئی کرتا ہوں خود مسکرا رہا ہوں،

گانا پڑے گا بڑے زور شور سے یہاں تک کہ تمام سمندر خاموش ہو جائیں تاکہ وہ تیرے اشتیاق کو کان دھر کر سنیں،

یہاں تک کہ خاموش مشتاق سمندروں پر کشتی چلنے لگے یعنی وہ سنہرا اچنبھا جس کے سونے کی خاطر تمام اچھی بری اور نادر چیزیں پھُدکنے لگتی ہیں، نیز بہت سے چھوٹے اور بڑے جانور اور وہ تمام چیزیں جن کی ٹانگیں انتی

ٹک اور آن بان کی ہیں کہ وہ نیلی بنفشئی پگ ڈنڈیوں پر چل سکیں،
سنہرے اچنبھے کی طرف یعنی آزاد رفتار کشتی اور اس کے مالک کی طرف اور یہی تو خوشہ چین ہی جو خوشہ چیں ہیرے کا چاقو لیے ہوئے انتظار کر رہا ہی۔

ای میری روح، یہ تیرا بڑا گمنام نجات دہندہ ہی جس کو مستقبل کے گیت جا کر کہیں نام دیں گے۔ اور واقعی، تیری سانس میں ابھی سے مستقبل کے گیت کی خوشبو آرہی ہی۔

تو ابھی سے دمکنے لگی ہو اور خواب دیکھنے لگی ہی۔ تو ابھی سے تمام تسلی کے گہرے اور جھنکار مارنے والے کنوؤں سے پانی پی کر پیاسی ہو گئی ہی۔ ابھی سے تیری غم زدگی کا دار و مدار مستقبل کے گیتوں کی مسرت پر ہی۔

ای میری روح، اب میں تجھے سب کچھ دے چکا حتّٰی کہ آخری چیز بھی۔ اور میرے تمام ہاتھ تیری وجہ سے خالی ہو گئے ہیں۔ یہ کہ میں نے تجھے گانے کے لیے کہا، دیکھ، یہ میری آخری چیز تھی،

یہ کہ میں نے تجھے گانے کے لیے کہا، بول تو سہی: ہم دونوں میں سے اب کس کو شکر گزار ہونا چاہیے؟ بہتر ہی کہ یوں کہا جائے: گا میرے آگے، گا، ای میری رُوح اور مجھے شکر گزار ہونے دے!

یہ تھیں باتیں زردشت کی۔

دُوسرا سرودِ رقص

ابھی تھوڑے دنوں کا ذکر ہی کہ میں نے تیری آنکھوں میں آنکھیں ڈالی تھیں، ای زندگانی، اور میں نے دیکھا تھا کہ تیری اندھیری آنکھوں میں سونا چمک رہا ہی میرا دل مارے خوشی کے رُک گیا۔

میں نے تاریک پانی پر ایک سونے کے بجرے کو چمکتے دمکتے دیکھا، ایک ایسے سنہرے
جھولتے ہوئے بجرے کو جو ڈوبتا جاتا پانی پیتا جاتا اور پھر ابھرتا جاتا تھا۔

تو نے میرے پانو کی طرف جو محوِ رقص تھے ایک نظر ڈالی، ایک ایسی جھولتی
ہوئی نظر جو خنداں، پرسانِ حال اور دل گداز تھی۔

فقط دوبارہ تو نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے مجیروں کو جنبش دی اور فوراً
میرے پانو جذبۂ رقص سے جھولنے لگے،

میری ایڑیاں کھڑی ہوگئیں۔ میرے پانو کی انگلیاں کان دھر کر سننے لگیں تاکہ
تیری بات سمجھیں۔ یہ سچ ہے کہ ناچنے والوں کے کان پانو کی انگلیوں میں ہوتے ہیں۔

میں پھلانگ مار کر تیری طرف گیا اور تو میری پھلانگ سے بھاگ کر پیچھے ہٹ
گئی اور تیرے بھاگتے ہوئے اور لہراتے ہوئے بالوں کی زبان مجھ سے اٹکھیلیاں
کرنے لگی۔

میں تجھ سے اور تیرے سانپوں سے پھلانگ مار کر ہٹ گیا۔ تب تو کھڑی کی
کھڑی رہ گئی، آدھا ادھر رخ کیے ہوئے اور آنکھیں اشتیاق سے بھری ہوئی۔

ترچھی نظروں سے تو نے مجھے ترچھی راہیں سکھائی ہیں۔ ترچھی راہوں کی وجہ سے
میرے پانو نے بدراہی سیکھی ہے۔ میں نزدیک سے تجھ سے ڈرتا ہوں۔ میں دور سے
تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ تیرا دور بھاگنا مجھے بھلا معلوم ہوتا ہے۔ تیرا تلاش کرنا مجھے ستاتا
ہے۔ میں تکلیف برداشت کرتا ہوں لیکن میں نے تیرے لیے کون سی تکلیف برداشت
نہیں کی!

تیرے لیے جس کی سرد مہری آگ لگاتی ہے، جس کی نفرت بہکاتی ہے، جس کا
دور بھاگنا گلے لگاتا ہے، جس کی طعنہ زنی دل سے لگتی ہے۔

تجھ سے کس کو نفرت نہیں، اے عظیم الشان گلے لگانے والی، لپٹنے والی،

امتحان لینے والی، تلاش کرنے والی پانے والی، تجھ کو کس سے محبت نہیں، اے معصوم، بے صبر، آندھی کی طرح تیز، بچّوں کی سی آنکھوں والی گنہگار!

تو مجھے کہاں کھینچے لیے جاتی ہے، تو شریر، شوخ؟ اور تو پھر مجھ سے بھاگ رہی ہے، اے شیریں وحشی اور ناشکر گزار!

میں رقص کرتا ہوا تیرے پیچھے پیچھے لگا ہوا ہوں۔ میں تیرے موہوم نقشِ پا کے قدم بقدم چل رہا ہوں۔ تو کہاں ہے؟ مجھے ہاتھ دے! یا محض ایک اُنگلی!

یہاں غار ہیں اور جھاڑیاں۔ ہم راستا بھول جائیں گے۔ ٹھیر! رُک جا! کیا تو اُلوؤں اور چمگادڑوں کو سَن سَن اُڑتے ہوئے نہیں دیکھتی؟

اے اُلّو! اے چمگادڑ! تو مجھ سے چالبازی کرتی ہے؟ ہم کہاں ہیں؟ یہ بھونکنا اور چلّانا تو نے کتّوں سے سیکھا ہے۔

تو سفید سفید چھوٹے چھوٹے دانتوں کے ساتھ پیار سے میرا مُنہ چڑاتی ہے تیری شوخ آنکھیں گھونگر والے ایال میں سے میرے اوپر لپک کر دوڑتی ہیں۔

یہ لکڑیوں اور پتھروں کے اوپر والا ناچ ہے۔ میں ایک شکاری ہوں۔ تو میرا کتّا بننا چاہتی ہے یا بُزِ کوہی؟

اب میرے پاس آ! اور جلد آ، اے شریر کودنے والی۔ اب اوپر چل! اور آگے چل! لے کودکر میں خود گر پڑا!

دیکھ مجھے پڑا ہوا، اے بیباک، اور منّتیں کرتا ہوا! میں تیرے ساتھ بخوشی زیادہ پیارے راستوں پر چلنا چاہتا ہوں،

محبت کے راستوں پر، خاموش رنگ برنگ جھاڑیوں میں سے ہوکر، یا وہاں سمندر کے کنارے کنارے۔ وہاں سنہری مچھلیاں تیرتی اور ناچتی ہیں۔

تو اب تھک گئی ہے؟ وہ سامنے بھیڑیں اور شفقیں ہیں۔ جب چرواہے بانسری

بجا رہے ہوں اس وقت سونا کیا بھلا معلوم ہوتا ہی!
تو بے حد تھک گئی ہی؟ میں تجھے گود میں اٹھا کر لے جاؤں گا۔ اپنی باہیں ڈھیلی کر! اور اگر تجھے پیاس لگی تو میرے پاس اس کے لیے ایک چیز ہی۔ لیکن تیرا مُنہ اسے نہیں پیے گا۔
ارے یہ ملعون پھُرتیلا سُبک رو سانپ اور دبکنے والی چڑیل! تو کدھر چلدی؟
مگر مجھے اپنے منہ پر تیرے ہاتھ کے دو داغ اور لال دھبے محسوس ہوتے ہیں۔
میں واقعی تیرا بھیڑ چال چروا ہا بننے سے تنگ آگیا ہوں۔ اری چڑیل، اب تک میں تیرے آگے گیت گایا کرتا تھا۔ اب تو میرے آگے شور مچا!
میری چابک کی تال پر تجھے ناچنا اور شور مچانا ہوگا! کہیں میں چابک بھول تو نہیں آیا؟ نہیں"

(۲)

تب زندگانی نے مجھے یہ جواب دیا اور جواب دیتے وقت اپنے ننھے ننھے کان بند کر لیے:
"اری زرتُشت، براہِ مہربانی اپنی چابک کو یوں چٹ چٹ نہ چلا! تجھے تو معلوم ہی کہ شور سے خیالات مر جاتے ہیں۔ اور ابھی ابھی میرے دماغ میں کیسے کیسے نازک خیالات آ رہے تھے!
ہم دونوں نہ نکوکار ہیں نہ بدکار۔ ہمیں اپنا جزیرہ اور سبزہ زار نیک و بد کے پار ملا ہی، ہم دو اکیلوں کو۔ اس لیے ہمیں باہم مل جل کر رہنا چاہیے!
اور دل سے ہم ایک دوسرے کو چاہتے بھی نہیں۔ اگر باہم دلی محبت نہ ہو تو کیا نفرت ہونی چاہیے؟
اور تجھے معلوم ہی کہ مجھے تجھ سے اُنس ہی اور بعض مرتبہ بے حد اُنس۔ اور اس

کی وجہ یہ ہے کہ میں تیری دانشمندی پر رشک کھاتا ہوں۔ آہ، یہ پاگل بوڑھی دیوانی دانشمندی!
اگر کبھی تیری دانشمندی تجھ سے چلتی بنے تو، آہ، میری محبت بھی فوراً چلتی بنے گی۔"

اس پر زندگانی متفکر ہو کر اپنے پیچھے اور اپنے آس پاس دیکھنے لگی اور اس نے آہستہ سے کہا: "زرتُشت، تو میرے ساتھ کافی وفاداری نہیں کرتا۔ جتنی تو باتیں بناتا ہے اتنا تیرا پیار ایک زمانے سے میرے ساتھ نہیں رہا۔ میں جانتی ہوں کہ تو اس سوچ میں ہے کہ مجھے جلد چھوڑ دے۔
ایک پُرانا بےحد وزنی بُم بُم کرنے والا ناقوس ہے۔ اس کی آواز رات کو تیرے غار تک پہنچتی ہے۔
جب یہ ناقوس آدھی رات کا گھنٹا بجائے تو ایک اور بارہ کے درمیان تو اس بات کا خیال کر یو،
اس بات کا، اے زرتُشت میں اسے جانتی ہوں، کہ تو مجھے جلد چھوڑنے والا ہے۔"
میں نے پس وپیش کرتے ہوئے جواب دیا: "ہاں، لیکن تو بھی تو جانتی ہے۔" اور میں نے اس کے کان میں کہا، اس کی بکھری ہوئی زرد احمق بالوں کی لٹوں کے درمیان:
"کیا، اے زرتُشت تو جانتا ہے؟۔ یہ کوئی نہیں جانتا۔"
اور ہم ایک دوسرے کو دیکھنے اور اپنی نظریں سرسبز چراگاہ پر دوڑانے لگے جس کے اوپر ابھی ابھی ٹھنڈی شام دوڑ کر آئی تھی۔ اور ہم باہم رونے لگے اس وقت میری زندگانی مجھے اتنی عزیز معلوم ہوئی جتنی عزیز میری ساری دانشمندی کبھی

نہ معلوم ہوتی تھی۔
یہ تھیں باتیں زرتُشت کی۔

(۳)

ایک!

ارے انساں! زرا ہو جا خبردار!

دو!

یہ آدھی رات کی سُن کیا ہو گفتار؟

تین!

"میں محوِ خواب محوِ خواب ہوں میں"

چار!

"میں گہری نیند سے ہوتا ہوں بیدار"

پانچ!

"جسے کہتے ہیں دنیا ہو وہ گہری"

چھ!

"نہیں کچھ اس کے آگے دن کا ہو قعر"

سات!

"بہت گہرا ہو دیکھو درد اس کا"

آٹھ!

"خوشی ہو اس کے دردِ دل سے زیادہ"

نو!

"یہ کہنا درد کا ہو: دُور رہو جا!"

دس!

"بقا ہی پر مسرّت کی تمنّا"

گیارہ!

"بقا بھی وہ نہ ہو جو ختم اصلا"

بارہ!

سات مُہریں

(یا جی ہاں اور آمین کا راگ)

(۱)

اگر میں پیشین گو ہوں اور اس پیشین گوئی سے پُر جو اونچے جوتے پر بیٹھ کر دو سمندروں کے درمیان گردش کرتی ہو،

مثل بھاری بادل کے ماضی اور مستقبل کے درمیان گردش کرتی ہو، حبس زدہ پست زمینوں کی دشمن ہو اور ان تمام چیزوں کی جو درماندہ ہیں اور جو نہ زندہ رہ سکتی ہیں نہ مر سکتی ہیں،

تاریک سینے میں بجلی کی طرح کوندنے اور نجات دہ روشنی کی شعاع پہنچانے کے لیے آمادہ، ان بجلیوں سے حاملہ جو ہاں کہتی اور ہاں ہنستی ہیں، یعنی پیشین گو بجلی کی شعاعوں سے۔

کیا مبارک ہو وہ جو اس طرح حاملہ ہو! اور واقعی جس کو ایک بار مستقبل کی روشنی جلاتی ہو اس کو ایک مدّت تک سخت طوفان کی طرح دامن کوہ میں لٹیا رہنا چاہیے!

ارے، مجھے اُس وقت کیوں کر ہمیشگی کا آرزومند نہ ہونا چاہیے اور شادی کی

انگوٹھیوں کی انگوٹھی کا، یعنی تناسخ کے حلقے کا؟
ابھی تک مجھے وہ عورت نہیں ملی جس سے مجھے اولاد کی خواہش ہو۔ ہاں اگر ہی تو
وہ یہ عورت ہی جس سے مجھے محبت ہی:
کیوں کہ مجھے تجھ سے، ای ہمیشگی، محبت ہی۔

(۲)

اگر میرے غصے نے کبھی قبروں کو توڑا ہی اور حد بندیوں کو آگے ہٹا دیا ہی اور
پرانی جدولوں کے ٹکڑے ٹکڑے ڈھالو غاروں میں لُڑکائے ہیں،
اگر کبھی میری حقارت نے گندے الفاظ پھینکے ہیں اور میں نے صلیبی مکڑیوں
کے لیے جھاڑو اور پُرانے بدبو دار قبروں کے تہ خانوں کے لیے بادِ صرصر کا کام کیا ہی،
اگر میں اس جگہ خوش خوش بیٹھا ہوں جہاں پرانے خداؤں کا مدفن ہی، دنیا کے
پرانے جھٹلانے والوں کی یادگار کے پاس بیٹھ کر دنیا کو دعائے خیر دیتا ہوا اور دنیا
کو پیار کرتا ہوا،
کیوں کہ گرجوں اور خدائی قبروں سے مجھے اس وقت الفت ہوتی ہی جب
آسمان کی پاک نظریں ان کی ٹوٹی ہوئی چھتوں میں سے ہو کر گزرتی ہیں، مجھے گھاس
اور گلِ لالہ کی طرح شکستہ کلیساؤں پر بیٹھنا بہت مرغوب ہی،
ارے مجھے اس وقت کیوں کر ہمیشگی کا آرزومند نہ ہونا چاہیے اور شادی کی
انگوٹھیوں کی انگوٹھی کا، یعنی تناسخ کے حلقے کا؟
ابھی تک مجھے وہ عورت نہیں ملی جس سے مجھے اولاد کی خواہش ہو۔ ہاں اگر
ہی تو وہ یہ عورت ہی جس سے مجھے محبت ہی: کیوں کہ مجھے تجھ سے، ای ہمیشگی محبت ہی۔
کیوں کہ مجھے تجھ سے، ای ہمیشگی، محبت ہی۔

(۳)

اگر میرے پاس کبھی زرا سی بھی خلق کرنے والی سانس، یا وہ آسمانی ضرورت آئی ہو جو اتفاقات کو بھی اس بات پر مجبور کر دیتی ہو کہ وہ ستاروں کا ناچ ناچے،

اگر میں کبھی خلق کرنے والی بجلی کی وہ ہنسی ہنسا ہوں جس کے بعد عمل کی کڑکڑ گرجتی ہوئی مگر فرماں برداری کے ساتھ آتی ہو۔

اگر میں کبھی خدائی میز یعنی زمین پر خداؤں کے ساتھ پانسے کھیلا ہوں یہاں تک کہ زمین ہلنے لگی ہو اور آگ کے دریا اُبل پڑے ہوں،

کیوں کہ زمین خدائی میز ہو، اور میں تخلیق کے نئے الفاظ اور خدائی پانسوں سے لرز رہا ہوں۔

ارے، مجھے اس وقت کیوں کر ہمیشگی کا آرزومند نہ ہونا چاہیے اور شادی کی انگوٹھیوں کی انگوٹھی کا، یعنی تناسخ کے حلقے کا؟

ابھی تک مجھے وہ عورت نہیں ملی جس سے مجھے اولاد کی خواہش ہو۔ ہاں اگر ہو تو وہ یہ عورت ہو جس سے مجھے محبت ہو: کیوں کہ مجھے تجھ سے، اے ہمیشگی، محبت ہو۔

کیوں کہ مجھے تجھ سے، اے ہمیشگی، محبت ہو۔

(۴)

اگر کبھی میں نے جی بھر کر اس جھاگ دار تیز اور مخلوط شراب میں سے پیا ہو جس میں تمام چیزیں بدرجہ احسن مخلوط ہیں،

اگر کبھی میرے ہاتھوں نے دور ترین کو نزدیک ترین میں انڈیلا ہو اور آگ کو روح میں اور مسرت کو رنج والم میں اور بدترین کو نیک ترین میں،

اگر میں خود اس نجات بخش نمک کا ایک ذرہ ہوں جو تمام چیزوں کو کاسۂ مخلوط میں خوب مخلوط ہونے دیتا ہو،

کیوں کہ ایک ایسا نمک ہو جو نیک کو بد کے ساتھ پیوست کرتا ہو۔ اور بدترین

بھی مسالا ملانے کا مستحق ہی اور آخری جھاگ اُٹھانے کا،
ارے، مجھے اس وقت کیوں کر ہمیشگی کا آرزو مند نہ ہونا چاہیے اور شادی کی
انگوٹھیوں کی انگوٹھی کا، یعنی تناسخ کے حلقے کا؟
ابھی تک مجھے وہ عورت نہیں ملی جس سے مجھے اولاد کی خواہش ہو۔ ہاں اگر ہی تو وہ
یہ عورت ہی جس سے مجھے محبت ہی: کیوں کہ مجھے تجھ سے، ای ہمیشگی، محبت ہی۔
کیوں کہ مجھے تجھ سے، ای ہمیشگی، محبت ہی۔

(۵)

اگر مجھے سمندر، اور سمندر کے ہر انداز سے الفت ہو، اور سب سے زیادہ الفت
اس وقت جب کہ وہ غضب ناک ہو کر میری مخالفت کرے،
اگر کبھی مجھ میں وہ مسرتِ طلب ہو جو بادبانوں کو نادریافت شدہ کی طرف
لے جاتی ہی، اگر میری مسرت میں مسرتِ جہازران پائی جائے،
اگر کبھی میری شادمانی نے پکارا ہو: "ساحل غائب ہو گیا، اب آخری کڑی
میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی،
ناپیدا کنار میرے ارد گرد طوفان بپا کر رہا ہی، مجھ سے بہت فاصلے پر مکان
و زمان چمک رہے ہیں۔ اچھّا! شاباش! ای دلِ کہنہ!"
ارے، مجھے اس وقت کیوں کر ہمیشگی کا آرزو مند نہ ہونا چاہیے اور شادی کی
انگوٹھیوں کی انگوٹھی کا، یعنی تناسخ کے حلقے کا؟
ابھی تک مجھے وہ عورت نہیں ملی جس سے مجھے اولاد کی خواہش ہو۔ ہاں اگر ہی
تو وہ یہ عورت ہی جس سے مجھے محبت ہی: کیوں مجھے تجھ سے، ای ہمیشگی، محبت ہی۔
کیوں کہ مجھے تجھ سے، ای ہمیشگی، محبت ہی۔

(۶)

اگر میری نیکی ایک ناچنے والے کی نیکی ہو اور اگر اکثر دونوں پاؤں کے ساتھ میں سونے اور زمرد کی شادمانی میں کود پڑا ہوں،

اگر میری بدی ایک ہنسنے والی بدی ہو جس کا وطن گلاب کی بیلوں اور سوسن کی جھاڑیوں میں ہو،

کیوں کہ ہنسی میں ساری بدیاں یکجا جمع ہو جاتی ہیں لیکن وہ خود اپنی سیاری کی وجہ سے پاک اور نجات یافتہ ہو جاتی ہو،

اور اگر یہی میری ابتدا اور انتہا ہو کہ ہر وزنی ہلکا اور ہر جسم رقاص اور ہر روح پرندہ ہو جائے، اور واقعی یہی میری ابتدا و انتہا ہو!

ارے، مجھے اس وقت کیوں کر ہمیشگی کا آرزومند نہ ہونا چاہیے اور شادی کی انگوٹھیوں کی انگوٹھی کا یعنی تناسخ کے چھلے کا؟

ابھی تک مجھے وہ عورت نہیں ملی جس سے مجھے اولاد کی خواہش ہو۔ ہاں اگر ہو تو وہ یہ عورت ہو جس سے مجھے محبت ہو! کیوں کہ مجھے تجھ سے، اے ہمیشگی، محبت ہو۔

کیوں کہ مجھے تجھ سے، اے ہمیشگی، محبت ہو۔

(۷)

اگر میں نے کبھی خاموش آسمان اپنے اوپر تانے ہوں اور اپنے ہی بال و پر سے اپنے آسمان پر اڑ کر پہنچا ہوں،

اگر میں بازی کرتا ہوا روشنی کے گہرے بعد میں تیرا ہوں اور میری آزادی کی پرندگی دانشمندی میرے پاس آئی ہو،

مگر پرندگی دانشمندی کا یہ مقولہ ہے: "دیکھ، اوپر اور نیچے بے معنی الفاظ ہیں! اپنے آپ کو ادھر اُدھر اور باہر اور پیچھے پھینک، اے کم وزن، گا! زیادہ مت بول!

کیا تمام الفاظ گراں وزنوں کے لیے نہیں بنائے گئے ہیں ؟ کیا تمام الفاظ کم وزنوں
سے جھوٹ نہیں بولتے ؟ گا ! زیادہ مت بول !"
ارے، مجھے اس وقت کیوں کر ہمیشگی کا آرزومند نہ ہونا چاہیے اور شادی کی
انگوٹھیوں کی انگوٹھی کا، یعنی تناسخ کے حلقے کا ؟
ابھی تک مجھے وہ عورت نہیں ملی جس سے مجھے اولاد کی خواہش ہو۔ ہاں اگر ہی
تو وہ یہ عورت ہی جس سے مجھے محبت ہی : کیوں کہ مجھے تجھ سے، ای ہمیشگی محبّت ہی۔
کیوں کہ مجھے تجھ سے، ای ہمیشگی، محبت ہی۔

بقول زرُدشت

چوتھا اور آخری دفتر

آہ، ہمدردوں سے بڑھکر دنیا میں اور
کہاں حماقتیں سرزد ہوئیں؟ اور ہمدردوں
کی حماقتوں سے زیادہ دُنیا میں کس چیز نے
درد پیدا کیے؟

تف ہو محبّت کرنے والوں پر اگر ان کے
پاس ہمدردی سے بڑھکر اور کوئی رفعت نہیں!

شیطان نے ایک بار مجھ سے یہ کہا تھا:
"خُدا کے لیے بھی ایک دوزخ ہو اور وہ اس
کی محبّت ہو بنی نوع انسان کے لیے"

اور ابھی کل کی بات ہو کہ اس نے مجھ
سے کہا تھا: "خدا مر گیا۔ اور اس کے مرنے
کی وجہ انسانوں کے ساتھ ہمدردی ہو"

بقول زرُدشت دفتر دوم

شہد کی قُربانی

اور پھر زردُشت کی رُوح پر مہینے اور سال گزرتے گئے اور اسے اس کی کچھ خبر نہ ہوئی لیکن اس کے بال سفید ہو گئے۔ ایک روز جب کہ وہ اپنے غار کے سامنے ایک چٹان پر بیٹھا ہوا تھا اور چُپ چاپ نگاہیں دُور دُور دوڑا رہا تھا، مگر وہاں تو سمندر ہی سمندر دکھائی دیتا ہی اور اس کے آگے پیچ در پیچ قعر، اس وقت اس کے جانور متفکر ہو کر اُس کے آس پاس پھرنے لگے اور بالآخر اس کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔

انھوں نے کہا: "ای زردشت، تو شاید اپنی خوش وقتی کو ڈھونڈ رہا ہی"؟

اس نے جواب دیا: "خوش وقتی میں کیا دھرا ہی! میں نے مدت ہوئی کہ خوش وقتی سے کنارہ کر لیا۔ میں اپنے کام کے اُدھیڑ بُن میں ہوں"۔ جانوروں نے دوبارہ کہا: "ای زردُشت، یہ تو ایسے شخص کی سی باتیں ہیں جس کے پاس اچھی چیزوں کی افراط ہو۔ کیا تو خوش وقتی کی نیلگوں جھیل میں پڑا ہوا نہیں ہی؟" زردشت نے مسکرا کر جواب دیا: "ای مسخرو، تم نے کیسی اچھی تشبیہ چنی ہی! لیکن تم یہ بھی جانتے ہو کہ میری خوش وقتی مشکل ہی اور سیال موجِ آب کی سی نہیں۔ وہ مجھ پر بوجھل ہو رہی ہی اور میرے پاس سے ہٹنے کا نام نہیں لیتی اور مثل پگھلے ہوئے کولتار کے ہی"۔

تب اس کے جانور دوبارہ متفکر ہو کر اس کے گرد گھومنے لگے اور پھر اس کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: "ای زردُشت، اچھا تو یہ وجہ ہی کہ تو زیادہ پیلا اور زیادہ کالا پڑ گیا ہی۔ اگرچہ تیرے بالوں کو سفید اور سن کی طرح ہونے کا دعویٰ ہی؟ دیکھ تو سہی، تو اپنی مصیبت میں پھنسا ہوا ہی!" زردشت نے ہنس کر جواب دیا: "آخر تم کہ کیا رہے ہو، ای میرے جانورو! واقعی مصیبت کا ذکر کر کے میں نے کفرانِ نعمت کی۔ میرا حال ان میووں کا سا ہی جو پک گئے ہوں۔ اس کی وجہ وہ شہد ہی جو

رگوں میں ہے اور جس کی وجہ سے میرا خون بھی زیادہ گاڑھا ہوگیا ہے اور میری روح بھی زیادہ خاموش"۔ جانور اس کی طرف بڑھے اور کہنے لگے: "بات بھی یہی ہے، اے زردشت! لیکن کیا آج کسی اونچے پہاڑ پر چڑھنے کو تیرا دل نہیں چاہتا؟ ہوا صاف ہے اور دنیا آج ہر روز سے زیادہ دکھائی دیتی ہے"۔ اس نے جواب دیا: "ہاں میرے جانورو، تم نے لگتی ہوئی صلاح دی اور میرے دل کی بات کہی۔ میں آج ایک اونچے پہاڑ پر چڑھنا چاہتا ہوں۔ لیکن اس کا انتظام کرو کہ وہاں میرے لیے شہد مہیا ہو، زرد سفید اچھا اور برف کی طرح تازہ چھتے کا سنہرا شہد۔ کیوں کہ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں وہاں شہد کی قربانی کروں گا"۔

لیکن جب زردُشت بلندی پر پہنچا تو اس نے اپنے جانوروں کو جو اس کے ہمراہ آئے تھے گھر واپس کر دیا۔ اور اس کو معلوم ہُوا کہ اب میں اکیلا ہوں۔ تب وہ دل کھول کر ہنسا اور اپنے گرد و پیش نظر ڈالی اور یوں کہنے لگا:

یہ محض میری تقریر کی چالبازی تھی کہ میں نے قُربانیوں اور بالخصوص شہد کی قربانیوں کا ذکر کیا اور واقعی ایک کارآمد بے وقوفی! یہاں بلندی پر میں زیادہ آزادی کے ساتھ گفتگو کر سکتا ہوں بہ نسبت گوشہ نشینوں کے غاروں اور گوشہ نشینوں کے گھریلو جانوروں کے سامنے کے۔

کس چیز کی قربانی کرنی! جو چیز مجھے عطا ہوئی ہے میں اس کا اسراف کرتا ہوں، میں ہزار ہاتھ کے ساتھ اسراف کرنے والا۔ اس کا نام میں قربانی کیوں کر رکھ سکتا ہوں!

اور میرا شہد کی خواہش رکھنا یہ معنے رکھتا تھا کہ میں چارے اور میٹھے رس دار اور لَس دار چیزوں کا خواہش مند تھا جس سے غرّانے والے ریچھوں اور عجیب و غریب ترش رُو اور ڈراونے پرندوں کی رال ٹپکنے لگتی ہے،

خواہشمند تھا بہترین چارے کا جن کی شکاریوں اور ماہی گیروں کو ضرورت پڑتی ہو۔ کیوں کہ جب ساری دنیا حیوانات کے تاریک جنگل کی طرح ہو اور وحشی جانوروں کے لیے بمنزلۂ گلستان تو وہ مجھے اور بھی زیادہ بہتر بے تھاہ کے متمول سمندر کی طرح معلوم ہوتی ہے،

اس سمندر کی طرح جو رنگ برنگ مچھلیوں اور کیکڑوں سے پُر ہو اور خداؤں کا بھی یہ جی چاہنے لگے کہ اس کے ماہی گیر اور دام انداز بنیں۔ دنیا میں اس قدر چھوٹے اور بڑے عجائب المخلوقات پائے جاتے ہیں!،

بالخصوص انسانی دُنیا، انسانی سمندر میں۔ اسی میں ئیں اپنی سنہری بنسی پھینکتا ہوں اور کہتا ہوں: کُھل جا، اے قعرِ انسانی!

کُھل جا اور میری طرف اپنی مچھلیاں اور چمکدار کیکڑے پھینک! میں اپنے بہترین چارے کے ساتھ آج نہایت عجیب و غریب انسانی مچھلیوں کو پھانسوں گا!

میں خود اپنی خوش وقتی کو دُور دراز جگہوں میں پھینکوں گا جو مشرق نصف النہار اور مغرب کے درمیان واقع ہیں کہ آیا بہت سی انسانی مچھلیاں میری خوش وقتی کو کھینچتی اور تڑپتی ہیں کہ نہیں،

یہاں تک کہ وہ نوک دار پوشیدہ کانٹوں پر مُنہ مار کر میری بلندی پر آنے کے لیے مجبور ہو جائیں قعر کی تھاہ کی رنگ برنگ ترین مچھلیاں تمام انسانی مچھلیوں کے ماہی گیروں میں سے بدترین شخص کے پاس۔

یہی میرا دل چاہتا ہے اور ابتدا سے چاہتا ہے، کھینچتا ہوا، اپنی طرف کھینچتا ہوا، اوپر کی طرف کھینچتا ہوا، تربیت دیتا ہوا، ایک کھینچنے والا، تربیت دینے والا اور اُستاد جس نے ایک بار اپنے آپ سے کہا تھا اور عبث نہیں کہا تھا:

"ہو جا وہ جو تو ہے!"

لہذا اگر اب لوگ چاہیں تو میرے پاس بلندی پر آئیں! کیوں کہ میں ہنوز اس نشانی کا انتظار کر رہا ہوں جو میرے وقتِ نزول کی ہے۔ ابھی میں خود اُتر کر نیچے انسانوں کے پاس نہیں جاتا جیسا کہ مجھے ایک روز کرنا پڑے گا۔

اسی کا میں یہاں انتظار کر رہا ہوں، چالبازی کے ساتھ اور حقارت کے ساتھ، اونچے پہاڑوں پر۔ میں بے صبر ہوں نہ باصبر بلکہ وہ جو صبر کرنا بھول گیا ہو، کیوں کہ اس کو اب زیادہ "برداشت نہیں"۔

میرے مقدر نے مجھے ڈھیل دے رکھی ہے۔ شاید وہ مجھے بھول گیا ہے؟ یا وہ ایک بڑی چٹان کے پیچھے سائے میں بیٹھا ہوا مکھیاں مار رہا ہے؟

اور واقعی میں اس وجہ سے اس سے خوش ہوں، اپنے دائمی مقدر سے، کہ وہ میرے ساتھ جلدی نہیں مچاتا اور نہ مجھ کو مجبور کرتا ہے بلکہ اس نے مجھے تمسخر اور برائیاں کرنے کے لیے وقت دے رکھا ہے، اس طرح سے کہ میں آج مچھلیاں پکڑنے کے لیے ایک اونچے پہاڑ پر چڑھا ہوں۔

کیا کوئی ایسا شخص ہے جس نے اونچے پہاڑوں پر مچھلیاں پکڑی ہوں؟ اور اگرچہ جو کچھ میں یہاں چاہتا ہوں اور کر رہا ہوں ایک حماقت ہے تاہم یہ بہتر ہے اس بات سے کہ وہاں نیچے انتظار کرتے کرتے قابلِ تعظیم ہو جاؤں اور ہرا اور پیلا پڑ جاؤں،

انتظار کی وجہ سے ایک ذی رتبہ غصہ اگلنے والا ہو جاؤں اور ایک متبرک شور مچانے والی پہاڑی آندھی اور ایک ایسا بے صبر جو وادیوں میں چلّاتا پھرتا ہے: "سنو میری، ورنہ میں تمھیں خدائی چابک سے ٹھیک کروں گا!"

یہ بات نہیں ہے کہ میں ایسے غصے والوں سے ناراض ہوں۔ مجھے ہنسی دلانے کے لیے وہ اچھے خاصے ہیں بے صبری تو ضرور کام میں لاتے ہیں، یہ بڑے شور مچانے والے ڈھول جو یا تو آج بولیں گے ورنہ کبھی نہیں۔

مگر میں اور میرا مقدّر: ہم آج کو مخاطب کرکے باتیں نہیں کرتے اور نہ کبھی نہیں کو مخاطب کرکے باتیں کرتے ہیں۔ بولنے کے لیے ہم صبر رکھتے ہیں اور وقت اور وقت سے بھی زیادہ کچھ اور۔ کیوں کہ ایک نہ ایک دن وہ آکر رہے گا اور آکر محض چلتا نہ ہوگا۔

وہ کون ہو جو ایک نہ ایک دن آکر رہے گا اور آکر محض چلتا نہ ہوگا؟ ہماری بڑی ہزار یعنی ہماری بڑی بعید حکومتِ انسانی، ہزار سالہ حکومتِ زردُشت۔

آخر یہ "دوری" کتنی دوُر ہی؟ مجھے اس سے کیا مطلب! لیکن اس وجہ سے اس کے یقینی ہونے میں کوئی کمی نہیں آتی۔ میں اس جگہ پر دونوں قدم جمائے مضبوطی کے ساتھ کھڑا ہوں،

ایک دائمی جگہ پر، سخت اور کہنہ پتھر پر، ان بلند ترین اور سخت ترین کہنہ پہاڑوں پر جن کے پاس تمام ہوائیں آتی ہیں جیسے اس جگہ جہاں بجلی کے بادل ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں، پوچھتی ہوئی کہ کہاں؟ اور کہاں سے؟ اور کہاں کو؟

ہنس، اس جگہ ہنس، ای میری روشن اور تندرست بدی! اونچے پہاڑوں پر سے اپنی حقارت کی چمکتی ہوئی ہنسی نیچے پھینک! اپنی چمک کا چارا دکھا کر خوبصورت انسانی مچھلیوں کو پھانس!

اور جو کچھ تمام سمندروں میں میری ملکیت ہو اور تمام چیزوں میں میری زندگانی کا عرض: یہ میرے لیے پھانس کر نکال لا، میرے پاس اوپر لے آ! اسی کا مجھے انتظار ہی، مجھ بدترین ماہی گیر کو۔

باہر نکل، باہر نکل، ای میرے کانٹے! اندر جا، نیچے جا، ای میری خوشوقتی کے چارے! ٹپکا اپنی شیریں ترین شبنم، ای میرے دل کے شہد! کاٹ کھا، ای میرے کانٹے، ہر سیاہ مصیبت کے پیٹ میں!

باہر نکل، باہر نکل، ای میری آنکھ! میرے آس پاس کتنے کچھ سمندر ہیں! اور

کیسے کیسے طلوع ہونے والے انسانی مستقبل! اور میرے اوپر: کیسی بے بادل کی چُپ!

واویلا

دوسرے روز زرتُشت پھر غار کے سامنے اپنی چٹان پر آ بیٹھا اور اس کے جانور اس گرد و نواح میں اور زیادہ خوراک لینے کے لیے گشت لگانے لگے، اور اور زیادہ شہد کے لیے بھی۔ کیوں کہ زرتُشت نے پہلا شہد فضول خرچی کر کے بالکل ختم کر دیا تھا۔ جب وہ اس جگہ اس طرح بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے وہ اپنے قد کے سائے کا خاکہ زمین پر کھینچ رہا اور متفکر نظر آتا تھا لیکن اس کا یہ تفکر اپنے اوپر یا اپنے سائے کے اوپر ہرگز نہ تھا۔ اس وقت وہ یک بیک خوف زدہ ہوگیا اور سہم گیا۔ کیوں کہ اس نے اپنے سائے کے قریب ایک اور سایہ دیکھا۔ اور جوں ہی اس نے فوراً پھر کر دیکھا اور کھڑا ہوگیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہی پیشین گو اس کے سامنے کھڑا ہے، وہی جس کو اس نے ایک بار اپنے دسترخوان پر کھانا کھلایا اور پانی پلایا تھا، بڑی تکان کا پیشین گو جس کی یہ تعلیم تھی: "تمام چیزیں یکساں ہیں۔ سب کچھ بے سود ہے۔ دنیا بے معنی ہے۔ علم گلا گھونٹ دیتا ہے۔" لیکن اس اثنا میں اس کا چہرہ متغیر ہوگیا تھا۔ اور جب زردشت نے اس کی آنکھوں کی طرف نظر ڈالی تو اس کا دل دوبارہ دہل گیا، اس کے چہرے پر بُری پیشین گوئیوں اور خاکستری رنگ کی بجلیوں کا اتنا اثر تھا!

پیشین گو تاڑ گیا کہ اس وقت زردشت کے قلب پر کیا کچھ گزر رہی ہے اور اپنے ہاتھ سے اپنا چہرہ پونچھنے لگا گویا کہ وہ اس اثر کو زائل کر دینا چاہتا تھا۔ زردشت بھی اس کی نقل کرنے لگا۔ اور اس طرح سے جب دونوں چپ چاپ سنبھل گئے

اور ان میں قوت آگئی تو انھوں نے مصافحہ کیا جس کے معنے یہ تھے کہ وہ باہم تعارف کرانا چاہتے ہیں۔

زرُدشت نے کہا: "مرحبا، اے تکانِ عظیم کے پیشین گو! تیرا ایک مرتبہ کا میرا ہم نوالہ اور مہمان ہونا بے سود ثابت نہ ہوگا۔ آج بھی میرے ساتھ کھا اور پی اور اس بات کو معاف کرنا کہ ایک خوشنود بوڑھا آدمی تیرے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا ہے!" پیشین گو نے اپنا سر ہلایا اور کہا: "ایک خوشنود بوڑھا آدمی؟ تو کچھ ہی کیوں نہ ہو اور کچھ ہی کیوں نہ ہونا چاہتا ہو، اے زرُدشت، تو مدت تک یہاں بلندی پر زندگی بسر کر چکا ہے تھوڑی مدت کے بعد تیرا بجرا خشکی پر نہ ٹھیرے گا۔" زردشت نے ہنس کر پوچھا: "کیا میں خشکی پر ٹھیرا ہوا ہوں؟" پیشین گو نے جواب دیا: تیرے پہاڑ کے آس پاس موجیں چڑھتی چلی آرہی ہیں، بڑی تکلیف اور مصیبت کی موجیں۔ عنقریب وہ تیرے بجرے کو بھی اٹھا کر تجھے بہا لے جائیں گی۔" اس پر زردشت چپ چاپ تعجب کرنے لگا۔ مگر پیشین گو نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا: "کیا تجھے ابھی تک کچھ سنائی نہیں دیتا؟ کیا نشیب کی طرف سے شور و غل نہیں اُٹھ رہا ہے؟" لیکن زردشت پھر بھی خاموش رہا اور کان لگا کر سننے لگا۔ تب اس نے ایک بہت طویل شور سنا جس کو نشیب ایک دوسرے سے کہتے تھے اور آگے پہنچاتے تھے۔ کیوں کہ نشیبوں میں سے کوئی اس شور کو اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس قدر بھیانک تھا وہ شور!

بالآخر زرُدشت نے کہا: "اے خبرِ بد لانے والے، یہ ایک صدائے واویلا ہے اور کسی انسان کے چلانے کی آواز۔ غالباً وہ کسی کالے پانی سے آرہی ہے۔ لیکن انسان کی مصیبت کی مجھے پروا کیا! تجھے معلوم ہے کہ میری آخری گھڑی کا کیا نام ہے جس سے میں اب تک محفوظ تھا؟"

پیشین گو نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر بھرے ہوئے دل سے جواب دیا: ہمدردی! ای زرتُشت، میں اس لیے آیا ہوں کہ تجھے پھسلا کر تیرے آخری گناہ پر آمادہ کروں۔"

اور ابھی یہ الفاظ ختم نہ ہونے پائے تھے کہ وہ چلّانے کی آواز دوبارہ اٹھی۔ اور پہلے سے زیادہ دیر تک رہی اور زیادہ دہشتناک تھی۔ نیز یہ کہ وہ اب زیادہ نزدیک معلوم ہوتی تھی۔ پیشین گو نے بآوازِ بلند کہا: "کیا تو سنتا ہی؟ کیا تو، ای زرتُشت سنتا ہی؟ چلّانے کی آواز کا مقصد تو ہی، وہ تجھے بلا رہی ہی۔ چل، چل، چل، وقت قریب ہی، وقت سر پر آپہنچا ہی!"

اس پر زرتُشت پریشان ہو کر اور گھبرا کر چپ ہو گیا۔ بالآخر اس نے اس شخص کی طرح جو پس و پیش کر رہا ہو پوچھا: "اور وہ ہی کون جو وہاں مجھے بُلا رہا ہی؟"

پیشین گو نے تیز ہو کر جواب دیا: "تو تو اسے جانتا ہی۔ تو اپنے آپ کو کیوں چھپاتا ہی؟ یہ انسانِ برتر ہی جو تجھے زور سے پکار رہا ہی۔"

زرتُشت خوف زدہ ہو گیا اور چلّا کر کہنے لگا: "انسانِ برتر؟ وہ کیا چاہتا ہی؟ وہ چاہتا کیا ہی؟ انسانِ برتر؟ وہ یہاں کس لیے آیا ہی؟" اور اس کا بدن پسینے پسینے ہو گیا۔

پیشین گو نے زرتُشت کے ان خوف زدہ الفاظ کا کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ وہ کان لگا کر نشیب کی طرف سننے لگا۔ دیر تک خاموش رہنے کے بعد اس نے اپنی نظر پھیری اور دیکھا کہ زرتُشت کھڑا کانپ رہا ہی۔

اس نے افسوس ناک آواز سے کہا: "ای زرتُشت، تو یہاں اس شخص کی طرح کھڑا نہیں ہی جس کی خوش وقتی نے اس کا سر پھیر دیا ہو۔ تجھے اس قدر رقص کرنا چاہیے کہ تو گر پڑے!

لیکن خواہ تو میرے سامنے رقص ہی کیوں نہ کرے اور اپنی تمام چال بازیاں

ہی کیوں نہ دکھائے تاہم کسی کو مجھ سے یہ کہنے کا حق نہ ہوگا: "دیکھ، یہ خوشنود انسان
رقص کر رہا ہو!"
اس کو تلاش کرنے کے لیے کسی کا اس بلندی پر آنا بالکل بے سود ہو۔ یہاں
تو اسے محض غار اور پوشیدہ غار ملیں گے اور چھپنے والوں کے لیے چھپنے کی جگہیں، مگر
نہ خوش وقتی کی کانیں اور نہ خزانوں کی کوٹھریاں اور خوش وقتی کی سنہری رگیں۔
خوش وقتی: بھلا ان مدفونوں اور گوشہ نشینوں کے پاس خوش وقتی کہاں سے
آئی! کیا آخری خوش وقتی ڈھونڈنے کے لیے مجھے مبارک جزیروں اور دُور
دراز فراموش کردہ سمندروں میں جانا چاہیے؟
مگر تمام باتیں یکساں ہیں۔ ہر چیز لاحاصل ہو۔ ڈھونڈنا بے سود ہو مبارک
جزیروں کا بھی اب نام و نشان باقی نہیں!"
پیشین گو نے سرد آہیں بھر کر یہ باتیں کہیں۔ لیکن اس کی آخری آہِ سرد پر
زردشت چونک پڑا اور سنبھل کر بیٹھ گیا مثل اس شخص کے جو تاریک غار میں
سے نکل کر روشنی میں آیا ہو۔ اور اس نے اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا اور بآوازِ بلند
کہنے لگا: "نہیں، نہیں، تین بار نہیں! یہ میں بہتر جانتا ہوں۔ مبارک جزیرے
ابھی تک موجود ہیں۔ یہ مت کہہ، اے آہِ سرد بھرنے والے غم زدہ!
اس پر پیچ پیچ مت کر، اے صبح کے ابرِ باراں! کیا تو مجھے اپنی رنجیدگی سے
تربتر اور کُتّے کی طرح بھیگا ہوا یہاں استادہ نہیں دیکھتا ہو؟
لے، اب میں اپنے آپ کو جھٹکتا اور تجھ سے بھاگتا ہوں تاکہ میں پھر خشک
ہو جاؤں۔ اس پر تجھے تعجب نہ کرنا چاہیے! کیا تو مجھے قابلِ دربار باتمیز نہیں پاتا؟
مگر یہاں تو میرا دربار ہو۔
اب رہا تیرے انسانِ برتر کا قصّہ: اچھا! میں ابھی اس کو ڈھونڈنے کے

لیے سامنے والے جنگل میں جاتا ہوں۔ وہیں سے اس کے چلانے کی آواز آئی ہو۔ شاید کوئی شریر جانور اسے وہاں تنگ کر رہا ہو۔

وہ میری حکومت کے اندر ہو۔ اس میں اسے کوئی تکلیف نہ پہنچنی چاہیے!
اور یہ سچ ہو کہ میرے پاس بہت سے شریر جانور ہیں"

یہ باتیں کہہ کر زرُدشت جانے کے لیے پھرا۔ اس وقت پیشین گو نے اس سے کہا:
"اے زرُدشت، تو بڑا بدذات ہو!

یہ مجھے پہلے سے معلوم تھا: تو مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہو! تجھے یہ زیادہ مرغوبِ خاطر ہو کہ جنگلوں میں جا کر شریر جانوروں کا پیچھا کرے!

لیکن اس سے تجھے کیا فائدہ ملے گا؟ شام کو تو پھر میرے ہی ساتھ ہوگا میں تیرے ہی غار میں جا کر بیٹھوں گا، صبر کے ساتھ اور پتھر کی طرح جم کر، اور تیرا انتظار کروں گا"

زرُدشت نے جاتے جاتے پکار کر کہا: "اچھا یوں ہی سہی! اور جو کچھ میرے غار میں ہو وہ تیری بھی ملکیت ہو، یعنی میرے مہمان کی۔

اور اگر تجھے وہاں شہد ملے تو اچھا! اسے بھی چاٹ جانا، اے غرانے والے ریچھ! اور اپنی روح کو شیرینی پہنچانا! شام کو تو ہم دونوں پھر دوست بن ہی جائیں گے،

دوست بن جائیں گے اور اس پر خوش ہوں گے کہ یہ دن ختم ہوگیا۔ اور میرے گیتوں کی ہمراہی میں تو خود میرے ناچنے والے ریچھ کی طرح ناچے گا۔

تجھے اس کا یقین نہیں آتا؟ تو سر ہلا رہا ہو؟ اچھا! اچھا! بوڑھے ریچھ! مگر میں بھی تو ایک پیشین گو ہوں"

یہ تھیں باتیں زرُدشت کی۔

بادشاہوں کے ساتھ گفتگو

(۱)

ابھی زرتُشت اپنے پہاڑوں اور جنگلوں میں ایک گھنٹا بھر بھی نہ چلا ہوگا کہ اس نے یک بیک ایک عجیب و غریب جلوس دیکھا: ٹھیک اسی راستے پر جہاں وہ جانا چاہتا تھا دو بادشاہ چلے آرہے تھے جو تاجوں اور ارغوانی پیٹیوں سے آراستہ اور رنگین چڑیوں کی طرح رنگ برنگ نظر آتے تھے اور اپنے آگے آگے ایک گدھے کو ہانکتے ہوئے چلے آتے تھے "یہ بادشاہ میری بادشاہی میں کیوں آئے ہیں؟" زردشت نے متعجب ہوکر اپنے دل میں کہا اور فوراً ایک جھاڑی کے پیچھے چھپ گیا لیکن جب بادشاہ اس کے قریب آپہنچے تو اس نے مثل اس شخص کے جو اپنے آپ سے تنہا باتیں کرتا ہو آہستہ سے کہا: "عجب! عجب! اس بات کی چول کس طرح بیٹھتی ہے؟ مجھے دو بادشاہ دکھائی دیتے ہیں مگر صرف ایک گدھا"

تب دونوں بادشاہ ٹھیر گئے اور مسکرا کر اس طرف دیکھنے لگے جدھر سے آواز آئی تھی اور پھر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور دہنی طرف والا بادشاہ کہنے لگا:

"ہمارے یہاں بھی لوگ ایسا ہی خیال کرتے ہیں مگر زبان سے نہیں نکالتے"

بائیں طرف والے بادشاہ نے اپنے کاندھوں کو جنبش دی اور کہنے لگا:

"یہ شاید کوئی بکریوں کا چرواہا ہوگا یا کوئی گوشہ نشین جس نے زمانۂ دراز تک چٹانوں اور درختوں کے ساتھ زندگی بسر کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عدمِ صحبت سے بھی اچھے اطوار خراب ہوجاتے ہیں"

دوسرے بادشاہ نے ناراض ہوکر ترش روئی سے جواب دیا: "اچھے اطوار؟ آخر ہم کس چیز سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں؟ کیا انھیں "اچھے اطوار" سے بھاگ کر

نہیں آئے ؟ اپنی "صحبتِ نیک" سے ؟

گوشہ نشینوں اور بکریوں کے چرواہوں کے ساتھ رہنا واقعی بہتر ہی بہ نسبت ہمارے ملمع کیے ہوئے جھوٹے اور غازے سے لپے ہوئے عوام الناس کے ساتھ رہنے کے اگرچہ انھوں نے اپنا نام "صحبتِ نیک" رکھ چھوڑا ہی،

اگرچہ وہ اپنے آپ کو شرفا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اگرچہ بااین ہمہ ان کے یہاں ہر چیز جھوٹی اور نجس ہی، بالخصوص خون جس کی وجہ کہنہ اور خراب بیماریاں اور خراب تر طبیب ہیں۔

آج میرا یہ خیال ہی کہ بہترین اور محبوب ترین چیز ایک تندرست کسان ہی، ناتراشیدہ ضدّی اور ثابت قدم۔ شریف ترین رنگ آج کل یہی ہی۔

آج کل کسان بہترین شخص ہی۔ اور کسانی رنگ ہی کی حکومت ہونی چاہیے! مگر ہی حکومت عوام الناس کی۔ اس بارے میں کوئی مجھے دھوکا نہیں دے سکتا۔ اور عوام الناس: اس کے معنے ہیں گڈ مڈ۔

عوام الناس کی گڈمڈ: اس میں ہر چیز ہر چیز میں مخلوط ہی، ولی اور بدذات، شریف اور یہودی، اور کشتیِ نوح کے بھانت بھانت کے جانور۔

نیک اطوار: ہمارے یہاں ہر چیز جھوٹی اور نجس ہی۔ اب کوئی شخص عزّت کرنی نہیں جانتا۔ ایسے ہی لوگوں سے تو ہم بھاگ کر آئے ہیں۔ یہ ایسے کُتّے ہیں جو پیار سے گھستے چلے آتے ہیں۔ وہ کھجور کے پتوں پر سونے کا پانی چڑھاتے ہیں۔

میرا گلا اس عفونت سے گھٹنے لگتا ہی کہ خود ہم بادشاہ جھوٹے ہو گئے ہیں، اور ہمارے اوپر ہمارے پڑداداؤں کی وہ زرق برق جھولیں پڑی ہوی ہیں جن کا رنگ تک اُڑ گیا ہی اور جو سب سے زیادہ احمق اور سب سے زیادہ چالاک لوگوں کے لیے دکھانے کے دانت ہیں اور نیز ان تمام لوگوں کے لیے جو قوّت کا سودا سلف

کرتے ہیں۔
ہم ان لوگوں میں سے پہلے نہیں ہیں تاہم ہمیں بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔
الغرض ہم اس دھوکے بازی سے سیر اور متنفر ہو گئے ہیں۔
ان بدذاتوں سے ہم کنارہ کش ہو چکے ہیں یعنی ان گلا پھاڑ کر چلّانے والوں اور لکھنے والی مکھیوں اور بنیے بقالوں کی گندگیوں اور ہوسناکیوں کی دوڑ دھوپ اور بدبودار سانسوں سے۔ تُف ہے بدذاتوں کے ساتھ رہنے پر،
تف ہے بدذاتوں میں درجۂ اول رکھنے پر! ہائے، گھِن! گھِن! گھِن!۔ اب ہم بادشاہوں میں دھرا کیا ہے!"
تب بائیں طرف والے بادشاہ نے کہا: "تیری پرانی بیماری کا پھر دورہ ہوا ہے۔ تیری نفرت پھر عَود کر آئی ہے، اے میرے بے چارے بھائی! لیکن یہ تو تجھے معلوم ہے نہ، کہ کوئی ہماری باتیں سُن رہا ہے۔"
زرتُشت جو ان باتوں میں ہمہ تن گوش و چشم ہو رہا تھا اپنی کمین گاہ سے فوراً نکل آیا اور فوراً بادشاہوں کے پاس گیا اور یوں کہنے لگا:
جو شخص تمھاری باتیں سن رہا ہے، جو شخص تمھاری باتیں خوشی سے سن رہا ہے، اے بادشاہو، اس کا نام زرتُشت ہے۔
میں وہی زرتُشت ہوں جس نے ایک بار کہا تھا: "اب بادشاہوں میں دھرا کیا ہے!"۔ مجھے معاف کرو کہ میں اس بات سے خوش ہوا کہ تم ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے: "ہم بادشاہوں میں دھرا کیا ہے!"
لیکن یہاں میرا ملک ہے اور میری حکومت۔ آخر تم میرے ملک میں کیا ڈھونڈنے آئے ہو؟ اور شاید راہ میں تمھیں وہ شخص ملا ہے جس کی مجھے تلاش ہے یعنی انسانِ برتر۔"

جب بادشاہوں نے یہ سنا تو وہ اپنے سینے پیٹنے لگے اور انھوں نے یکزبان ہو کر کہا: "ہمارا راز فاش ہو گیا!"

ان الفاظ کی تلوار سے تو نے ہمارے دل کے تاریک ترین اندھیرے کو پاش پاش کر دیا۔ تو نے ہماری ضرورت کا پتا لگا لیا۔ کیوں کہ دیکھ، ہم اسی لیے گھر سے چلے ہیں کہ انسانِ برتر کا پتا لگائیں،

اس انسان کا جو ہم سے برتر ہو، اگرچہ ہم بادشاہ ہیں۔ اسی کے لیے ہم یہ گدھا لے جا رہے ہیں۔ کیوں کہ برترین انسان کو زمین پر برترین حاکم بھی ہونا چاہیے!

انسان کے سارے مقدّر میں اس سے زیادہ سخت بدقسمتی کوئی نہیں کہ زمین کے قوی ترین لوگ درجۂ اوّل کے انسان نہ ہوں۔ اسی وجہ سے ہر چیز جھوٹی اور ٹیڑھی اور بھوا ہو کر رہ جاتی ہو۔

اور اگر وہ درجہ اسفل کے انسان ہوں اور انسان سے زیادہ جانور تو بدذاتوں کی قدر و قیمت بڑھتی چلی جاتی ہو حتیٰ کہ بدذاتوں کی نیکی کو یہ دعویٰ ہونے لگتا ہو: "دیکھ، نیکی صرف میں ہوں!"

زردشت نے جواب دیا: "میں کیا سُن رہا ہوں؟ بادشاہ اور یہ دانشمندی! مجھے بڑی مسرت ہو۔ اور واقعی میرا دل یہ چاہنے لگا ہو کہ اس پر ایک نظم تیار کر دوں؛

خواہ وہ ایسی ہی نظم کیوں نہ ہو جو ہر شخص کے کان کو بھلی نہ لگے۔ لمبے کانوں کا لحاظ کرنا میں عرصے سے بھول چکا ہوں۔ اچھا! چلو!

(یہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ گدھا بھی کچھ کہنے لگا۔ اس نے صاف صاف مگر بدبختی سے کہا: ہا آں)

ایک مرتبہ، غالباً مبارک سنہ ایک میں

سبل نے بے شراب پیے مدہوش ہو کر کہا:

"افسوس، ہر چیز بُری ہو گئی ہی!"

"تباہی! تباہی! دنیا کبھی پہلے اس قدر پست نہ تھی!

"رومۃ الکبریٰ پست ہو کر رنڈی اور رنڈی خانہ بن گیا ہی،

"رومۃ الکبریٰ کا بادشاہ پست ہو کر جانور؛ اور خدا خود یہودی ہو گیا ہی!"

(۲)

زردشت کی اس شاعری پر بادشاہ بہت خوش ہوئے اور دہنی طرف والے بادشاہ نے کہا: "ای زردشت، ہم نے خوب کیا کہ تجھے دیکھنے کے لیے گھر چھوڑا! تیرے دشمن تو تیری تصویر اپنے آئینے میں ہمیں دکھاتے تھے۔ اس میں تیری شکل شیطان کی سی تھی اور تو دانت نکالے ہنستا تھا حتّٰی کہ ہمیں تجھ سے ڈر معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ تیری نصیحتیں آئے دن ہمارے کانوں اور دلوں میں سرایت کرتی جاتی تھیں۔ الغرض ہم نے اس وقت کہا: ہمیں اس سے کیا بحث کہ اس کی شکل کیسی ہی!

ہمیں تو اس کی باتیں سُننی چاہییں، اس کی جو یہ تعلیم دیتا ہی: "تمھیں صلح سے محبّت کرنی چاہیے کیوں کہ وہ سبب ہی نئی جنگوں کا۔ اور بہ نسبت بڑی صلحوں کے چھوٹی صلحوں سے محبت کرنی چاہیے!"

کبھی کسی نے ایسے جنگجو الفاظ استعمال نہیں کیے: "اچّھا کیا ہی؟ بہادر ہونا اچّھا ہی۔ اچھی جنگ ہی وہ شی ہی جو ہر چیز کو مبارک بنا دیتی ہی۔"

ای زردشت، ایسی تقریروں سے ہم میں باپ داداؤں کا خون جوش مارنے لگتا ہی۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو موسم بہار شراب کے پرانے خموں سے کرتا ہی۔ جب تلواریں مارِ سرخ کی طرح ایک دوسرے میں گھستی تھیں اس وقت

ہمارے بزرگوں کو زندگی میں لطف آتا تھا۔ ہر صلح کا سورج انھیں پژمردہ اور نیم گرم معلوم ہوتا تھا۔ اور طویل صلح سے تو انھیں شرم آنے لگتی تھی۔

وہ کیسی آہِ سرد کھینچتے تھے، ہمارے باپ دادا، جب کہ وہ چمکتی ہوئی اور سوکھی ساکھی تلواریں دیواروں پر آویزاں دیکھتے تھے۔ ان کی طرح وہ تلواریں بھی جنگ کی پیاسی تھیں۔ الغرض تلوار بھی خون پینے کی خواہاں ہوتی ہو اور اس اشتیاق میں وہ چمکنے لگتی ہو۔"

جب بادشاہوں نے اس جوش وخروش کے ساتھ اپنے باپ داداؤں کی مسرت کا ذکر اور بیان کیا تو زردُشت کے دل نے چاہا کہ ان کے اس جوش وخروش کا خوب مضحکہ اڑائے کیوں کہ وہ بادشاہ جو اس کے سامنے تھے ظاہرا نہایت صلح پسند معلوم ہوتے تھے، ایسے بزرگانہ اور شاندار چہروں کے ساتھ۔ لیکن اس نے ضبط سے کام لیا اور کہنے لگا: "اچھا! دکھیو وہ پگ ڈنڈی جاتی ہو اور وہ وہاں زردُشت کا غار ہو۔ اور آج کی شام لمبی ہونے والی ہو۔ اس وقت ایک واویلا مجھے تم سے فورًا دور لے جا رہی ہو۔

یہ میرے غار کے لیے باعثِ فخر ہوگا اگر بادشاہ اس میں بیٹھ کر انتظار کریں۔ مگر یہ ضرور ہو کہ تمھیں بہت دیر انتظار کرنا پڑے گا۔

اچھّا، تو اس میں ہرج کیا ہو! آج کل درباروں سے بہتر انتظار کرنے کی تعلیم کہاں ہوتی ہو؟ اور کیا بادشاہوں کی ساری خصلتِ نیک کا جو باقی رہ گئی ہو یہ نام نہیں ہو: "انتظار کر سکنا؟"

یہ تھی تقریر زردُشت کی۔

جونک

اور زرتشت اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا جنگلوں میں سے اور دلدلوں کے پاس سے گزرتا ہوا آگے اور نیچے کی طرف بڑھا جس طرح کہ ہر اس شخص کو پیش آتا ہے جو مشکل باتوں پر غور کر رہا ہو زرتشت کا پانو بھولے سے ایک اور شخص کے پانو پر پڑ گیا۔ اور یک بیک اس پر ایک چیخ اور دو بددعاؤں اور بیس گالیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ یہاں تک کہ اس نے ڈنڈا اٹھایا اور جس کے پانو پر اس کا پانو پڑ گیا تھا اسے خوب مارا۔ اس کے بعد وہ فورًا ہوش میں آگیا اور اپنے جنون پر جو ابھی اس سے سرزد ہوا تھا دل کھول کر ہنسا۔

اس نے اس شخص سے کہا جس پر اس کا پانو پڑ گیا تھا اور جو غضب ناک ہو کر اٹھا اور پھر بیٹھ گیا تھا: "معاف کر، معاف کر، اور سب سے پہلے ایک تشبیہ سن لے!

جس طرح کوئی راہ رَو جو دور دراز کے خیالات میں ڈوبا ہوا ہو ایک سنسان گلی میں بھولے سے ایک سوتے ہوئے کتّے سے ٹکر کھا جائے، ایک ایسے کتّے سے جو دھوپ میں پڑا ہوا ہو:

جیسے وہ دونوں چونک پڑتے ہیں اور جانی دشمنوں کی طرح ایک دوسرے کے درپے ہو جاتے ہیں، یعنی یہ دونوں جن کی خوف کے مارے جان نکل جاتی ہے:

یہ ہی حالت ہم دونوں کی ہوئی۔

مگر! مگر یہ کس قدر قریب تھا کہ دونوں آپس میں بغل گیر ہو جائیں، وہ کتّا اور وہ تنہا شخص! آخر دونوں تنہا ہی ہیں!"

جس شخص کے اوپر پانو پڑا تھا وہ اب تک غضب ناک تھا اور اس نے کہا: "مجھے اس سے مطلب نہیں کہ تو کون ہے مگر تو نے محض اپنے پانو سے میرا پانو نہیں

کچلا بلکہ اپنی تشبیہ سے میرا دل بھی مَسل ڈالا۔
دیکھ تو سہی، تو کیا میں کتا ہوں ؟" یہ کہ کر وہ شخص جو بیٹھا ہوا تھا اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی برہنہ بانہوں کو دلدل سے نکالا۔ کیوں کہ وہ اب تک ہاتھ پانو پھیلائے زمین پر پڑا ہوا تھا اور پوشیدہ تھا اور اس کی شناخت نہ ہوسکتی تھی مثل ان لوگوں کے جو کسی دلدل کے جانور کی گھات میں لگے ہوئے ہوں۔
"لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ تو کیا کر رہا ہی!" زردشت نے سہم کر با آواز بلند کہا کیوں کہ اسے اس کی برہنہ بانہوں پر بہت سا خون بہتا ہوا نظر آیا، "تجھ پر کیا مصیبت پڑی ہی؟ کیا تجھے، ای بدبخت کسی جانور نے کاٹ کھایا ہی؟"
جس شخص سے خون جاری تھا وہ ہنسنے لگا لیکن ہنوز غضب ناک تھا۔ "تجھے اس سے کیا مطلب!" اس نے کہا اور چاہتا تھا کہ آگے جائے، "میں یہاں اپنے گھر میں ہوں۔ جو چاہے مجھ سے پوچھے لیکن ایک جڈ کو میں مشکل سے جواب دوں گا۔"
"تو غلطی پر ہی" زردشت نے ہمدردی سے کہا اور اسے مضبوط پکڑ لیا، "تو غلطی پر ہی۔ یہاں تو اپنے گھر میں نہیں ہی بلکہ میری حکومت کے اندر اور یہاں کسی کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔
تو جو چاہے مجھ سے کہہ۔ میں وہی ہوں جو مجھے ہونا پڑا ہی۔ میں اپنے آپ کو زردشت کہتا ہوں۔
اچھا! یہ اوپر جانے والی پگ ڈنڈی زردشت کے غار کو جاتی ہی جو دور نہیں ہی۔ کیا تو یہ نہیں چاہتا کہ میرے یہاں اپنے زخموں کی مرہم پٹی کرے؟
ای بدبخت، اس زندگی میں تیری بُری گت بنی: پہلے تجھے جانور نے کاٹ کھایا اور پھر تیرے اوپر انسان کا پانو پڑ گیا۔"
لیکن جب اس شخص نے جس کا پانو کچل گیا تھا زردشت کا نام سنا تو اس

کی حالت کچھ سے کچھ ہوگئی اور اس نے بآواز بلند کہا: "آخر مجھ پر کیا گزر رہی ہی! اس زندگی میں مجھے کسی کی کیا پروا سوائے اس ایک آدمی کے جس کا نام زردشت ہی اور اس ایک جانور کے جو خون پی کر زندگی بسر کرتا ہی، یعنی جونک؟

جونک کی خاطر میں یہاں دلدل میں مثل ماہی گیر کے پڑا تھا اور میرا بازو دس بار کاٹا جا چکا تھا کہ ایک اور زیادہ خوب صورت جونک یعنی زردشت نے میرا خون پینے کے لیے مجھے کاٹ کھایا۔

اے مقدر! اے عجیب و غریب چیز! مبارک ہو وہ دن جو مجھے اس دلدل میں لایا! مبارک ہو وہ بہترین اور زندہ ترین سینگی جو آج کل زندہ ہی، مبارک ہو ضمیر کی عظیم الشان جونک یعنی زردشت!"

یہ تھیں باتیں اس شخص کی جس کا پانو کچلا تھا۔ اور زردشت اس کی باتوں اور ان باتوں کے مودبانہ انداز پر خوش ہوا اور اس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پوچھا: "تو ہی کون؟ ابھی بہت سی باتیں ہمارے درمیان باقی ہیں جن کی تشریح اور صفائی کی ضرورت ہی۔ لیکن میرا خیال ہی کہ صاف اور روشن دن نکلنا شروع ہو گیا ہی"

جس سے پوچھا گیا تھا اس نے جواب دیا: "میں دل سے صاف ضمیر ہوں اور دل کے معاملات میں مشکل سے کوئی شخص مجھ سے زیادہ مضبوط اور گٹھا ہوا اور سخت ہوگا۔ سوائے اس شخص کے جو میرا استاد ہی، یعنی زردشت۔

بہت سی باتوں کو ادھورا جاننے سے کچھ نہ جاننا بہتر ہی! بے وقوف ہونا اپنی ذمہ داری پر بہتر ہی بہ نسبت عقلمند ہونے کے دوسروں کی رائے کے موافق۔ میں تھاہ تک پہنچ گیا ہوں:

اس کی مجھے کیا پروا کہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی؟ خواہ اس کا نام دلدل ہو یا آسمان؟ ہاتھ بھر زمین میرے لیے کافی ہی بشرطیکہ وہ واقعی زمین ہو،

ہاتھ بھر زمین : اس پر آدمی کھڑا ہو سکتا ہی۔ علم کے صحیح ضمیر کے موافق نہ کوئی چیز بڑی ہی نہ چھوٹی ؎ "

زرُدشت نے اس سے پوچھا: "تو کیا تُو جونکوں کا ماہر ہی ؟ اور تو جونکوں کی تحقیق آخری تھاہ تک کرتا ہی، ای صاف ضمیر؟"

جس کا پانو کچلا تھا اس نے جواب دیا: "ای زرُدشت، یہ تو بڑی مشکل بات ہی۔ میں کس طرح اس کا دعویٰ کر سکتا ہوں!

مگر جس چیز کا میں اُستاد اور ماہر ہوں وہ جونک کا دماغ ہی۔ یہ ہی میری دنیا! اور یہ ہی بھی ایک دنیا! لیکن مجھے معاف کر کہ میرا غرور باتیں کرتا ہی۔ کیوں کہ اس میں کوئی میرا ہم پلّہ نہیں۔ اسی لیے میں نے کہا تھا: "یہ میرا گھر ہی"

میں کتنے دنوں سے اس ایک چیز کے پیچھے پڑا ہوں، جونک کے دماغ کے تاکہ پھسلونی سچائی مجھ سے پھسل نہ جائے۔ یہ میری حکومت ہی،

اس کے پیچھے میں نے اور ساری چیزیں چھوڑ دی ہیں۔ اس کی وجہ سے میرے لیے باقی سب چیزیں ہیچ ہیں۔ اور میرے علم کے پہلو بہ پہلو میرا تاریک جہل پڑا ہوا ہی۔

میرے دلی ضمیر کی مجھ سے یہ آرزو ہی کہ میں محض ایک چیز جانوں اور اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہ جانوں۔ مجھے گھن آتی ہی تمام ادھوری روح والوں سے تمام دھندلوں اور پس و پیش کرنے والوں اور خیالی پلاؤ پکانے والوں سے۔

جہاں میری ایمان داری ختم ہوتی ہی وہاں میں اندھا ہوں اور اندھا ہی ہونا بھی چاہتا ہوں۔ لیکن جہاں میں جاننا چاہتا ہوں وہاں ایمان دار ہونا چاہتا ہوں یعنی سخت اور مضبوط اور گٹھا ہوا اور سنگ دل اور قسی القلب۔

تو نے، ای زرُدشت، جو ایک بار یہ بات کہی تھی: "روح وہ زندگانی ہی

جو خود زندگانی کو چیرتی ہے" وہی مجھے تیری تعلیمات کی طرف لے گئی ہے اور ان کا گرویدہ بنا دیا ہے۔ اور واقعی میں نے اپنے ہی خون سے خود اپنا علم بڑھایا ہے۔"

"ظاہر الامر سے اس کا ثبوت ملتا ہے" زردشت نے قطع کلام کر کے کہا، کیوں کہ اس صاف ضمیر کے برہنہ بازوؤں میں سے ہنوز خون جاری تھا، کوئی دس جونکوں نے ان کو کاٹا تھا۔

"اے عجیب و غریب آدمی، اس ظاہر الامر سے مجھے کس قدر سبق حاصل ہوتا ہے، یعنی تجھ سے! اور تیرے سخت کانوں میں شاید مجھے ہر چیز نہ ڈالنی چاہیے! اچھا! تو ہم اس جگہ رخصت ہوتے ہیں۔ لیکن میری خواہش ہے کہ میں پھر تجھ سے ملوں۔ وہ پگ ڈنڈی جو اوپر کی طرف جا رہی ہے میرے غار کا راستا ہے۔ آج شب کو تجھے میرا عزیز مہمان بننا پڑے گا!

میری یہ بھی خواہش ہے کہ میں تیرے جسم کے ساتھ اس بات کی تلافی کروں کہ زردشت نے تجھے پانو سے کچلا ہے۔ اس کے متعلق میں غور کروں گا۔ اس وقت تو مجھے ایک صدائے واویلا تجھے چھوڑنے پر مجبور کرتی ہے۔"

یہ تھی تقریر زردشت کی۔

جادوگر

اور جب زردشت ایک چٹان کے پاس سے گھوما تو اس نے اسی پگڈنڈی پر اپنے نیچے ایک شخص کو دیکھا جو ایک سڑی کی طرح اپنے ہاتھ پانو پھینک رہا تھا اور بالآخر پیٹ کے بل زمین پر گر پڑا۔ زردشت نے اپنے دل میں کہا: "ٹھیر جا! ہو نہ ہو یہی انسانِ برتر ہے۔ واویلا کی کریہہ آواز اسی سے نکلی ہو گی۔ دیکھوں اس کی کچھ مدد کی جا سکتی ہے۔" اور جب وہ دوڑ کر اس جگہ پہنچا جہاں وہ شخص زمین پر پڑا ہوا

تھا تو اس نے اسے اس حالت میں پایا کہ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا اور اس کی ٹکٹکی بندھی ہوئی تھی۔ اور زردشت نے جتنی بھی کوشش کی کہ اس کو اٹھائے اور پانو کے بل کھڑا کرے سب بے سود نکلی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس بدنصیب کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ کوئی اس کے پاس ہے۔ بلکہ اس کی نظر آس پاس اس طرح بھٹکتی تھی کہ اس پر رحم آتا تھا مثل اس شخص کے جسے ساری دنیا نے چھوڑ کر الگ تھلگ کر دیا ہو۔ بالآخر بہت کچھ تھرانے اور تشنّج اور انگڑائیوں کے بعد وہ دردناک آواز سے اس طرح کہنے لگا:

کون مجھے گرمی پہنچا رہا ہے؟ کون مجھے اب تک پیار کرتا ہے؟

دے گرم ہاتھ!

دے دل کی انگیٹھی!

اُفتادہ، لرزاں،

مثل نیم جاں کے جس کے پانو گرمائے جا رہے ہوں،

جھنجھوڑا ہوا، آہ! نامعلوم بخاروں سے،

سردی کے تیز اور ٹھنڈے تیروں سے کانپتا ہوا،

تجھ سے، اے تصوّر، نکال باہر کیا ہوا،

اے بے نام! اے پوشیدہ! اے دہشتناک!

اے بادلوں کے پیچھے والے شکاری!

تیرا برق زدہ،

اے طعنہ زن آنکھ جو مجھے اندھیرے میں سے جھانکتی ہے: اس طرح میں افتادہ ہوں،

جُھکا مجھ کو، مروڑ مجھ کو، جو میں تکلیف زدہ ہوں

تمام دائمی تکلیفوں کا،

زخم خوردہ
تیرا، اے سنگ دل ترین شکاری،
اے نا معلوم خدا !
گہرا زخم لگا !
دوبارہ زخم لگا !
چھلنی کر ڈال، پاش پاش کر ڈال اِس دل کو !
آخر کیا مقصد ہے اس ایذا رسانی سے
کُند تیروں کے ساتھ ؟
تو اب پھر کیا دیکھ رہا ہے،
انسانی ایذا رسانی سے نہ تھکنے والے،
نقصان پر خوش ہونے والی خدائی چمکدار آنکھوں سے ؟
تو قتل کرنا نہیں چاہتا،
بلکہ محض تکلیف پہنچانا، تکلیف پہنچانا ؟
تو مجھے کیوں تکلیف پہنچا رہا ہے،
اے نقصان پر خوش ہونے والے نا معلوم خدا ؟
ہا ہا ! تو چپکے چپکے گُھسا چلا آتا ہے ؟
ایسی آدھی رات میں
تو کیا چاہتا ہے ؟ کہہ !
تو چڑھا چلا آتا ہے، مجھے دبائے چلا جاتا ہے،
ہا ! تو بہت قریب آ چکا ہے !
دُور ہو ! دُور ہو !

تو مجھے سانس لیتے ہوئے سُنتا ہی،
تو میرے دل پر کان لگائے ہوئے ہی،
ای رقیب،
آخر رقابت کس بات کی ہی؟
دُور ہو! دُور ہو! آخر سیڑھی کا کیا کام ہی؟
کیا تو اندر آنا چاہتا ہی
میرے دل میں،
داخل ہونا چاہتا ہی۔ میرے پوشیدہ ترین
تصوّرات میں داخل ہونا چاہتا ہی؟
ای بےحیا! ای غیر مانوس چور!
تو کیا چُرانا چاہتا ہی؟
تو کس بات کا سُراغ لگانا چاہتا ہی؟
ایذا رسانی سے تیرا کیا مقصد ہی،
ای ایذا رساں!
ای جلّاد خدا!
یا تو یہ چاہتا ہی کہ میں کُتّے کی طرح
تیرے سامنے لوٹوں؟
فرماں بردار ہو کر، آپے سے باہر ہو کر،
تیرے آگے پیار سے دُم ہلاؤں؟
بے سود! ڈنک مارے چلا جا،
ای سنگ دل ترین ڈنک! نہیں،

گستاخ نہیں بلکہ میں تیرا شکار ہوں،
اے سنگ دل ترین شکاری!
تیرا مغرور ترین قیدی،
اے بادلوں کے پیچھے والے ڈاکو!
آخر بول تو سہی!
اے کمیں گاہ میں بیٹھنے والے، تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟
اے بجلی میں لپٹے ہوئے! اے نا معلوم! بول،
کہ تو، اے نا معلوم خدا، کیا چاہتا ہے؟
کیا؟ زرِ فدیہ؟
کتنا زرِ فدیہ چاہتا ہے!
زیادہ مانگ، یہ میری غیرت کا تقاضا ہے!
اور بات کم کر، یہ تقاضا ہے میری دوسری غیرت کا!
ہا ہا!
تجھے میری خواہش ہے؟ میری؟
میری، بالکل؟
ہا ہا!
اور تو مجھے تکلیف پہنچاتا ہے کیوں کہ تو نا سمجھ ہے
اور میری غیرت کو پسپا کر ڈالتا ہے؟
پیار کر مجھے! مجھے اب تک کون گرما رہا ہے؟
مجھے اب تک کون پیار کرتا ہے؟ دے گرم ہاتھ!
دے دل کی انگیٹھی!

دے مجھے! مجھ تنہا ترین کو
جسے وہ برف، آہ! سات گنا برف
خود دشمنوں کا
دشمنوں کا آرزومند بناتا ہی۔
دے، ہاں فرماں برداری کر،
اے ظالم ترین دشمن،
میری، تو!
دور ہو!
دیکھ وہ چلتا ہوا،
میرا آخری اکلوتا ساتھی،
میرا بڑا دشمن،
میرا نا معلوم،
میرا جلاد خدا!
نہیں! لوٹ آ
مع اپنی تمام ایذا رسانیوں کے!
سب گوشہ نشینوں میں سے آخری گوشہ نشین کے پاس
ارے لوٹ آ!
میرے تمام آنسوؤں کی ندیوں کا بہاؤ
تیری طرف ہی!
اور میرے قلب کا آخری شعلہ
تیری طرف دہک رہا ہی!

ارے لوٹ آ ،
ای میرے نامعلوم خدا ! ای میرے درد ! ای میری آخری خوش وقتی !

(۲)

اب زردشت کو بالکل تاب نہ رہی اور اس نے اپنا ڈنڈا اُٹھا کر انتہائی قوت سے اس گریہ وزاری کرنے والے پر مارا اور غصّے کی ہنسی کے ساتھ للکار کر کہا :
"بس چپ رہ ! بس چپ رہ ، ای بھانڈ ! ای جعلی سکہ ساز ! ای سرتاپا جھوٹ !
میں تجھے خوب سمجھتا ہوں !
دیکھ ، میں ابھی تیرے پاؤں گرماتا ہوں ، ای شریر جادوگر ! مجھے تجھ جیسوں کو گرمانا خوب آتا ہی !"
وہ بڈھا زمین پر سے اُچھل پڑا اور کہنے لگا : "بس اب جانے دے ! اور زیادہ نہ مار ، ای زردشت ! یہ سب کچھ میں مذاق سے کہہ رہا تھا۔
ایسی باتیں میری صنعت وحرفت کا جزو ہیں ۔ میں خود تیرا امتحان لینا چاہتا تھا جب میں نے یہ نقل تیرے سامنے پیش کی ! اور واقعی تو مجھے خوب تاڑ گیا !
لیکن تو نے بھی جو نقل میرے سامنے پیش کی وہ کوئی چھوٹی نقل نہیں : تو سخت ہی ، ای دانشمند زردشت ! تو نے اپنی "سچائیوں" سے سخت سخت چوٹیں لگائی ہیں ۔ تیرے ڈنڈے نے مجھے اس سچائی پر مجبور کیا ہی ۔"
زردشت جواب تک برانگیختہ اور غضب ناک تھا کہنے لگا : "چاپلوسی مت کر ، ای سرتاپا بھانڈ ! تو جھوٹا ہی ۔ تو اور سچائی کا دعویٰ !
ای موروں کے مور ، ای گھمنڈ کے سمندر ، تو میرے سامنے کیا کھیل کھیل رہا تھا ، ای بدذات بھانڈ ؟ جب تو خود اس انداز سے گریہ وزاری کرتا ہی تو پھر میں اور کس کا یقین کروں ؟"

بڈھے نے کہا: "میں تائب روح کی نقل اُتار رہا تھا۔ یہ لفظ تیرا ہی ایجاد کردہ ہے، شاعر اور جادوگر کی نقل اُتار رہا تھا جو بالآخر اپنی روح کو خود اپنے ہی خلاف اُبھارتا ہے۔ بدلے ہوئے شخص کی نقل اُتارتا تھا جو اپنے بُرے علم اور ضمیر کی وجہ سے ٹھٹھر رہا ہو۔

اور یہ بھی تسلیم کرلے: میری صنعت اور جھوٹ کے پتا لگانے میں تجھے بڑی دیر لگی، اے زردشت! جب تو میرے سر کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے تھا تو تجھے میری تکالیف کا یقین تھا۔

میں نے تجھے گریہ وزاری کرتے ہوئے سنا ہے: "لوگ اس سے بہت کم محبت کرتے ہیں، بہت کم محبت کرتے ہیں!" میری بدی اندر ہی اندر اس بات پر خوش ہوتی تھی کہ میں نے تجھے اس قدر دھوکا دے دیا۔"

زردشت نے سختی سے جواب دیا: "تو مجھ سے باریک بین تر لوگوں کو دھوکا دے سکتا ہے۔ میں اپنے آپ کو دھوکا دینے والوں سے نہیں بچاتا۔ مجھے بغیر خبرداری کے رہنا پڑتا ہے۔ یہ میری قسمت کا لکھا ہے۔

لیکن تو بغیر دھوکا دیے نہیں رہ سکتا۔ اس قدر میں تجھے پہچانتا ہوں۔ تیری باتوں میں ہمیشہ دو دو تین تین چار چار اور پانچ پانچ معنے ہوتے ہیں۔ وہ بات بھی جس کا تو نے ابھی اقرار کیا ہے میرے نزدیک سچ سے بھی بہت دُور ہے اور جھوٹ سے بھی۔

اے بدذات جعلی سکہ ساز، تو اس کے علاوہ کر ہی کیا سکتا تھا! اگر تو اپنے طبیب سے اپنا معائنہ برہنہ کرائے تو تُو اپنی بیماری پر بھی رنگ چڑھا دے گا۔

اسی طرح تو نے میرے سامنے اپنے جھوٹ پر رنگ چڑھا دیا تھا جب کہ تو نے کہا تھا: "یہ سب کچھ میں نداق سے کہہ رہا تھا۔" اس میں بھی سنجیدگی پائی

جاتی ہی۔ تجھ میں تائب رُوح کا کچھ نہ کچھ حصّہ ضرور ہی۔
میں تجھے خوب تاڑ گیا ہوں: تو نے ہر شخص پر جادو چلایا ہی۔ اب تیرے خلاف
کوئی جھوٹ اور کوئی دھوکا باقی نہیں رہا۔ خود تیرے اوپر سے تیرا جادو اُتر گیا ہی۔
ایک ہی سچائی تو نے کمائی ہی اور وہ تنفر ہی۔ سوائے تیرے منہ کے اور تیری
کوئی چیز اصلی نہیں، یعنی سوائے اس تنفر کے جو تیرے منہ پر چپکا ہوا ہی"۔
بڈھے جادوگر نے غصّے سے چلّا کر کہا: "آخر تو ہوتا کون ہی! مجھ سے کون اس
طرح خطاب کر سکتا ہی، مجھ سے جو میں موجودہ انسانوں میں بزرگ ترین ہوں؟" اور
اس کی آنکھوں سے ایک سبز بجلی زردشت کی طرف نکلی۔ مگر وہ فوراً بدل گیا اور
غم زدہ ہو کر کہنے لگا:
"ای زرتُشت، میں اس سے عاجز آگیا ہوں، مجھے اپنی حرفتوں سے گھن
آتی ہی۔ میں بڑا نہیں ہوں۔ میں کیا ہوں اور کیا بنتا ہوں! لیکن تو خوب جانتا ہی کہ
میں بڑائی کی تلاش میں ہوں!
میں اپنے آپ کو ایک بڑا آدمی ظاہر کرنا چاہتا تھا اور بہتیروں کو منوا چکا تھا
لیکن یہ جھوٹ میری قوت سے بڑھ کر نکلا۔ اسی کی وجہ سے میں چکنا چور ہو رہا ہوں۔
ای زردشت، میری ساری باتیں جھوٹ ہیں۔ مگر یہ کہ میں چکنا چور ہو رہا
ہوں۔ میرا یہ چکنا چور ہونا اصلی ہی"۔
زردشت نے تیوری بدل کر اور کن انکھیوں سے نیچے دیکھتے ہوئے کہا: "یہ
تیرے لیے باعثِ عزّت ہی، یہ باعثِ عزّت ہی تیرے لیے کہ تو بڑائی کی تلاش
میں ہی۔ لیکن اسی سے تیرا بھانڈا بھی کھل جاتا ہی: تو بڑا نہیں ہی۔
ای بدذات بوڑھے جادوگر، یہ تیری سب سے اچھی اور ایمان داری کی بات
ہی، جس کی میں تجھ میں قدر کرتا ہوں، کہ تو اپنے آپ سے اکتا گیا ہی اور یہ علی الاعلان

کہتا ہی: "میں بڑا نہیں ہوں"۔

اسی وجہ سے میں بحیثیت نائبِ روح کے تیری عزت کرتا ہوں۔ اور اگرچہ ایک دم اور ایک لمحے ہی کے لیے یہ عزت تھی تاہم اس لمحے کے اندر تو اصلی تھا۔

مگر بتا تو سہی کہ تو یہاں میرے جنگلوں اور پہاڑیوں میں کیا ڈھونڈنے آیا ہی؟ اور جب تو میرے لیے کمیں گاہ میں بیٹھا ہوا تھا تو میرا کیا امتحان لینا چاہتا تھا؟

تو میرا کس بات میں تجربہ کرنا چاہتا تھا؟"

یہ تھی تقریر زردشت کی۔ اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ بوڑھا جادوگر تھوڑی دیر خاموش رہ کر یوں گویا ہوا: "میں تیرا تجربہ کرتا تھا! نہیں، میں محض ڈھونڈتا تھا۔

ای زردشت، میں ڈھونڈتا ہوں ایک اصلی سچے سیدھے سادے صاف گو کو، ایک ایسے آدمی کو جو سر تا پا ایمان داری ہو اور دانشمندی کا پُتلا اور معرفت کا ولی اللہ، یعنی ایک بڑا انسان۔

کیا تو، ای زردشت، نہیں جانتا؟ میں زردشت کو ڈھونڈتا ہوں"۔

یہاں پہنچ کر دونوں پر ایک طویل خاموشی طاری ہو گئی۔ اور زردشت خود اپنے خیالات میں غرق ہو گیا حتیٰ کہ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن پھر وہ اپنے ہم کلام کی طرف مخاطب ہوا اور جادوگر کا ہاتھ پکڑ کر نہایت شرافت اور سیاست سے کہنے لگا:

"اچھا! وہ راستا جو اوپر کی طرف جا رہا ہی اُسی پر زردشت کا غار واقع ہی۔ جس شخص کے پانے کی تجھے آرزو ہو اسے اسی غار میں تلاش کر!

اور میرے جانوروں سے مشورہ لے، میرے عقاب اور میرے سانپ سے۔ وہ تلاش کرنے میں تیری مدد کریں گے۔ مگر میرا غار بہت وسیع ہی۔

میں نے خود تو اب تک واقعی کسی بڑے انسان کو نہیں دیکھا۔ جو چیز بڑی ہو اس کے دیکھنے کے لیے آج باریک بین تر لوگوں کی آنکھ بھی بھدّی ہو۔ یہ عوام کی حکومت ہو۔

ایسے تو بہتیروں کو میں نے دیکھا ہو جو انگڑائیاں لیتے اور پھول کر کپّا ہو جاتے ہیں اور عوام شور مچانے لگتے ہیں: "دیکھو، وہ ہو بڑا انسان!" لیکن ان تمام پھنکنیوں سے فائدہ کیا! آخر کار ہوا نکل جاتی ہو۔

جو مینڈک بہت دیر تک پھولا رہتا ہو وہ پھٹ جاتا ہو: اس طرح اس کی ہوا نکل جاتی ہو۔ پھولے ہوئے شخص کے پیٹ میں چھیدنا: یہ ایک اچھا مشغلہ ہو۔ سُن رکھو اسے، اے لڑکو!

یہ آج کا دن عوام کی ملکیت ہو۔ اس بات کی اب تک کس کو خبر ہو کہ کون سی چیز بڑی اور کون سی چھوٹی ہو! ایسی حالت میں بڑائی کی تلاش میں کسے کامیابی ہوئی ہو! محض ایک احمق کو، احمقوں کو کامیابی ہوتی ہی ہو۔

تجھے بڑے آدمیوں کی تلاش ہو، اے عجیب و غریب احمق؟ یہ تعلیم تجھے کس نے دی؟ کیا آج ان باتوں کا وقت آگیا ہو؟ اے بد ذات تلاش کرنے والے، تو میرا کیا تجربہ کرتا ہو؟"

زردشت نے اطمینانِ قلبی سے یہ باتیں کیں اور ہنستا ہُوا ننگے پانو آگے بڑھا۔

ملازمت سے سُبک دوش

ابھی جادوگر سے پیچھا چھڑائے زردشت کو زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ اُس نے پھر ایک اور شخص کو اس راہ کے کنارے بیٹھا ہُوا دیکھا جس پر وہ جا رہا تھا۔ یہ شخص سیاہ فام اور دراز قد تھا اور اس کا چہرہ زرد اور بے گوشت۔ اس شخص کو دیکھکر

وہ نہایت کُڑھا اور اپنے دل سے کہنے لگا: "افسوس، مصیبت کپڑے پہنے بیٹھی ہے۔ یہ پادریوں کی قسم کا کوئی شخص معلوم ہوتا ہے۔ ان لوگوں کا میری حکومت میں کیا کام؟

کیوں! ابھی میں نے اس جادوگر سے پیچھا چھڑایا ہی تھا کہ ایک اور گنڈے تعویذ کرنے والا راہ میں آدھمکا،

ایک ہاتھ رکھ کر سحر کرنے والا، ایک پُراسرار معجزہ دکھانے والا خدا کی مہربانی سے، ایک چکنا چپڑا منکرِ دنیا۔ کاش کہ اس کا پالا شیطان سے پڑے۔

لیکن جہاں شیطان کو ہونا چاہیے وہاں وہ کبھی نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ وقت گزرنے کے بعد پہنچتا ہے، یہ ملعون بالشتیہ اور فیل پا!"

یوں بے صبری کے ساتھ زردشت اپنے دل میں اسے کوس رہا تھا اور اس سوچ میں تھا کہ کس طرح آنکھ بچا کر اس سیاہ فام سے آگے نکل جائے۔ مگر اس وقت ایک اور ہی واقعہ پیش آیا: یعنی اسی لمحے میں اس بیٹھے ہوئے شخص کی نظر زردشت پر جا پڑی اور مثل اس آدمی کے جسے کوئی غیر مترقبہ چیز ہاتھ لگ گئی ہو وہ شخص اچھل پڑا اور زردشت کی طرف لپکا۔

اور اس نے کہا: "مجھے اس سے غرض نہیں کہ تو کون ہے، اے راہرو، مگر مدد کر ایک راہ گم کردہ کی، اے تلاش کرنے والے، ایک بوڑھے آدمی کی جس کو یہاں ذرا سی بات میں تکلیف پہنچ سکتی ہے!

یہاں کی دنیا میرے لیے غیر مانوس اور بعید از قیاس ہے۔ اور میں یہاں جنگلی جانوروں کی آوازیں بھی سنتا ہوں۔ اور جو شخص مجھے پناہ دے سکتا تھا وہ خود مرچکا ہے۔

میں آخری پارسا آدمی کی تلاش میں ہوں، ایک ایسے شخص کی جو ولی اللہ اور زاہد ہو اور جسے اپنے جنگل میں اس بات کی خبر نہ ہو جسے آج ساری دنیا جانتی ہے۔"

زردشت نے پوچھا: "وہ کیا بات ہی جو آج ساری دنیا جانتی ہی؟ یہ تو نہیں کہ وہ بوڑھا خدا اب مر چکا ہی جس پر ایک زمانے میں ساری دنیا کو اعتقاد تھا؟"

بڈھے نے غمگین ہو کر کہا: "تجھے یہ معلوم ہی! اور میں نے اس خدا کی مرتے دم تک خدمت کی تھی۔

مگر اب میں ملازمت سے سبک دوش ہو چکا ہوں اور بے آقا کے ہوں، تاہم آزاد نہیں اور کوئی گھڑی بھی مجھ پر خوشی کے ساتھ نہیں گزرتی۔ ہاں اگر گزرتی ہی تو یادوں میں۔

اسی لیے میں ان پہاڑوں پر آیا ہوں تاکہ میں ایک بار اپنا آخری جشن مناؤں جس طرح کہ ایک بوڑھے پوپ اور سردارِ کلیسا کے شایانِ شان ہی۔ کیوں کہ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں آخری پوپ ہوں، یعنی زہد و تقویٰ اور عبادتِ الٰہی کی یاد کا جشن۔

اب تو وہ خود مر چکا ہی یعنی وہ پارساترین شخص وہ جنگل کا ولی اللہ جو خدا کی حمد ہمیشہ گا کر اور گنگنا کر کیا کرتا تھا۔

جب مجھے اس کی جھونپڑی ملی تو وہ خود اس میں نہ تھا مگر دو بھیڑیے تھے جو اس کی موت پر چلا رہے تھے۔ کیوں کہ تمام جانور اس سے محبت کرتے تھے۔ تب میں وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

تو کیا میں ان جنگلوں اور پہاڑوں میں بے فائدہ آیا ہوں؟ نہیں، اس وقت میرے دل نے فیصلہ کیا کہ میں ایک دوسرے شخص کی تلاش کروں جو اُن تمام لوگوں میں پارساترین ہی جو خدا پر اعتقاد نہیں رکھتے، یعنی زردشت کی۔"

یہ کہہ کر بڈھے نے اس شخص کی طرف تیز تیز دیکھا جو اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا مگر زردشت نے بوڑھے پوپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے دیر تک تعجب کے ساتھ دیکھتا رہا۔

پھر وہ یوں کہنے لگا: "دیکھ، اے واجب التعظیم، تیرے ہاتھ کیسے خوب صورت اور لمبے ہیں! یہ ایسے شخص کے ہاتھ ہیں جس نے ہمیشہ برکت بانٹی ہو۔ لیکن اس وقت وہ ہاتھ اس شخص کو پکڑے ہوئے ہیں جس کی تجھے تلاش ہو یعنی میری، زردشت کی۔

میں ہی ہوں زردشتِ ملحد جس کا یہ مقولہ ہو: کون ہو مجھ سے زیادہ ملحد تاکہ میں اس کی تعلیم سے فیضیاب ہوں؟"

زردشت نے یہ گفتگو کی اور اس کی نگاہیں بڈھے پوپ کے خیالات اور پس خیالات میں گزرتی ہوئی چلی گئیں۔ بالآخر وہ یوں کہنے لگا:

"اس خدا سے جو شخص سب سے زیادہ مانوس تھا اور اس پر قبضہ رکھتا تھا اسی کو اب اس کے کھو جانے کا سب سے زیادہ الم ہو۔

دیکھ، غالباً ہم دونوں میں سے اس وقت میں ہی زیادہ ملحد ہوں؟ مگر اس پر خوش ہونا بے معنی ہو!"

زردشت نے ایک گہری خاموشی کے بعد خیالات میں غرق ہو کر یہ سوال کیا: "کیا تو آخری دم تک اس کی خدمت کرتا رہا؟ کیا تجھے معلوم ہو کہ اس کی موت کس طرح آئی؟ کیا یہ سچ ہو جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی ہمدردی نے اس کا گلا گھونٹ دیا،

اور یہ کہ اس نے دیکھا کہ انسان کس طرح صلیب پر لٹکا ہوا ہو اور اس کی برداشت اس سے نہ ہو سکی۔ اور یہ کہ انسان کی محبت اس کے لیے دوزخ اور بالآخر اس کی موت کا باعث ہو گئی؟"

لیکن بوڑھے پوپ نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ شرم اور اندوہناکی اور پژمردگی سے ایک طرف دیکھنے لگا۔

زردشت دیر تک محوِ خیالات رہا اور اس بزرگ کی آنکھوں میں آنکھیں

ڈال کر کہنے لگا: "اُسے چلنے ہی دے!

اُسے چلنے ہی دے! وہ چل بسا ہی۔ اور خواہ یہ تیرے لیے باعثِ عزّت ہی کیوں نہ ہو کہ تو اس مُردے کو محض ذکرِ خیر سے یاد کرتا ہی تاہم ہم دونوں کو خوب معلوم ہی کہ وہ کون تھا اور یہ کہ اس کی راہیں عجیب و غریب تھیں۔"

بوڑھے پوپ نے خوش ہو کر کہا: "یہ بات محض تین آنکھوں کے آگے کرنے کی ہی (دکیوں کہ وہ ایک آنکھ سے کانا تھا) کہ خدا کے معاملات میں میں زردشت سے زیادہ سلجھا ہوا ہوں اور ہونا بھی یوں ہی چاہیے۔

میری محبّت نے سالہا سال اس کی خدمت کی ہی۔ میرے ارادے نے اس کے ہر ارادے کی پیروی کی ہی۔ اچھے نوکر کو ساری باتوں کی خبر ہوتی ہی اور بہتیری ان باتوں کی بھی جو اس کا آقا خود اپنے آپ سے چھپاتا ہی۔

وہ ایک مستور اور پر از اسرار خدا تھا اور سچ تو یہ ہی کہ سیدھے طریقے سے اُسے بیٹا بھی نہیں ملا۔ اس کے اعتقاد کے دروازے پر خلاف ورزیِ نکاح استادہ ہی۔ جو شخص اس کی تعریف بحیثیت خدائے محبّت کرتا ہی وہ خود محبّت کو کوئی اعلیٰ درجے کی چیز نہیں سمجھتا۔ کیا یہ درست نہیں کہ یہ خدا منصف بھی بننا چاہتا تھا؟ مگر محبّت کرنے والے کی محبّت ثواب و عذاب سے بالاتر ہی۔

جب وہ جوان تھا، یعنی یہ مشرقی خدا، تو وہ سنگ دل اور کینہ پرور تھا اور اس نے اپنے چہیتوں کو خوش کرنے کے لیے ایک دوزخ بنائی تھی۔

لیکن آخر کار وہ بوڑھا اور نرم اور پلپلا اور ہمدرد بن گیا اور باپ سے زیادہ دادا سے مشابہ، مگر سب سے زیادہ بوڑھی دادی سے جس کا سر ہل رہا ہو۔

تب وہ پژمردہ ہو کر انگیٹھی کے پاس کونے میں جا بیٹھا اور اپنی کم زور ٹانگوں پر افسوس کرتا رہا، دنیا سے تنگ اور ارادے سے تنگ اور ایک روز تو خود اپنی بیحد

ہمدردی کی وجہ سے اس کا گلا گھنٹ گیا ۔

یہاں پر زردشت نے قطع کلام کر کے کہا : " ای بوڑھے پوپ ، کیا یہ تیرا چشم دید واقعہ ہی ؟ ممکن ہی کہ یہ اسی طرح ہوا ہو : اس طرح یا کسی اور طرح ۔ جب خدا مرتے ہیں تو وہ کئی قسم کی موت مرتے ہیں ۔

مگر خیر ! وہ اس طرح مرا ہو یا اُس طرح یا دونوں طرح بہر حال وہ تو چل بسا ! میرے کانوں اور آنکھوں کا مذاق اس کے خلاف تھا ۔ اس سے زیادہ میں اس کی یادِ بد نہیں کر سکتا ۔

مجھے ان تمام لوگوں سے محبت ہی جن کی نگاہ میں صفائی اور باتوں میں ایمان داری ہو ۔ مگر ، ای بوڑھے پادری ، تو یہ ضرور جانتا ہی کہ اس میں تیرے انداز کی کوئی بات تھی ، پادریوں کے انداز کی : اس کی باتیں موہوم تھیں ۔

اور اس کی باتیں مبہم بھی تھیں ۔ وہ ہم سے اس بات پر کتنا ناراض ہوا ہی ، یہ غصّے کے جھاگ والا ، کہ ہم اس کی باتیں اچھی طرح نہیں سمجھے ! لیکن اس نے زیادہ وضاحت سے کیوں نہیں بیان کیا ؟

اور اگر یہ ہمارے کانوں کا قصور تھا تو پھر اس نے ہمیں ایسے کان کیوں دیے جن کی سماعت خراب تھی ؟ اگر ہمارے کانوں میں مَیل تھا ، خیر ! تو ان میں میل کس نے ڈالا ؟

بہت سے برتن اس سے بگڑ گئے ، اس کمھار سے جس کی تعلیم ادھوری رہ گئی تھی ۔ مگر یہ کہ اس نے اپنے برتنوں اور مخلوقات سے کینہ نکالا اس وجہ سے کہ وہ اس سے ٹھیک نہ بن سکے : یہ گناہ تھا ذوقِ سلیم کے خلاف ۔

پارسائی میں بھی ذوقِ سلیم پایا جاتا ہی جس نے بالآخر یہ کہہ ہی ڈالا : " دور کر ایسے خدا کو ! اس سے تو یہ اچھا ہی کہ کوئی خدا نہ ہو اور انسان اپنی قسمت خود

بنائے اور دیوانہ ہو اور خود خدا بن بیٹھے!"

بوڑھے پوپ نے اس کی طرف کان لگائے اور کہنے لگا: "تو یہ کیا کہہ رہا ہے،

اے زردُشت، تو تو اس سے زیادہ پارسا ہو جتنا کہ تجھے یقین ہو ایسی بے اعتقادی کے ساتھ! تیرے اندر کوئی نہ کوئی خدا ہو جس نے تجھے موجودہ خدا شکنی میں مبدّل کر دیا ہو۔

کیا یہ خود تیری پارسائی نہیں جو تجھے کسی خدا پر اعتقاد لانے نہیں دیتی؟

اور تیری عظیم الشّان صاف گوئی تجھے نیک و بد کے پار پہنچا دے گی۔

دیکھ تو سہی، میرے لیے اب رہا کیا ہو؟ تیرے پاس آنکھیں ہیں اور ہاتھ اور منہ جن کی قسمت میں ازل سے متبرک بنانا لکھا ہوا ہو۔ محض ہاتھ سے متبرک نہیں بنایا جاتا۔

اگرچہ تجھے ملحد ترین ہونے کا دعویٰ ہو تاہم تیرے پاس مجھے ایک طویل تبرک کی مذہبی خوشبو آ رہی ہو۔ اس سے مجھے بیک وقت خوشی اور غم حاصل ہوتا ہو۔

مجھے اپنی مہمانی میں قبول کر، اے زردُشت، محض ایک رات کے لیے!

تیرے پاس سے زیادہ دنیا میں کہیں اور مجھے آرام نہیں مل سکتا۔"

زردُشت نے سخت متعجب ہو کر کہا: "آمین! ایسا ہی ہو! دیکھ، وہ راستا اوپر کی طرف جا رہا ہو۔ اسی پر زردُشت کا غار ہو۔

میں خود بخوشی تیرے ہمراہ چلتا، اے واجب التعظیم، کیوں کہ مجھے تمام پاکباز لوگوں سے محبّت ہو۔ لیکن اس وقت ایک صدائے واویلا مجھے تجھ کو چھوڑنے پر مجبور کر رہی ہو۔

میری حکومت کے اندر کسی کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ میرا غار ایک اچھا

بندرگاہ ہو۔ اور میرے لیے سب سے دل پسند چیز یہ ہو کہ میں ہر حزین کو اس کے پانو پر سنبھال کر اسے کسی مضبوط زمین پر استادہ کردوں۔

لیکن تیرے کاندھوں سے تیری محزونیت کو کون اُتار سکتا ہو؟ میں اپنے آپ کو اس کے لیے بہت کم زور پاتا ہوں۔ ہمیں واقعی بہت دیر تک انتظار کرنا چاہیے قبل اس کے کہ کوئی شخص تیرے خدا کو پھر جگا دے۔

مطلب یہ ہو کہ وہ بوڑھا خدا زندہ نہیں۔ وہ دراصل مرچکا ہو۔"

یہ تھیں باتیں زردشت کی۔

بدصورت ترین اِنسان

پھر زردشت کے قدم جنگل اور پہاڑیں پڑنے لگے اور اس کی آنکھیں رہ رہ کر ڈھونڈتی تھیں مگر جس کو وہ دیکھنا چاہتی تھیں وہ کہیں نظر نہ آتا تھا یعنی وہ شخص جو بڑی مصیبت میں مبتلا تھا اور واویلا کررہا تھا۔ لیکن راستے بھر وہ اپنے دل میں بہت خوش اور شکر گزار تھا اور کہتا تھا: "آج کے دن مجھے کیسی کیسی اچھی چیزیں ملی ہیں اس کے بدلے میں کہ اس کا شگون بُرا ہوا ہو! کیسے کیسے نادر باتیں کرنے والے مجھے ملے ہیں!

ان کی باتوں کو اب میں دیر تک چباؤں گا جیسے کہ عمدہ غلہ چبایا جاتا ہو میرے دانت ان کو چبا کر پیس ڈالیں گے یہاں تک کہ وہ دودھ کی طرح میری روح کے اندر بہنے لگیں گی۔"

لیکن جب راستا پھر ایک چٹان کے آگے سے گھوما تو آناً فاناً سماں کچھ کا کچھ ہو گیا اور زردشت موت کی عمل داری میں داخل ہوا۔ یہاں کالی اور لال چٹانیں ٹکٹکی باندھے ہوئے اوپر کی طرف دیکھ رہی تھیں: نہ گھاس تھی نہ درخت نہ پرندے

کی آواز ۔ یعنی وہ ایک ایسی وادی تھی جس سے تمام جانور حتیٰ کہ درندے بھی گریز کرتے تھے۔ محض ایک قسم کے بدصورت بھدّے اور ہرے سانپ بوڑھے ہو کر یہاں مرنے کے لیے آتے تھے ۔ اس لیے چرواہوں نے اس کا نام رکھا تھا: مرگِ مار ۔

مگر جب زردشت ایک دھندلی سی یاد میں غرق تھا کیوں کہ اسے ایسا خیال پڑتا تھا کہ وہ ایک بار پہلے بھی اس وادی میں ٹھیر چکا ہو۔ اور اسے اپنے دماغ پر ایک بڑا بوجھ محسوس ہوتا تھا یہاں تک کہ اس کے قدم آہستہ پڑتے گئے اور آہستہ تر اور بالآخر وہ ٹھیر گیا ۔ مگر جب اس نے آنکھیں کھولیں تو راہ کے کنارے کوئی چیز دیکھی جس کی شکل انسان کی سی تھی مگر بمشکل انسان کی تھی ، ایک ناگفتہ بہ چیز ۔ اور زردشت پر بے ساختہ شرم طاری ہو گئی اس بات سے کہ اس نے ایسی چیز اپنی آنکھوں سے دیکھی ۔ اس کا چہرہ سفید بالوں تک سرخ ہو گیا اور اس نے اپنی نظر پھیر لی اور قدم اٹھائے تاکہ وہ اس جگہ سے چلتا ہو ۔ مگر اب اس مردہ تودۂ ریگ سے آواز نکلنے لگی : یعنی خُرخُراہٹ اور گڑگڑاہٹ کی آواز نیچے سے اوپر کی طرف اٹھی جیسے کہ رات کے وقت پانی کے بند نَل میں خُرخُراہٹ اور گڑگڑاہٹ کی آواز نکلتی ہو اور بالآخر وہ آواز آوازِ انسانی اور کلامِ انسانی میں مبدل ہو گئی ۔ اور وہ آواز یہ تھی :

" زردشت ! زردشت ! میری چیستاں حل کر ! بول ، بول ! گواہ سے انتقام لینا کس کو کہتے ہیں ؟

میں تجھے پھسلا کر پیچھے کی طرف لے جاتا ہوں ۔ یہاں پھسلونی برف ہو ۔ دیکھ ، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں تیرے گھمنڈ کی ٹانگیں ٹوٹ جائیں !

تو اپنے آپ کو دانشمند سمجھتا ہو ، اے مغرور زردشت ! لہٰذا ذرا اس چیستاں کو حل تو کر ، اے مغرور اخروٹ توڑنے والے ! چیستاں ، وہ میں خود ہوں ۔ پس کہہ تو سہی : میں کون ہوں ! "

اور جب زرتُشت نے یہ باتیں سنیں تو تم کیا خیال کرتے ہو کہ اس کی روح پر کیا گزری ہو گی؟ اس پر ہمدردی کا غلبہ ہوا اور وہ یکایک بیٹھ گیا، مثل اس بلوط کے درخت کے جس نے عرصے تک متعدد درخت گرانے والوں کا مقابلہ کیا ہو وہ دھم سے اور یک بیک گر پڑا جس کی وجہ سے خود اس کے گرانے والے سہم گئے۔ لیکن وہ فوراً زمین سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے چہرے سے سختی کے آثار نمایاں تھے۔

اس نے پیتل کی سی آواز سے کہا: "میں تجھے خوب پہچانتا ہوں - تو خدا کا قاتل ہے! مجھے جانے دے!

تجھے اس کی برداشت نہ ہوئی جس نے تجھے دیکھا، جس نے تجھے ہمیشہ اور آر پار دیکھا، اے بدصورت ترین انسان! تو نے اس گواہ سے انتقام لے لیا!"

یہ کہہ کر زرتُشت چاہتا تھا کہ چل دے لیکن اس ناگفتہ بہ نے اس کے لباس کا ایک کونا پکڑ لیا اور از سر نو خرخرانے اور الفاظ کی تلاش کرنے لگا۔ بالآخر اس نے کہا: "ٹھیر جا!

ٹھیر جا! چلتا مت ہو! میں تاڑ گیا ہوں کہ کس کلھاڑی نے تجھے زمین پر گرایا ہے۔ مبارک ہو، اے زرتُشت، کہ تو پھر پاؤں کے بل کھڑا ہو گیا!

مجھے خوب معلوم ہے کہ تو تاڑ گیا ہے کہ اس شخص کے دل پر کیا گزر رہی ہے جس نے اسے قتل کیا ہے، یعنی قاتلِ خدا کے دل پر۔ ٹھیر جا! میرے پاس بیٹھ جا! یہ بے فائدہ نہ ہو گا۔

اگر میں تیرے پاس نہیں تو اور کس کے پاس جانا چاہتا تھا؟ ٹھیر جا۔ بیٹھ جا! مگر میری طرف دیکھ مت! یوں میری بدصورتی کی عزت کر!

لوگ میرے درپے ہیں۔ اب تو ہی میری آخری جائے پناہ ہے۔ لیکن وہ اپنی نفرت کی وجہ سے درپے نہیں اور نہ اپنے جاسوسوں کے ذریعے سے۔ ارے، ایسے درپے

ہونے کو تو میں مذاق میں ٹال دوں گا اور اس پر گھمنڈ کروں گا اور خوش ہوں گا!
کیا یہ واقعہ نہیں ہو کہ اب تک ساری کامیابی انھیں لوگوں کو حاصل ہوئی ہو جن کا خوب پیچھا کیا گیا ہو۔ اور جو خوب پیچھا کرتا ہو وہ پیروی کرنا بآسانی سیکھتا ہو۔ کیوں کہ آخر وہ پیچھے تو ہو ہی! مگر یہ ان کی ہمدردی ہو،
یہ ان کی ہمدردی ہو جس سے میں بھاگتا ہوں اور بھاگ کر تیرے پاس آنا چاہتا ہوں۔ اے زرتشت، پناہ دے مجھے، اے میری آخری جائے پناہ، اے وہ اکیلے شخص جس نے مجھے حل کیا:
تو نے یہ معمّا حل کر دیا کہ اس شخص پر کیا گزری ہوگی جس نے اسے قتل کیا ہو۔
ٹھیر جا! اور اگر تو جانا ہی چاہتا ہو، اے بے صبر، تو اس راستے سے مت جا جس سے میں آیا ہوں۔ وہ راستا خراب ہو۔
کیا تو مجھ سے اس بات پر ناراض ہو کہ میں بہت دیر سے گفتگو کی ٹانگ توڑ رہا ہوں؟ اور یہ کہ میں نے تجھے مشورہ دیا ہو؟ مگر جان لے کہ میں ہی وہ شخص ہوں: بدصورت ترین شخص،
اور وہ جس کے قدم سب سے بڑے اور بھاری ہیں۔ جہاں کہیں میرے قدم پڑے وہاں راستا خراب ہو گیا۔ میں تمام راستوں کو کچل کر مردہ اور تباہ کر دیتا ہوں۔
مگر اس وجہ سے کہ تو میرے پاس سے چپ چاپ گزر گیا اور اس وجہ سے کہ تو شرما گیا، میں نے اسے خوب دیکھا ہو، میں جان گیا کہ تو زرتشت ہو۔
اگر اور کوئی ہوتا تو میرے لیے بھیک ڈال جاتا یعنی اپنی ہمدردی نگاہوں اور بات چیت سے۔ مگر اس کے لیے میں کافی بھکمنگا نہیں ہوں۔ تو اسے تاڑ گیا ہو۔
بلکہ اس کے لیے بے حد امیر ہوں، امیر اس بات میں جو مہیب ہو اور خوفناک اور بدصورت ترین اور سب سے زیادہ ناگفتہ بہ! تیرا شرمانا، اے زرتشت،

میری عزت افزائی کرتا ہی۔

میں ہمدردوں کی بھیڑ میں سے بڑی مصیبت سے نکل کر آیا ہوں تاکہ میں اس ایک شخص سے ملوں جو آج یہ تعلیم دیتا ہی کہ "ہمدردی بے جا دخل در معقولات ہی" یعنی تجھ سے ملوں، ای زردشت!

خواہ وہ خدائی ہمدردی ہو یا انسانی۔ ہمدردی مخالفِ حیا ہی۔ اور مدد کرنے کی خواہش نہ رکھنا افضل ہی بہ نسبت اس خوبی کے جو اچھل پڑتی ہی۔ لیکن آج کل تمام چھوٹے لوگ اسی کو خوبی سمجھتے ہیں یعنی ہمدردی کو۔ ان کے دل میں بڑی بدبختی بڑی بدصورتی بڑی ناکامی کا کوئی احترام نہیں۔

میری نظر ان سب کے اوپر سے گزرتی چلی جاتی ہی جس طرح سے کہ کُتا بھیڑوں کے جُھنڈ کی پیٹھوں کے اوپر سے دیکھتا چلا جاتا ہی۔ یہ لوگ کم مایہ خوب پشم اور خوش ارادہ اور کاہل ہیں۔

جس طرح سے کہ ایک سوار پایاب تالابوں کو نظرِ حقارت سے دیکھتا ہی اور تن جاتا ہی اسی طرح سے میں سست اور چھوٹی موجوں اور ارادوں اور روحوں کے جمگھٹے کی طرف دیکھتا ہوں۔

مدتوں تک لوگوں کا ان پر ایمان رہا ہی یعنی ان چھوٹے لوگوں پر۔ اور بالآخر قوت بھی ان کے سپرد کر دی گئی ہی۔ اب ان کی تعلیم یہ ہی: "اچھی بات وہی ہی جسے چھوٹے لوگ اچھا کہیں۔"

اور آج کل "سچائی" اس کا نام ہی جو پادری کہے، یہ پادری جو خود انھیں میں سے آیا ہی، وہ عجیب الخلقت اور ولی اللہ اور چھوٹے لوگوں کا شفیع اور جو اپنے متعلق یہ شہادت دیتا ہی کہ "سچائی میں ہوں۔"

یہ سب بے حیا شخص ایک مدت سے چھوٹے لوگوں کو متکبّر بنا رہا ہی، یعنی وہ

شخص جس نے بے حد غلط تعلیم دی جس وقت اس نے یہ تعلیم دی کہ "میں سچائی ہوں۔"
کیا کسی بے حیا کو کبھی اس سے زیادہ مہذب جواب دیا گیا ہو؟ تو، ای زردشت،
اس کے پاس سے گزرا اور تو نے کہا: "نہیں! نہیں! تین بار نہیں!"
تو نے لوگوں کو اس کی غلطی سے خبردار کیا۔ تو پہلا شخص تھا جس نے ہمدردی کے
خلاف آگاہ کیا، سب کو نہیں، کسی کو نہیں، بلکہ خود اپنے آپ کو اور اپنے ہم مشربوں کو۔
بڑے مصیبت زدوں کی شرم سے تجھے شرم آتی ہو۔ اور واقعی جب تو یہ کہتا
ہو کہ "ہمدردی کی طرف سے ایک بڑا بادل آرہا ہو۔ خبردار ہو جاؤ، ای لوگو!"
اور جب تو یہ تعلیم دیتا ہو کہ "تمام تخلیق کرنے والے سخت ہوتے ہیں۔ ہر بڑی
محبت ان کی ہمدردی سے بالاتر ہو": تو، ای زردشت، مجھے معلوم ہوتا ہو کہ تو کتنا
اچھا موسم شناس ہو!
اب رہا تو، اپنے آپ کو اپنی ہمدردی کے خلاف خبردار کر کیوں کہ بے حد
مخلوق تیری طرف آرہی ہو، بہت سے مصیبت زدہ شکی ناامید غرقاب اور لرزاں،
تو میں اپنے آپ سے بھی تجھے خبردار کرتا ہوں۔ تو نے میری بہترین اور بدترین
چیستان کو حل کیا ہو اور خود مجھ کو اور میرے ہر فعل کو۔ میں جانتا ہوں کہ کونسی
کلھاڑی تجھ کو کاٹ کر گرائے گی۔
مگر اس فرد کے لیے سوائے مرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ ان آنکھوں سے
دیکھ رہا تھا جو ہر چیز کو دیکھ سکتی ہوں۔ وہ انسان کی گہرائیاں اور تھاہیں اور اس
کی تمام پوشیدہ قباحتیں اور بدصورتیاں دیکھتا تھا۔
اس کی ہمدردی حیا کا نام تک نہیں جانتی تھی۔ وہ میرے ناپاک گوشوں میں
گھستا پھرتا تھا۔ یہ سخت مخبر اور بے حد دخل درمعقولات کرنے والا اور بڑا ہمدرد آخر
مر ہی گیا۔

اس کی نظر ہمیشہ میری طرف تھی۔ میں چاہتا تھا کہ ایسے گواہ سے بدلہ نکالوں یا خود زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔

وہ خدا جو ہر چیز کو دیکھتا تھا حتی کہ انسان کو بھی ؛ وہ خدا آخر مر ہی گیا ! انسان کو اس بات کی برداشت نہیں کہ ایسا گواہ زندہ رہے ‘‘

یہ تھی تقریر بدصورت ترین انسان کی۔ زرُدشت اٹھا اور جانے کے لیے آمادہ ہو گیا کیوں کہ اس کی انتڑیاں تک ٹھٹھر گئی تھیں۔

اور اس نے کہا : ’’ اے ناگفتہ بہ، تو اپنے راستے سے مجھے خبردار کرتا ہے۔ اس کے شکریے میں مَیں تجھ سے اپنے راستے کی مدح کرتا ہوں۔ دیکھ، وہ اوپر کی طرف زرُدشت کا غار ہے۔

میرا غار وسیع اور عمیق ہے اور اس میں بہت سے گوشے ہیں۔ وہاں پوشیدہ ترین شخص کو بھی اپنے چھپنے کی جگہ مل جاتی ہے۔

اور اس کے قریب ہی رینگنے اور پھڑپھڑانے اور اچھلنے کودنے والے جانوروں کے لیے سیکڑوں دبکنے اور بھاگ نکلنے کی جگہیں ہیں۔

اے مردود جس نے خود اپنے آپ کو مردود کیا ہے، کیا تو یہ نہیں چاہتا کہ انسانوں اور انسانی ہمدردی کے ساتھ زندگی بسر کرے ؟ اچھا تو پھر میری طرح عمل کر ! اس طرح تو مجھ سے سیکھ بھی سکتا ہے۔ محض عامل سیکھ سکتا ہے۔

اور اس کے بعد سب سے پہلے میرے جانوروں سے باتیں کر متکبر ترین جانور اور دانشمند ترین جانور۔ یہی تو ہم دونوں کے لیے ٹھیک مشیر کا کام دیں گے ! ‘‘

یہ کہ کر زرُدشت نے اپنی راہ لی اور وہ اپنے خیالات میں غرق تھا اور پہلے سے بھی آہستہ چل رہا تھا کیوں کہ وہ اپنے دل سے بہت سی باتیں پوچھ رہا تھا جن کا جواب اُس کے لیے آسان نہ تھا۔

اس نے اپنے دل میں خیال کیا : "انسان بھی کیسا ناوار ہی ! کیسا بدصورت اور کیسا خراٹے لینے والا اور پوشیدہ شرم سے کس قدر پُر !

لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ انسان خود اپنے سے محبت کرتا ہی۔ خوب ، یہ خود فریفتگی بھی کیسی بڑی فریفتگی ہو گی ! کس قدر حقارت سے اس کو مقابلہ کرنا پڑے گا اور یہ شخص بھی اپنے آپ سے ایسی ہی محبت کرتا تھا جیسی اسے اپنے آپ سے حقارت تھی ۔ میرے خیال میں وہ ایک بڑا محبت کرنے والا اور بڑا حقارت کرنے والا ہی۔

اب تک مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا ہی جس کی حقارت اپنے آپ سے اِس سے زیادہ گہری ہو۔ یہ بھی ایک بلندی ہی۔ افسوس، شاید یہی وہ انسانِ برتر تھا جس کی چیخ میں نے سنی تھی ؟

مجھے بڑی حقارت کرنے والوں سے محبت ہی۔ اور انسان ایک شو ہی جس سے گزر جانا چاہیے ۔"

خود ساختہ بھکاری

جب زردشت اس بدصورت ترین شخص سے جدا ہوا تو اسے سردی لگنے لگی اور تنہائی محسوس ہوئی ۔ یعنی بہت سی سرد اور تنہا چیزیں اس کی حسّیات میں سے ہو کر گزریں اس طرح سے کہ اس کے اعضا اور زیادہ ٹھنڈے پڑ گئے ۔ جب وہ چڑھتا اُترتا آگے بڑھا ، کبھی سبزہ زار میں ہوتا ہوا تو کبھی خوفناک پتھریلی جگہوں میں سے گزرتا ہوا جہاں کبھی کسی زمانے میں کسی بے چین ندی کا بستر تھا : وہاں اسے یک بیک پھر گرمی محسوس ہوئی اور حواس درست ہو گئے۔

اس نے اپنے دل سے سوال کیا : "آخر مجھے ہو کیا گیا ہی ؟ کوئی گرم اور جاندار چیز جو میرے قریب ہونی چاہیے مجھے بشاشت پہنچا رہی ہی۔

ابھی سے میری تنہائی کم ہوگئی ہے۔ نامعلوم ساتھی اور بھائی میرے کاندھے سے کاندھا رگڑ رہے ہیں۔ میری روح ان کی گرم گرم سانسوں کو محسوس کر رہی ہے۔"

اور جب اس نے اپنے آس پاس نظر دوڑائی اور اپنی تنہائی کے تسلی بخشوں کو تلاش کیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ گائیں ہیں جو ایک ٹیلے پر پاس پاس کھڑی ہیں۔ انھیں کی نزدیکی اور بُو نے اس کے قلب کو گرمی پہنچائی تھی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ گائیں کسی مقرّر کی تقریر کو بڑے انہماک سے سُن رہی ہیں اور انھوں نے آنے والے شخص کی طرف بالکل خیال نہ کیا۔ مگر جب زردشت ان کے بالکل قریب پہنچ گیا تو اس کو صاف سنائی دیتا تھا کہ کوئی انسانی آواز گایوں کے درمیان میں سے بول رہی ہے اور وہ سب کی سب اپنے سَروں کو مقرّر کی طرف پھیرے ہوئے تھیں۔

تب زردشت بڑے جوش کے ساتھ اوپر کی طرف لپکا اور جانوروں کو پھاڑتا ہوا آگے بڑھا۔ کیوں کہ اس کو اندیشہ تھا کہ یہاں کوئی مصیبت زدہ نہ ہو جس کی مصیبت کو گایوں کی ہمدردی مشکل سے دور کر سکتی ہے۔ مگر اس کا یہ خیال ٹھیک نہ نکلا کیوں کہ اس کی نظر یک بیک ایک شخص پر پڑی جو زمین پر بیٹھا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ گایوں کو یہ سمجھا رہا ہے کہ انھیں اس سے ڈرنا نہ چاہیے، ایک صلح کُل شخص اور واعظ کوہی جس کی آنکھوں سے نیکی ٹپک رہی تھی۔ زردشت نے متعجب ہو کر پوچھا: "تو یہاں کس تلاش میں آیا ہے؟"

اس نے جواب دیا: "میں یہاں کیا ڈھونڈ تا ہوں؟ وہی جو تو ڈھونڈ تا ہے، اے وخل انداز! یعنی دنیا میں خوش وقتی۔

مگر اس بات کو حاصل کرنے کے لیے مجھے گایوں سے سبق لینا چاہیے۔ کیوں کہ تجھے خوب معلوم ہے کہ میں آدھی صبح ان کو پھسلانے میں خرچ کر چکا ہوں اور ابھی مجھے اپنا جواب دینے والی ہی تھیں۔ آخر تو انھیں کیوں پریشان کرتا ہے؟

اگر ہم گایوں میں مبدل نہ ہو جائیں تو ہم جنّت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ یعنی
ہمیں ان کی ایک عادت ان سے سیکھنی چاہیے: جگالی کرنا۔
اور سچ تو یہ ہو کہ اگر انسان ساری دنیا کو بھی فتح کرلے لیکن یہ ایک بات یعنی
جگالی کرنا نہ سیکھے تو بے سود ہو۔ وہ اپنی غم گینی کو دور نہ کر سکے گا،
اپنی بڑی غم گینی کو: لیکن آج کل کی اصطلاح میں اس کو نفرت کہتے ہیں۔ وہ
کون سا شخص ہو جس کا دل منہ اور آنکھیں آج نفرت سے پُر نہ ہوں؟ تو بھی! تو بھی!
مگر زرا اِن گایوں کو تو دیکھ!"
یہ کہ کر واعظِ کوہی نے اپنی نظر زردشت کی طرف پھیری کیوں کہ اب تک
اس کی آنکھیں پیار سے گایوں کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ تب وہ متغیر ہو گیا۔
"تو کون ہو جس سے میں باتیں کر رہا ہوں؟" اس نے سہم کر بآوازِ بلند کہا
اور اُچھل پڑا۔
یہ وہ شخص ہو جس میں نفرت نہیں۔ یہ خود زردُشت ہو جس نے بڑی نفرت
پر قابو پا لیا ہو۔ یہ خود زردشت کی آنکھ ہو یہ منہ ہو یہ دل ہو۔"
اور یہ کہ کر اس نے اپنے مخاطب کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اس کے آنسو
بہ رہے تھے اور اس کا حال بالکل اس شخص کا سا تھا جس کے پاس اتفاقاً کوئی قیمتی
تحفہ اور جوہر آسمان سے گرا ہو۔ مگر گائیں یہ ساری باتیں دیکھ رہی اور تعجب کر رہی تھیں۔
"میرا ذکر نہ کر، اے اعجوبہ روزگار! اے سرتا پا محبّت!" یہ زردشت نے
کہا اور اس کی پیار کی باتوں کو روک دیا، "پہلے اپنا ذکر کر! کیا تو وہی خود ساختہ
بھکاری نہیں ہو جس نے ایک بار ایک بڑے تموّل کو رد کر دیا تھا،
جس کو اپنے تموّل سے بھی شرم آتی تھی اور متموّل لوگوں سے بھی اور جو بھاگ کر
سب سے غریب لوگوں کے پاس گیا تاکہ وہ انھیں اپنی افراط اور اپنا دل پیش کش

کرے؟ لیکن انھوں نے اسے منظور نہ کیا۔"

گدائے خودساختہ نے کہا: "ہاں، انھوں نے مجھے منظور نہیں کیا۔ تو یہ خوب جانتا ہے۔ لہٰذا بالآخر میں جانوروں کے پاس گیا اور خاص کر ان گایوں کے پاس۔"

زرتشت نے اس کا قطع کلام کر کے کہا: "وہاں تو نے یہ سیکھا ہے کہ اپنی بات تسلیم کرانے سے دوسرے کی بات تسلیم کرنا کس قدر مشکل تر ہے اور یہ کہ کسی کو کوئی چیز خوش اُسلوبی سے دینا ایک بڑی صنعت ہے اور خوش سلوکی کی آخری ریاکار ترین شاہ صنعت۔"

خود ساختہ بھکاری نے جواب دیا: "بالخصوص آج کل جب کہ ہر پست چیز شورش پسند اور بزدل اور بطرز خود مغرور ہے؛ یعنی بطرزِ عوام۔

کیوں کہ جیسا کہ تجھے خوب معلوم ہے، اب عوام النّاس اور غلاموں کی بڑی اور بری اور لمبی اور سست شورش کا وقت آگیا ہے اور وہ شورش روز افزوں ترقّی پر ہے۔

اب تمام خوش سلوکیاں اور چھوٹے چھوٹے احسانات طبقۂ اسفل کو اشتعال دلاتے ہیں اور امیروں کو چاہیے کہ اپنی خیر منائیں!

جس شخص میں سے آج اس طرح سے قطرے ٹپکتے ہیں جیسے بڑے پیٹ والی بوتل سے جس کا منہ چھوٹا ہو: آج کل ایسی بوتلوں کی گردن توڑ ڈالی جاتی ہے۔

شہوانی حرص صفرادی حسد تکلیف دہ کینہ پروری عوام کا غرور: یہ ساری چیزیں میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اب یہ صحیح نہیں ہے کہ غربا مبارک ہیں۔ بلکہ سلطنتِ آسمانی کی مالک گائیں ہیں۔"

"مگر اس کے مالک امرا کیوں نہیں ہیں؟" زرتشت نے یہ امتحاناً پوچھا اور وہ گایوں کو روکتا جاتا تھا جو اس صلح کُل شخص کو مانوسیت کے ساتھ سونگھ

رہی تھیں۔

اس نے جواب دیا: "تو میرا کیا امتحان لے رہا ہے؟ مجھ سے تو بہتر تُو ہی جانتا ہے۔ وہ کونسی چیز تھی جو مجھے غربا کے پاس لے گئی، اے زردُشت؟ کیا وہ وہ نفرت نہیں تھی جو ہمیں اپنے امرا کی طرف سے تھی؟

تموّل کے منزا یافتوں کی طرف سے جو ٹھنڈی آنکھوں اور بیہودہ خیالات سے ہر کوڑے کرکٹ میں سے اپنا فائدہ نکال لیتے ہیں، ان اوباشوں کی طرف سے جن کی بساہند آسمان تک پہنچتی ہے،

ان مطلّا اور جھوٹے عوام الناس کی طرف سے جن کے آبا و اجداد چور یا مردہ خوار پرندے یا چیتھڑے جمع کرنے والے تھے اور جن کی عورتیں بے تکلف اور شہوت پرست اور نسیانی تھیں۔ یعنی ان لوگوں اور رنڈیوں کے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔

کمینے اوڑھنا کمینے بچھونا! آج کل "غریب" اور "امیر" کا کیا ذکر! اس فرق کو میں بالکل بھول گیا ہوں۔ تب میں وہاں سے بھاگا، دُور اور اور دُور یہاں تک کہ میں ان گایوں کے پاس آ پہنچا۔"

یہ باتیں اس صلح کُل شخص نے کیں اور یہ کہ کر اس نے اپنی ناک صاف کی اور پسینا پسینا ہو گیا یہاں تک کہ گائیں از سرِ نو متعجب ہوئیں۔ لیکن جس وقت وہ اس سختی کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا تو زردُشت اس کے منہ کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور خاموشی کے ساتھ اپنا سر ہلا رہا تھا۔

"تو اپنے اوپر جبر کرتا ہے، اے واعظِ کوہی، جب تو ایسے سخت الفاظ استعمال کرتا ہے۔ ایسی سختی کے لیے نہ تیرا مُنہ پیدا ہوا ہے نہ آنکھیں، اور میرے خیال میں خود تیرا معدہ بھی نہیں بنا ہے: اس قسم کی غضبناکی اور

نفرت اور جھاگ اڑانا اسے راس نہیں آتا۔ تیرے معدے کو اس سے زیادہ نرم
چیزوں کی اشتہا ہو: تو کوئی قصاب تو ہو نہیں۔

بلکہ میرے خیال میں تو جڑی بوٹی کھانے والا ہو۔ شاید تو دانے چباتا ہو۔
لیکن تو یقیناً گوشت کی مسرّتوں سے محروم ہو اور شہد سے رغبت رکھتا ہو۔"

صلحِ کُل گدا نے ٹھنڈے دل سے کہا: "تو مجھے خوب تاڑ گیا ہو۔ مجھے شہد
سے رغبت ہو۔ اور میں دانے بھی چباتا ہوں۔ کیوں کہ میں ہمیشہ اس بات کی
تلاش میں رہا ہوں کہ کونسی چیز خوش ذائقہ ہو اور صاف سانس پیدا کرتی ہو،

نیز یہ کہ کس چیز میں وقت زیادہ لگتا ہو۔ یعنی کاہل اور سست لوگوں کے
لیے ایک دن اور ایک منہ کا کام۔

ظاہر ہو کہ گایوں نے اس میں سب سے زیادہ ترقی کی ہو۔ انھوں نے
جگالی اور دھوپ میں پڑا رہنا ایجاد کیا ہو۔ اور وہ نیز تمام مشکل خیالات سے
دور بھاگتی ہیں جن سے دِل پھول جاتا ہو۔"

زردشت نے کہا: "خوب! لیکن تجھے چاہیے کہ میرے جانوروں کو بھی
دیکھے یعنی میرے عقاب اور میرے سانپ کو۔ آج ان کی نظیر دنیا میں نہیں۔

دیکھ، وہ راستا میرے غار کی طرف جاتا ہو۔ آج کی رات ان کا مہمان
بن! اور جانوروں کی خوش وقتی کے متعلق میرے جانوروں سے بات چیت کر۔

جب تک کہ میں خود نہ آجاؤں۔ کیوں کہ اس وقت ایک صدائے واویلا
مجھے فوراً تیرے پاس سے الگ لے جا رہی ہو۔ اور میرے یہاں تجھے تازہ شہد
بھی ملے گا، برف کی طرح تازہ چھتّے کا سنہرا شہد۔ اسے کھا لینا!

مگر اب جلد اپنی گایوں سے رخصت ہو، اے اعجوبۂ روزگار! اے سَرتاپا محبت!
خواہ وہ تجھ پر گراں ہی کیوں نہ گزرے کیوں کہ یہ تیری عزیز ترین دوست اور

استاد ہیں۔"

خود ساختہ بھکاری نے جواب دیا: "ایک شخص اس سے مستثنیٰ ہو جو مجھے ان سے بھی زیادہ عزیز ہو۔ تو بھلا مانس ہو اور ایک گائے سے بھی بہتر، اے زردشت"

زردشت نے غصّے سے چلاّ کر کہا: "چل دور ہو، اے پاجی خوشامدی! ایسی تعریف اور خوشامدی شہد سے میری کونسی چیز بگڑ سکتی ہو؟"

"چل دور ہو میرے پاس سے!" اس نے دوبارہ چلاّ کر کہا اور اپنا ڈنڈا اس نرم دل گدا کی طرف اٹھایا۔ مگر وہ وہاں سے تیز بھاگا۔

سایہ

ابھی گدائے خود ساختہ وہاں سے روانہ ہوا ہی تھا اور زردشت اپنے ساتھ اکیلا ہونے بھی نہ پایا تھا کہ اسے پیچھے سے ایک نئی آواز سنائی دی جو یہ کہتی تھی: "رُک جا! زردشت! ذرا ٹھیر تو سہی! یہ میں ہوں، زردشت، میں تیرا سایہ!" لیکن زردشت رُکا نہیں۔ کیوں کہ اپنے پہاڑوں پر بہت سی بھیڑ کے جمع ہونے کی وجہ سے وہ یک بیک پریشان ہو گیا اور کہنے لگا: "میری تنہائی کہاں چلی گئی؟

واقعی یہ میرے امکان سے باہر ہو چلا ہو۔ ان پہاڑوں پر بڑی گھچ پچ ہو گئی ہو۔ اب میری حکومت اس دنیا کی نہیں رہی ۔ اب مجھے نئے پہاڑوں کی ضرورت ہو۔

کیا میرا سایہ مجھے پکار رہا ہو؟ مجھے اپنے سائے کی کیا پروا! اس کا جی چاہے تو میرے پیچھے پیچھے دوڑے! میں اس سے بھاگتا ہوں۔"

یہ باتیں زردشت نے اپنے دل سے کہیں اور چلتا ہوا۔ مگر وہ جو اس کے

پیچھے تھا اس کا پیچھا کرتا رہا یہاں تک کہ تین دوڑنے والے ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہے تھے، یعنی سب سے آگے خود ساختہ بھکاری اور پھر زردشت اور تیسرا اور سب سے پیچھے اس کا سایہ۔ اس طرح سے وہ ابھی بہت دیر تک نہ دوڑے تھے کہ زرُدشت اپنی دیوانگی سے جاگ پڑا اور ایک جھٹکا دے کر تمام تکلیفوں اور مصیبتوں کو جھاڑ دیا۔

اس نے کہا: "کیوں! کیا پرانے گوشہ نشین اور اولیا ہمیشہ سے ہمیں مضحکہ انگیز نہیں سمجھتے ہیں؟

واقعی پہاڑوں پر میری دیوانگی بہت ترقی کر گئی ہے! اور اب میں دیکھتا ہوں کہ دیوانوں کی چھ بوڑھی ٹانگیں ایک دوسرے کے پیچھے کھڑکھڑ کر رہی ہیں۔ مگر کیا زرُدشت کو ایک سائے سے ڈرنا چاہیے؟ اور آخر کار میرا یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اس کی ٹانگیں میری ٹانگوں سے لمبی ہیں۔"

زرُدشت نے ہنستی ہوئی آنکھوں اور آنتوں سے یہ کہا اور رُک گیا اور فوراً پیچھے کی طرف پھر گیا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایسا کرنے سے اس نے اپنا سایہ قریب قریب زمین پر پھینک دیا: اس قدر قریب وہ سایہ اس کے ساتھ لگا ہوا تھا اور اس قدر کم زور تھا۔ اور جب اس نے اسے اپنی آنکھوں سے جانچا تو وہ اس طرح سہم گیا جیسے کوئی فوری بھوت سے سہم جاتا ہے: یہ پَیرو اس قدر دُبلا پتلا اور سیاہ فام اور کھوکھل اور فرسودہ نظر آیا۔

زرُدشت نے تیز ہو کر پوچھا: "تو کون ہے؟ یہاں تیرا کیا کام؟ اور تو نے اپنا نام میرا سایہ کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ میں تجھے پسند نہیں کرتا۔"

سائے نے جواب دیا: "مجھے معاف کر کہ یہ میں ہوں۔ اور اگر میں تجھے پسند نہیں ہوں تو خیر، اے زرُدشت، اس بارے میں میں تیری اور تیرے مذاق کی

تعریف کرتا ہوں۔

میں ایک سیاح ہوں جو بہت زیادہ تیرے پیچھے پھرا ہی: ہمیشہ برسرِ راہ مگر بغیر کسی مقصد کے اور نیز بغیر کسی وطن کے: یہاں تک کہ مجھ میں اور دائمی یہودی میں زیادہ فرق نہیں رہا۔ ہاں اگر ہی تو یہ کہ میں نہ دائمی ہوں اور نہ یہودی۔

کیوں؟ کیا مجھے ہمیشہ برسرِ راہ رہنا چاہیے؟ ہر بگولے کے پھیر میں، ناپائدار اور مفرور؟ ای زمین، تو میرے لیے ضرورت سے زیادہ گول ہوگئی ہی!

میں ہر سطح پر بیٹھ چکا ہوں۔ تھکی ماندی گرد کی طرح میں آئینوں اور کھڑکیوں کے شیشوں پر سو چکا ہوں۔ ہر چیز مجھ سے کچھ نہ کچھ لے بھاگتی ہی مگر کچھ دیتی نہیں اور میں دُبلا پتلا ہوتا چلا جاتا ہوں۔ میں قریب قریب ایک سائے کی طرح ہو کر رہ گیا ہوں۔

مگر، ای زردشت، میں مدتِ دراز تک تیرے پیچھے پیچھے بھاگا پھرا ہوں اور اگرچہ میں نے اپنے آپ کو کبھی کبھی تجھ سے پوشیدہ بھی رکھا ہی تاہم میں تیرا بہترین سایہ ہوں: جہاں کہیں تو بیٹھا ہی میں بھی بیٹھا ہوں۔

میں تیرے ساتھ دور دراز ترین اور سرد ترین دنیاؤں میں پھرا ہوں مثل ایک ہمزاد کے جو بخوشی یخ بستہ چھتوں اور برف پر دوڑتا پھرتا ہی۔

میں تیرے ساتھ ہر ممنوع ترین اور بدترین اور دور ترین جگہوں میں دوڑ کر گیا ہوں۔ اور اگر مجھ میں کوئی نیک خصلت ہی تو وہ یہ ہی کہ میں نے کسی ممانعت سے خوف نہیں کھایا ہی۔

تیرے ساتھ مل کر میں نے اپنے تمام دلی معبودوں کو توڑا ہی، تمام سنگہائے سرحد اور بتوں کو میں نے اُلٹ دیا ہی، مخدوش ترین خواہشوں کا میں نے تعاقب کیا ہی۔ واقعی میں ہر جرم پر سے ایک نہ ایک بار گزر چکا ہوں۔

تیرے ساتھ مل کر میں نے الفاظ اور قیمتیات اور بڑے ناموں پر اعتقاد رکھنے کو بھلا دیا ہی۔ جب شیطان اپنی کیچلی اُتارتا ہی تو کیا اس کا نام بھی اُتر نہیں جاتا ؟ نام بھی کیچلی ہی ہی اور شاید شیطان خود کیچلی ہی۔

"کوئی چیز حقیقی نہیں، ہر کام جائز ہی": اس طرح میں نے اپنے دل کو سمجھا رکھا ہی۔ ٹھنڈے سے ٹھنڈے پانی میں مَیں نے غوطہ لگایا ہی سر اور دل کے ساتھ۔ آہ، کتنی بار میں سرخ جھینگے کی طرح وہاں برہنہ کھڑا ہوتا تھا!

آہ، میری ساری نیکی اور حیا اور نیکوں پر اعتقاد کو کیا ہو گیا! آہ، کہاں چل دی وہ جھوٹی معصومیت جو میں کبھی رکھتا تھا، یعنی نیکوں اور ان کے شریف جھوٹوں کی معصومیت!

واقعی میں نے سچائی کا پیچھا بہت ہی قریب سے کیا ہی۔ تب وہ میرے روبرو ظاہر ہوئی۔ بعض مرتبہ میرا خیال ہوتا تھا کہ میں جھوٹ بولوں۔ مگر عجب، کہ اسی وقت میں نے سچائی کو پایا۔

یہ بات مجھ پر اکثر صاف طور سے ظاہر ہوئی کہ اب مجھے اس کی کچھ پروا نہیں اب ایسی کوئی چیز موجود نہیں جس سے مجھے محبّت ہو۔ تو پھر اب میں خود اپنے آپ سے کس طرح محبت کر سکتا ہوں ؟

"یا تو میں حسبِ مرضی جیوں اور یا بالکل نہ جیوں": یہ ہی میری خواہش ہی اور یہی ولی سے ولی کی بھی خواہش ہی۔ مگر حیف! میری طبیعت اور کس طرف مایل ہو سکتی ہی ؟

کیا میرا اور کوئی مقصد ہی؟ کوئی بندرگاہ جس کی طرف میرا بادبان اُڑتا ہو ؟

ایک اچھی ہوا ؟ آہ، وہی شخص جس کو یہ معلوم ہو کہ وہ کہاں جاتے گا یہ بھی

جانتا ہی کہ کونسی ہوا اچھی ہی اور اس کے سفر کے راس آئے گی ۔
اب میرے لیے کونسی چیز باقی رہ گئی ہی ؟ ایک دل جو تھکا ماندہ اور شوخ ہی، ایک ناپائدار ارادہ ، پھڑپھڑاتے ہوئے پر و بال، ایک شکستہ ریڑھ کی ہڈی ۔
یہ میری تلاشِ وطن : ای زرتُشت، تجھے خوب معلوم ہی کہ یہ تلاش میرے لیے باعثِ اذیت ہی۔ وہ مجھے کھائے ڈالتی ہی۔
" میرا وطن ہی کہاں ؟"، یہی میں پوچھتا ہوں اور اسی کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں اور یہی مجھے نہیں ملتا۔ اور دائمی ہر جگہ ، اور دائمی کہیں نہیں، اور دائمی عبث !
یہ تھی تقریر سائے کی۔ اور اس کی باتیں سن کر زرتُشت کا چہرہ لمبا ہوگیا اور بالآخر اس نے غم زدہ ہو کر کہا : " تو میرا سایہ ہی !
تیرا خطرہ کوئی چھوٹا خطرہ نہیں ، ای آزاد منش اور سیاح ! تجھ پر ایک روزِ بد گُزرا ہی۔ خبردار ، کہیں تیری شام بدتر نہ ہو !
تجھ سے ناپائداروں کو قید خانہ بھی بالآخر مبارک معلوم ہونے لگتا ہی۔ کبھی تو نے یہ بھی دیکھا ہی کہ محبوس مجرم کس طرح سوتے ہیں ؟ وہ اطمینان کے ساتھ سوتے ہیں، وہ اپنے نئے امن و امان کا مزہ لیتے ہیں ۔
خبردار ہو کہ کہیں تجھے بالآخر ایک دوسرا تنگ تر اعتقاد پھانس نہ لے، ایک مضبوط تر اور سخت تر کج فہمی ! ہر چیز جو تنگ اور مضبوط ہو تجھ کو لبھاتی ہی اور تیرا امتحان کرتی ہی۔
تو نے مقصد کو ضایع کر دیا ہی۔ ہائے ، تو کس طرح اس نقصان سے عہدہ برآ ہوگا اور اس کو بھول سکے گا ؟ اس کے ساتھ ہی ساتھ تو راستا بھی بھول گیا ہی !
ای بےچارے راہ گم کردہ اور جوشیلے ، ای تھکی ماندی تتلی ! کیا تو آج شام کے لیے آرام اور مکان کا خواہش مند ہی؟ اگر ہی تو وہاں او پر میرے غار میں جا !

دیکھ وہ راستا میرے غار کو جاتا ہی۔ اور اب میں فوراً تجھے چھوڑ کر چلا جانا چاہتا ہوں۔ بمجھے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ کوئی سایہ میرے سر پر سوار ہی۔

میں اکیلا جانا چاہتا ہوں تاکہ میرے آس پاس پھر روشنی ہو جائے۔ اس بات کے لیے مجھے بخوشی دوڑنا چاہیے۔ اور شام کے وقت میرے یہاں ناچ ہوگا۔"

یہ تھیں باتیں زرُدشت کی۔

دوپہر کے وقت

اور زرُدشت بڑھتا چلا گیا اور کسی سے اس کی ملاقات نہ ہوئی اور وہ تنہا تھا اور بار بار اپنے آپ ہی کو پاتا تھا اور اپنی تنہائی کے مزے لیتا تھا اور اسے سُڑکتا جاتا اور اچھی اچھی باتوں کا خیال کرتا جاتا تھا، گھنٹوں تک۔ لیکن دوپہر کے وقت جب سورج ٹھیک زرُدشت کے سر کے اوپر تھا تو وہ ایک پرانے ٹیڑھے اور گٹھیلے درخت کے پاس سے گزرا جس کو انگور کی ایک بیل نے اپنے آغوشِ محبت میں لے لیا تھا اور جو خود اپنے سے پوشیدہ تھا۔ اس بیل میں زرد زرد انگور اس سیاح کو لگے ہوئے دکھائی دیے۔ تب اس کا جی چاہا کہ ایک انگور کو توڑ کر زرا اپنی پیاس بجھا لے۔ لیکن ابھی اس نے اپنا ہاتھ اُٹھایا ہی تھا کہ اسے اس سے ایک بزرگتر خواہش محسوس ہوئی، یعنی یہ کہ وہ ساری دوپہر بھر درخت کے قریب لیٹ جائے اور سو رہے۔

زرُدشت نے ایسا ہی کیا۔ اور جوں ہی وہ رنگ برنگ گھاس کی خاموشی اور پوشیدگی میں زمین پر لیٹا تو وہ اپنی تھوڑی سی پیاس کو بھی بھول گیا اور سو گیا کیوں کہ بقولِ زرُدشت ایک چیز دوسری سے زیادہ ضروری ہی۔ فرق محض اتنا تھا کہ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ مطلب یہ ہی کہ درخت اور انگور کی بیل

کی محبت کو دیکھنے اوران کی تعریف کرنے سے وہ سیر نہ ہوئیں۔ مگر سوتے سوتے زردشت اپنے دل سے یوں گویا ہوا :

"خاموش! خاموش! کیا دنیا ابھی مکمل نہ تھی ؟ آخر مجھ پر کیا گزر رہی ہے ؟

جس طرح کہ ایک نازک ہوا ، نظر سے پوشیدہ ، سطحِ صفحۂ آب پر رقص کرتی ہے، ہلکی ، پر کی طرح ہلکی ، اسی طرح غنودگی مجھ پر رقص کر رہی ہے۔

وہ میری آنکھ کو بالکل بند نہیں کرتی ، وہ میری روح کو بیدار رکھتی ہے، واقعی وہ ہلکی ہے! پر کی طرح ہلکی ۔

وہ مجھے پھسلاتی ہے ، نہ معلوم کس طرح ؟ وہ مجھے اندر ہی اندر اپنے محبت آمیز ہاتھوں سے چھوتی ہے۔ وہ مجھے مجبور کرتی ہے۔ ہاں وہ مجھے اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ میری روح ہاتھ پاؤں پھیلائے۔

وہ کس طرح ہاتھ پاؤں پھیلائے سست پڑی ہے ، میری عجیب وغریب روح ! کیا اس کے پاس ساتویں دن کی رات ٹھیک دوپہر کے وقت آئی ؟ کیا وہ بہت دنوں تک خوش وخرم اچھی اور پختہ چیزوں کے درمیان پھرتی رہی ہے ؟

وہ ہاتھ پاؤں پھیلائے لمبی پڑی ہے ، لمبی ، زیادہ لمبی ! وہ چپ چاپ پڑی ہے ، میری عجیب وغریب روح ۔ وہ اب تک بے حد اچھی چیزیں چکھ چکی ہے ۔ یہ سنہری غمگینی اسے کچلے ڈالتی ہے۔ وہ تیوری چڑھا رہی ہے۔

مثل ایک جہاز کے جو اپنی خاموش خلیج میں داخل ہوتا ہے : اب وہ لمبے سفروں اور مشتبہ سمندروں سے تنگ آکر زمین پر تکیہ لگا کر بیٹھ جاتا ہے۔ کیا زمین زیادہ وفادار نہیں ہے ؟

جس طرح کہ ایسا جہاز زمین سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوتا ہے ، ہم آغوش ہو جاتا

ہے: اس وقت یہ کافی ہے کہ ایک مکڑی خشکی سے آکر اپنا جالا اس پر تان دے۔
اس سے زیادہ مضبوط رسّوں کی ضرورت اسے نہیں پڑتی۔

جس طرح سے کہ ایسا تھکا ماندہ جہاز خاموش ترین خلیج میں آرام کرتا ہے
اسی طرح میں بھی زمین کے قریب آرام کرتا ہوں، وفاداری کے ساتھ، بھروسے
کے ساتھ، منتظر، اور اس کے ساتھ پتلے سے پتلے ڈورے سے بندھا ہوا۔

اے خوش وقتی! اے خوش وقتی! کیا تو گائے گی، اے میری روح؟
تو گھاس پر لیٹی ہوئی ہے۔ مگر یہ پوشیدہ اور سنجیدہ گھڑی ہے جب کہ کوئی چرواہا
اپنی بانسری نہیں بجاتا۔

خبردار ہو! گرم دوپہر کھیتوں کے اوپر سو رہی ہے۔ گا مت! خاموش!
دنیا مکمل ہے۔

گا مت، اے میری گھاس کی پر والی روح! کانا پھوسی بھی مت کر!
دیکھ تو سہی، خاموش! پرانی دوپہر سو رہی ہے، اس کا منہ ہل رہا ہے۔ کیا وہ
خوش وقتی کا ایک قطرہ پی نہیں رہی ہے۔

ایک پرانا بادامی قطرہ سنہری خوش وقتی کا، سنہری شراب کا؟ کوئی
چیز اس کو چھوتی ہوئی گزر جاتی ہے۔ اس کی خوش وقتی قہقہہ لگا رہی ہے۔ اسی
طرح ایک خدا بھی ہنستا ہے۔ خاموش!

"خوش وقتی کے لیے، خوش وقتی کے لیے کس قدر کم چیز کی ضرورت ہے!"
یہ میں نے ایک مرتبہ کہا تھا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھ دار خیال کرتا تھا۔ مگر یہ ایک
بے ادبی تھی: اس کا علم مجھے اب ہوا ہے۔ سمجھ دار بے وقوف اس سے بہتر گفتگو
کرتے ہیں۔

خود کمترین سے کمترین چیز، آہستہ ترین اور سبک ترین چیز، چھپکلی کی

سرسراہٹ، ایک سانس، ایک ہُش، ایک لمحہ۔ بہترین سے بہترین خوش وقتی
کے لیے بہت کم چیز کی ضرورت ہی۔ خاموش!
مجھ پر کیا گزری: کان دھر کر سن! کیا وقت ہاتھ سے جاتا رہا؟ کیا میں
گر نہیں رہا ہوں؟ سن! کیا میں ہمیشگی کے کنوئیں میں گر نہیں پڑا ہوں؟
مجھ پر کیا گزر رہی ہی؟ خاموش! افسوس، کیا میرے دل میں کوئی چٹکی
لے رہا ہی؟ دل میں! ای دل، ایسی خوش وقتی، ایسے ڈنک کے بعد چکنا چور ہو جا!
کیا؟ کیا دنیا ابھی مکمل نہ تھی؟ گول اور پختہ؟ ارے یہ سنہرا گول حلقہ! وہ
کہاں اُڑا جا رہا ہی؟ چل میں اس کا پیچھا کروں! اُہش!
خاموش — " (اب زرُدشت نے اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا دیے اور اسے
یہ محسوس ہوا کہ گویا وہ سو رہا ہی)۔
اس نے اپنے دل سے کہا: " اٹھ، ای سونے والے! ای قیلولہ کرنے
والے! اچھا، اٹھو، ای بوڑھی ٹانگو! وقت آپہنچا ہی بلکہ وقت سے بھی زیادہ
ابھی راستے کے بڑے بڑے حصے تمھارے لیے باقی ہیں۔
اب تو تم کافی سو چکے ہو گے، اور پھر کب تک سو گے؟ آدھی ہمیشگی تک!
اچھا اُٹھ، ای میرے بوڑھے دل! ایسی نیند کے بعد تجھے کتنی دیر تک جاگنے کی
اجازت ہی؟"
(اور وہ پھر از سرِ نو سو گیا، مگر اس کی روح نے پھر اس کی مخالفت کی
اور خم ٹھوک کر کھڑی ہو گئی اور پھر لیٹ گئی) " مجھے چھوڑ تو سہی! خاموش! کیا
دنیا ابھی مکمل نہ تھی؟ ارے یہ سنہری گول گیند!"
زرُدشت نے کہا: " اٹھ، ای ننھّی چور، ای کاہل! کیا؟ ابھی تک تو
اپنے ہاتھ پاؤں پھیلاتی ہی، جمائیاں لیتی ہی، آہ بھرتی ہی، گہرے کنوؤں میں

گرتی ہی؟

آخر تو ہی کون! ای میری روح!" (اور یہاں وہ سہم گیا کیوں کہ آسمان سے سورج کی ایک کرن اس کے چہرے پر گری)

اس نے آہ بھر کر کہا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا:" ای میرے اوپر والے آسمان کیا تو مجھے دیکھتا ہی؟ کیا تو میری عجیب وغریب روح کی آواز کان دھر کر سُنتا ہی؟

تو شبنم کے اس قطرے کو کب پیے گا جو زمین کی ہر چیز پر گر چکا ہی؟ تو اس عجیب وغریب روح کو کب پیے گا؟

ای ہمیشگی کے کنوئیں! ای نصف النہار کے خوش وخرم دہشتناک گڑھے! تو کب میری روح کو اپنے اندر جذب کرلے گا؟

یہ کہہ کر زردُشت اپنے اڈے سے جو درخت کے پاس تھا اٹھا جیسے کہ کوئی بیرونی نشے سے بیدار ہوتا ہی۔ اور کیا دیکھتا ہی کہ سورج ابھی تک اس کے سر کے اوپر کھڑا ہی۔ اس سے ہر شخص اس ٹھیک نتیجے پر پہنچ سکتا ہی کہ زردُشت اس روز زیادہ نہیں سویا۔

صاحب سلامت

دیر تک بے کار ڈھونڈنے اور ادھر ادھر پھرنے کے بعد زردُشت بالآخر تیچھلے پہر اپنے غار میں واپس آیا۔ لیکن جب وہ اپنے غار کے سامنے کھڑا تھا اور اس سے بیس قدم کے فاصلے پر بھی نہ ہوگا تو وہ واقعہ پیش آیا جس کی امید اس وقت سب سے کم تھی: اس نے از سرِ نو وہ بڑی واویلا سُنی۔ اور عجب! اس بار وہ واویلا خود اس کے غار سے آئی، اور وہ ایک مسلسل اور کئی گُنی اور عجیب وغریب

چیخ تھی ۔ اور زردشت کو صاف صاف یہ فرق معلوم ہوتا تھا کہ وہ کئی آوازوں سے مخلوط ایک آواز تھی ۔ اگر یہ چیخ دور سے سنائی دیتی تو ضرور ایسا معلوم ہوتا کہ وہ ایک ہی منہ سے آرہی ہے ۔

اب زردشت اپنے غار کی طرف جھپٹا اور دیکھو کہ اس ساز کے بعد کون سا تماشا اس کا منتظر تھا ۔ کیوں کہ وہ سب وہاں اکٹھا بیٹھے ہوئے تھے جن کے پاس سے وہ دن میں گزرا تھا : دہنی طرف والا بادشاہ اور بائیں طرف والا بادشاہ، بوڑھا جادوگر، پوپ، خود ساختہ گدا، سایہ، صاف ضمیر روح والا غمگین پیشین گو اور گدھا لیکن بدصورت ترین شخص اپنے سر پر تاج رکھے ہوئے اور کمر میں دو زرق برق پیٹیاں باندھے ہوئے تھا، کیوں کہ تمام بدصورت لوگوں کی طرح وہ بھی بھیس بدلنے اور اپنے آپ کو خوب صورت ظاہر کرنے کو پسند کرتا تھا ۔ اور ان غمزدہ لوگوں کے درمیان زردشت کا عقاب پریشان اور بے چین کھڑا ہوا تھا، کیوں کہ اس سے بہت زیادہ سوالات پوچھے جارہے تھے جن کا جواب اس کی غیرت نہ دے سکتی تھی مگر عقلمند سانپ اس کی گردن سے لٹکا ہوا تھا ۔

زردشت نے ان سب چیزوں کو بڑے تعجّب سے دیکھا ۔ لیکن اس کے بعد اس نے اپنے تمام مہمانوں پر ایک ایک کر کے بڑی مہربانی اور غور سے نظر ڈالی اور ان کی روح کا مطالعہ کیا اور از سرِ نو متحیر ہوا ۔ لیکن اس اثنا میں وہ مجمع اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور ادب و احترام کے ساتھ زردشت کی تقریر کا منتظر تھا ۔ اور زردشت یوں گویا ہوا :

"اے مایوسو ! اے عجیب و غریب لوگو ! اچھا تو وہ تمھاری واویلا تھی جو میں نے سُنی تھی ؟ اور اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ وہ شخص جس کو میں آج عبث ڈھونڈ رہا تھا کہاں ہے، یعنی انسانِ برتر :

وہ خود میرے غار میں بیٹھا ہوا ہی ۔ انسانِ برتر! لیکن مجھے تعجب کیوں ہو رہا ہی !
کیا میں خود اسے پھسلا کر اپنے یہاں نہیں لایا ہوں ، شہد کے چڑھاوے اور اپنی خوشوقتی کی دھوکے باز پھسلاہٹ سے ؟

لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ تم میں باہم اٹھنے بیٹھنے کی قابلیت بالکل نہیں۔ جب تم ہم صحبت ہوتے ہو، ای واویلا کرنے والو، تو کیا تم ایک دوسرے کو پریشان کرتے ہو؟ اس بات کی اشد ضرورت ہی کہ پہلے کوئی اور آئے ،

کوئی اور جو تمھیں پھر ہنسائے ، ایک ہنس مکھ مسخرا ، ایک رقّاص اور آندھی اور وحشی ، کوئی نہ کوئی پرانا بیوقوف۔ تمھارا کیا خیال ہی ؟ مجھے معاف کرو ، ای مایوسو ، کہ میں تمھارے سامنے ایسی چھوٹی باتیں کرتا ہوں جو واقعی تم جیسے مہمانوں کے شایانِ شان نہیں۔ مگر تمھارے گمان میں بھی نہیں آسکتا کہ میرے دل میں کس چیز سے جرأت پیدا ہو سکتی ہی۔

یہ خود تمھاری وجہ اور تمھیں دیکھنے کی وجہ سے پیدا ہو سکتی ہی۔ اس میں میں قابلِ معافی ہوں۔ مطلب یہ ہی کہ جو شخص کسی مایوس کو دیکھتا ہی وہ جری ہو جاتا ہی۔ کسی مایوس سے باتیں کرنے کے لیے ہر شخص اپنے آپ کو کافی مضبوط سمجھتا ہی۔

خود مجھے بھی تم ہی لوگوں سے یہ تقویت حاصل ہوئی ہی۔ یہ ایک عمدہ تحفہ ہی، ای میرے بزرگ مہمانو ! مہمانوں کی طرف سے ایک نادر تحفہ ! اچھا تو ناراض نہ ہونا اگر میں بھی اپنی طرف سے تمھیں پیش کروں۔

یہ یہاں میرا ملک اور میری حکومت ہی۔ لیکن میری ہر چیز آج شام اور رات کے لیے تمھاری ہی۔ میرے جانور تمھاری خدمت کریں گے ، میرا غار تمھارا آرام گاہ بنے گا۔

میرے وطن اور مکان میں کسی کو مایوس نہ ہونا چاہیے۔ اپنی عملداری

میں میں ہر شخص کو اس کے جنگلی جانوروں سے پناہ دوں گا۔ اور یہی پہلی بات ہے جو
میں تمھیں تحفتہً پیش کش کرتا ہوں : امن و امان۔

اور دوسری چیز یہ ہے: میری چھنگلی۔ اور جب تم اسے پکڑ لو تو سارا پہنچا پکڑ
لینا بلکہ اس کے ساتھ دل بھی۔ اچھا! میں تمھارا خیر مقدم کرتا ہوں: خوش آمدید،
اے میرے مہمان دوستو!"

یہ کہہ کر زرتشت محبّت اور شرارت کے مارے ہنسنے لگا۔ اس صاحب
سلامت کے بعد اس کے مہمانوں نے دوبارہ سر خم کیے اور ادب سے خاموش
ہو گئے۔ لیکن دہنی طرف والے بادشاہ نے ان سب کی طرف سے جواب دیا:

"اے زرتشت، تیرے مصافحے اور صاحب سلامت کے انداز سے ہم
سمجھ گئے کہ تو زرتشت ہے۔ تو نے ہمارے آگے فروتنی کی، گویا تو نے ہمارے
ادب و احترام کو تکلیف پہنچائی۔

اور دوسرا کون ہو سکتا ہے جو تیری طرح اس غرور کے ساتھ فروتنی کرے؟
یہ ہمیں بلند کرتا ہے، یہ ہماری آنکھوں اور دلوں کو تر و تازہ کرتا ہے۔

محض اس بات کے نظارے کے لیے ہم بخوشی اس سے بلند تر پہاڑوں
پر چڑھ سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم کو شوقِ نظارہ یہاں لایا ہے۔ ہم اس چیز کو دیکھنا
چاہتے تھے جس سے بے نور آنکھوں میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔

اور دیکھ، ہماری ساری واویلا کا خاتمہ ہو گیا۔ ہمارا دل و دماغ کھُل گیا۔
اور کھِل گیا۔ اب اس میں تھوڑی ہی کسر باقی ہے کہ ہماری جرأت ہمت ہار دے۔

اے زرتشت، اعلیٰ عزم بالجزم سے زیادہ دل خوش کن اور کوئی چیز زمین
پر نہیں اگتی، یہ اس کا خوب صورت ترین پودا ہے، ایسا درخت آس پاس کے
خطۂ زمین کو تر و تازہ کر دیتا ہے۔

میں اس شخص کو صنوبر سے تشبیہ دیتا ہوں جو تیری طرح، ای زردشت، اُگتا ہی:
بلند، خاموش، مضبوط، تنہا، بہترین لوچدار لکڑی والا، شاندار،
اور بالآخر سخت اور سرسبز شاخوں سے اپنی حکومت کو اچک لینے والا،
آندھیوں اور آب وہواؤں اور ہر اس چیز سے جس کا مقام بلندیوں پر ہو کڑے
سوالات پوچھنے والا،
اور زیادہ کڑے جواب دینے والا، ایک حاکم، ایک فاتح: ارے، ایسے
پودے کا نظّارہ کرنے کے لیے کون بلند پہاڑوں پر نہ چڑھے گا؟
تیرے اس درخت سے، ای زردُشت، خشک مزاج اور بدشکل بھی
تروتازہ ہو جائیں گے۔ تیرے نظّارے سے ڈگمگاتے ہوؤں کے بھی قدم جم
جائیں گے اور ان کے دل شفا پائیں گے۔
اور واقعہ بھی یہی ہی کہ آج تیرے پہاڑ اور درخت کی طرف بہت سی
نظریں اُٹھ رہی ہیں اور ایک تمنّائے عظیم بپا ہی اور بہتیروں نے یہ کہنا سیکھ لیا ہی:
زردُشت کون ہی؟
اور جس جس کے کان میں تو نے اپنا راگ اور شہد ٹپکایا ہی، خواہ وہ پوشیدہ
ہوں یا اکیلے دُکیلے، سب کے سب یک بیک اپنے دلوں سے کہنے لگے ہیں:
"کیا زردُشت اب تک زندہ ہی؟ اب زندگی بے سود ہی، ہر چیز یکساں ہی؛
ہر چیز بے فائدہ ہی، اور نہیں تو ہمیں زردُشت کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہیے!"
بہت لوگ یہ سوال کرتے ہیں: "وہ شخص کیوں نہیں اُچکتا جو اپنے آنے کی
خبر اتنی مدّت سے دے چکا ہی؟ کیا تنہائی اس کو نگل گئی ہی؟ یا شاید ہمیں اس
کے پاس جانا چاہیے؟"
اب یہ واقعہ پیش آتا ہی کہ خود تنہائی پھُسپھُس اور چکنا چور ہو جاتی ہی، مثل

اس قبر کے جو پاش پاش ہوگئی ہو اور اپنے مردوں کو سنبھال نہ سکے۔ ہر جگہ یہی دکھائی دیتا ہو کہ مُردے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

اب تیرے پہاڑ کے ارد گرد موجیں اٹھتی چلی آرہی ہیں، اے زردشت۔ اور تیری بلندی کتنی ہی اونچی کیوں نہ ہو بہتیرے تیرے پاس آنے کے لیے مجبور ہیں۔ تیری ناؤ دیر تک خشکی پر نہ ٹھیرے گی۔

اور یہ کہ ہم مایوس لوگ اب تیرے غار میں آئے ہیں، اے زردُشت، اور اب مایوس نہیں رہے، یہ اس بات کی نشانی اور شگون ہو کہ بہترین لوگ تیری طرف برسرِ راہ ہیں،

کیوں کہ بچا کھچا خدا جو انسانوں میں باقی ہو وہ خود تیری طرف آرہا ہو: کُل تمنّاے عظیم اور نفرتِ عظیم اور عظیم اسیری کے انسان،

غرض تمام لوگ یا تو زندہ رہنا نہیں چاہتے اور یا دوبارہ امید کرنا سیکھنا چاہتے ہیں اور یا تجھ سے، اے زردُشت، امید عظیم سیکھ رہے ہیں۔"

یہ کہ کر دہنی طرف والے بادشاہ نے زردُشت کا ہاتھ پکڑ لیا تاکہ اسے بوسہ دے، لیکن زردُشت نے اس کی تعظیم کو روک دیا اور سہم کر پیچھے ہٹ گیا، چپ چاپ اور آناً فاناً گویا کہ وہ بہت دُور بھاگنا چاہتا تھا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ پھر اپنے مہمانوں کے پاس آگیا اور انھیں چمکدار اور غایر آنکھوں سے دیکھنے لگا اور کہا:

"میرے مہمانو، اے برتر انسانو، میں تم سے عام فہم اور صریح زبان میں باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمھارے انتظار میں ان پہاڑوں کے اندر نہیں بیٹھا ہوا تھا۔"

(اس وقت بائیں طرف والے بادشاہ نے منہ پھیر کر کہا: عام فہم اور صریح

زبان میں ؟ خدا رحم کرے ! ظاہر ہو کہ وہ پیارے جرمنوں سے واقف نہیں ہو، یہ مشرقی دانشمند۔

مگر اس کا مطلب ہو " عام فہم اور ٹھیٹھ زبان میں " خوب ! یہ بھی آج کل سب سے بُرا مذاق نہیں ہو !")

زرُدشت نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا: "تم سب کے سب واقعی اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھتے ہو۔ مگر میرے خیال میں تم کافی بڑے اور مضبوط نہیں ہو، میرے خیال میں، یعنی اس سنگ دل کے خیال میں جو میرے اندر چپ چاپ بیٹھا ہوا ہو۔ لیکن وہ ہمیشہ چپ چاپ نہیں رہے گا۔ اور خواہ تم میرے ہی کیوں نہ ہو تاہم تم میرے دستِ راست نہیں بن سکتے۔

مطلب یہ ہو کہ جو شخص تمھاری طرح خود بیمار اور کم زور ٹانگوں پر کھڑا ہو اس کی خواہش سب سے پہلے یہی ہو گی کہ اسے آفتوں سے محفوظ رکھا جائے، خواہ وہ اسے صریحًا جانتا ہو یا اس کے دل کے اندر پوشیدہ ہو۔

لیکن میں اپنے بازوؤں اور ٹانگوں کو محفوظ رکھنا نہیں چاہتا، میں اپنے سپاہیوں کو بچانا نہیں چاہتا: تو پھر تم کس طرح میری جنگ کے قابل ہو سکتے ہو؟

اگر میں تمھارے ہمراہ ہوں گا تو میری تمام فتوحات کا ستیاناس ہو جائے گا اور تم میں سے بہتیرے تو ایسے ہیں کہ اگر وہ میرے ڈھول کی زوردار آواز سنیں تو گر پڑیں گے۔

علاوہ بریں تم لوگ میرے خیال میں کافی مضبوط اور شریف زادے بھی نہیں ہو۔ مجھے اپنی تعلیمات کے لیے صاف اور چکنے آئینوں کی ضرورت ہو۔ تمھاری سطح پر تو خود میرا عکس ٹیڑھا ہو جاتا ہو۔

تمھارے کاندھوں پر بہت سے بوجھے اور یادگاریں ہیں۔ بہت سے

بدذات بالشتیے تمھارے گوشوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ تم میں بھی عوام الناس پوشیدہ ہیں۔

اور خواہ تم کتنے ہی بزرگ اور بزرگ ترین جنس کے کیوں نہ ہو بہت سی چیزیں تمھارے اندر کج اور بدنما ہیں۔ دنیا میں کوئی آہنگر ایسا نہیں ہے جو تمھیں کوٹ پیٹ کر ٹھیک اور سیدھا کر سکے۔

تم محض پُل ہو۔ کاشکے بزرگ ترین لوگ تمھارے اوپر سے گزریں! تم بمنزلہ زینے کے ہو، لہٰذا تمھیں اس شخص سے ناراض نہ ہونا چاہیے جو تمھارے اوپر چڑھکر اپنی بلندی پر پہنچے۔

کاشکے ایک روز ایسا آئے کہ تمھارے نطفے سے میرا ایک خلفِ صالح اور وارثِ کامل پیدا ہو! لیکن اس میں ابھی دیر ہے۔ تم خود وہ نہیں جو میری خاندانی جاگیر اور نام کے مالک ہو۔

نہ تو ان پہاڑوں میں میں تمھارے انتظار میں بیٹھا ہوں اور نہ تمھارے ساتھ مجھے آخری بار یہاں سے اُترنا ہے۔ تمھارا میرے پاس آنا محض اس بات کی علامت ہے برترین انسان میری طرف راہ پیما ہیں،

نہ کہ انسان بڑی تمنا کے، بڑی نفرت کے، بڑے توکل کے اور نہ وہ جن کا نام خدا کا باقی ماندہ رکھا گیا ہے۔

نہیں! نہیں! تین بار نہیں! وہ لوگ اور ہی ہیں جن کا انتظار میں ان پہاڑوں پر کر رہا ہوں اور بغیر ان کے میں یہاں سے ایک قدم بھی نہیں ٹل سکتا، میں منتظر ہوں برتر قوی تر فاتح تر اور جری تر لوگوں کا، ایسے لوگوں کا جو قوی الجثہ اور قوی الروح ہوں: خندہ دہن شیروں کو آنا چاہیے!

اے میرے مہمان دوستو، اے عجیب وغریب لوگو، کیا تم نے میری اولاد

کے متعلق ہنوز کچھ نہیں سنا ہے ؟ اور نہ اس بات کے متعلق کہ وہ میری طرف برسرِ راہ ہیں ؟

مجھ سے کہو تو سہی میرے باغوں کے متعلق ، میرے مبارک جزیروں کے متعلق ، میری نئی خوب صورت جنس کے متعلق ۔ ان چیزوں کا ذکر تم مجھ سے کیوں نہیں کرتے ؟

میں تمھاری محبت سے یہ تحفۂ مہمانی مانگتا ہوں کہ تم مجھ سے میری اولاد کا ذکر کرو ۔ اسی بارے میں میں امیر ہوں ، اسی بارے میں غریب ہو گیا ہوں میں نے کیا کچھ خرچ نہیں کر ڈالا !

ایک چیز کے لیے میں کیا کچھ نہ دے ڈالوں گا : اس اولاد ، اس زندہ پود ، میرے عزم اور میری اعلیٰ ترین امید کے زندہ درخت کے لیے ! "

یہ کہہ کر زردشت یک بیک خاموش ہو گیا ، کیوں کہ اس پر اس کی تمنّا کا دَورہ ہوا اور اس نے اپنے اختلاج قلب کی وجہ سے منہ اور آنکھیں بند کر لیں اور اس کے سارے مہمان بھی دم بخود ہو گئے اور چپ چاپ اور متحیّر کھڑے کے کھڑے رہ گئے ۔ ایک بوڑھا پیشین گو ہی تھا جو ہاتھوں اور تیوریوں سے اشارے کرتا تھا ۔

طعامِ شب

اس مقام پر آکر پیشین گو نے زردشت اور اس کے مہمانوں کی صاحب سلامت کا قطع کلام کر دیا ۔ وہ مجمع کو چیرتا پھاڑتا آگے بڑھا مثل اس شخص کے جس کے پاس وقت بہت تنگ ہو اور اس نے زردشت کا ہاتھ پکڑ کر بآوازِ بلند کہا : " ارے زردشت !

ایک چیز دوسری سے زیادہ ضروری ہے یہ خود تیرا مقولہ ہے ۔ اچھّا ، اس وقت

میرے لیے ایک چیز تمام دوسری چیزوں سے زیادہ ضروری ہے۔
عین وقت پر ایک بات: کیا تو نے مجھے کھانے کی دعوت نہیں دی ہے؟
اور یہاں اور بھی بہت سے لوگ ہیں جو دُور دراز سے آتے ہیں۔ کیا تو ہمیں محض باتیں بنا کر سیر کرنا چاہتا ہے؟
نیز تم سب لوگوں نے ٹھٹھرنے اور ڈوبنے اور گلا گھونٹنے اور دوسری جسمانی تکالیف کا بہت ذکر کیا ہے۔ لیکن کسی نے ذکر نہیں کیا تو میری تکلیف کا: یعنی بھوکے مرنے کا۔"
(یہ تھی گفتگو پیشین گو کی۔ لیکن جب زردشت کے جانوروں نے یہ باتیں سنیں تو ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوتے، کیوں کہ اُنھیں یہ معلوم ہوا کہ جو کچھ بھی وہ دن بھر میں گھر لائے ہیں وہ محض پیشین گو کا پیٹ بھرنے کے لیے بھی کافی نہ ہوگا)
پیشین گو نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا: "اور پیاسا مرنا بھی اسی میں شامل ہے۔ اور اگرچہ میں یہاں پانی کو تھپیڑے مارتے ہوئے سن رہا ہوں مثل دانشمندی کی گفتگو کے یعنی بکثرت اور ان تھک تاہم میں شراب کا خواہشمند ہوں۔
ہر شخص زردشت کی طرح پیدائشی پانی پینے والا نہیں ہے اور نہ پانی تھکے ماندوں اور کمھلائے ہوؤں کے لیے مفید ہے۔ ہم شراب کے مستحق ہیں۔ وہی آناً فاناً شفا اور یک بیک تندرستی عطا کر سکتی ہے۔"
اس موقع پر جب کہ پیشین گو شراب کی تمنا کر رہا تھا یہ واقعہ پیش آیا کہ بائیں طرف والا بادشاہ بھی جو اب تک چپ تھا پہلی مرتبہ گویا ہوا۔ اس نے کہا:
"شراب کا تو ہم نے انتظام کر لیا ہے، میں نے اور میرے بھائی دہنی طرف والے بادشاہ

نے۔شراب ہمارے پاس کافی ہے، ایک پورے گدھے کا بوجھ۔لہٰذا سوائے روٹی کے اور کسی چیز کی کمی نہیں۔"

زردشت نے ہنس کر کہا: "روٹی؟ روٹی ہی تو گوشہ نشینوں کے پاس نہیں ہوتی۔لیکن انسان کی زندگی محض روٹی پر منحصر نہیں ہے بلکہ اچھے میمنوں کے گوشت پر بھی جن میں سے میرے پاس دو عدد موجود ہیں:

ان کو فوراً ذبح کیا جائے اور مسالا اور خوشبو دار پتے ڈال کر پکایا جائے: اس طرح مجھے مطلوب خاطر ہے۔اور جڑی بوٹیوں اور پھلوں کی بھی کمی نہیں ہے جو چٹخوروں اور خوش ذائقہ لوگوں کے لیے بھی کافی مزے دار ہیں۔اور نہ اخروٹوں اور دیگر معموں کے توڑنے کی کمی ہے۔

لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ ذرا سی دیر میں لذیز کھانے تیار کرلیں۔لیکن جو شخص ساتھ کھانا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ ہاتھ بھی بٹائے، یہاں تک کہ بادشاہ بھی۔یعنی زردشت کے بادشاہ کو بھی باورچی بننے کی اجازت ہے۔"

یہ تجویز سب کے دل کو لگتی ہوئی تھی، بجز اس کے کہ گدائے خود ساختہ نے گوشت، شراب اور مسالے کی مخالفت کی۔

اس نے مذاق سے کہا: "اِس پیٹو زردشت کی باتیں تو سنو! کیا آدمی غاروں اور بلند پہاڑوں میں ایسے کھانے تیار کرنے کو آتا ہے؟

واقعی اب میری سمجھ میں وہ بات آتی ہے جس کی تعلیم اس نے ایک مرتبہ دی تھی: "مبارک ہو پست ناداری!" اور یہ بات بھی کہ وہ بھیک منگوں کا کیوں قلع قمع کرنا چاہتا ہے۔"

زردشت نے اسے جواب دیا: "جس طرح میں خوش و خرّم ہوں تو بھی ہو! اپنی عادت نہ بدل، اے نیک مرد! اپنے دانے چبا، اپنا پانی پی اپنے فنِ طعام پُزی

کی تعریف کرا کاشکے اس سے تجھے مسرت حاصل ہو!
میں محض اپنے لوگوں کے لیے قانون ہوں، میں تمام دنیا کے لیے قانون نہیں
لیکن جو شخص میرا ہے اس کی ایک تو ہڈیاں مضبوط ہونی چاہییں اور دوسرے
قدم ہلکے،
جنگ اور جشن دونوں میں مگن، نہ خشک مزاج نہ خیالی پلاؤ پکانے والا،
مشکل سے مشکل کام کرنے اور جشن منانے کے لیے یکساں آمادہ، صحیح وسالم۔
بہترین چیز میرا اور میرے لوگوں کا حصّہ ہے۔ اور اگر لوگ اسے ہمیں نہ دیں تو
ہم خود لے لیں گے: بہترین غذا، صاف ترین فضا، مضبوط ترین خیالات، حسین
ترین عورتیں!"
یہ تھی تقریر زردشت کی۔ لیکن دہنی طرف والے بادشاہ نے جواب دیا:
"عجیب! کیا کسی نے ایسی باتیں کبھی کسی دانشمند کے منہ سے سُنی ہیں؟
اور واقعی دانشمند کے لیے یہ عجیب وغریب ترین چیز ہے اگر وہ ان سب
باتوں کے علاوہ سمجھ دار بھی ہو اور گدھا نہ ہو۔"
دہنی طرف والے بادشاہ نے یہ کہا اور متعجب ہؤا۔ کیوں کہ اس کی گفتگو پر
گدھے نے شرارت سے اِی، آ، کہا۔ اور یہ ابتدا تھی اس طویل کھانے کی جس کا
نام تواریخ کی کتابوں میں "طعامِ شب" ہے۔ مگر اس اثنائے طعام میں سوائے
انسان برتر کے اور کوئی ذکر نہ تھا۔

انسانِ برتر

(۱)

جب میں پہلے پہل انسانوں کے پاس آیا تو میں نے وہی حماقت کی جو گوشہ نشین

کرتے ہیں، بڑی حماقت: میں بازار میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

اور جب میں نے سب کو مخاطب کیا تو گویا میرا مخاطب کوئی نہ تھا۔ اور رات کے وقت نٹ میرے ہم صحبت تھے اور لاشیں، اور میں خود بمنزلہ ایک لاش کے تھا۔

لیکن جب ازسرِنو صبح ہوئی تو مجھ پر ایک نئی سچائی کا انکشاف ہوا: میں نے کہنا سیکھا کہ "بازار اور عوام اور عوام کے شور و غل اور عوام کے لمبے لمبے کانوں سے مجھے کیا غرض!"

ای برتر انسانو، مجھ سے یہ سیکھ رکھو: بازار میں کوئی بھی برتر انسانوں کا قائل نہیں۔ اور اگر تم وہاں تقریر ہی کرنا چاہتے ہو تو فبہا! لیکن وہ پلکیں مار کر کہتے ہیں: "ہم سب برابر ہیں"۔

عوام پلکیں مار کر کہتے ہیں: "ای برتر انسانو، برتر انسان ہیں کہاں! ہم سب برابر ہیں۔ انسان انسان ہی۔ خدا کے آگے ہم سب یکساں ہیں!"

خدا کے آگے! لیکن یہ خدا تو مر چکا ہی۔ اور عوام کے آگے ہم سب یکساں نہیں ہونا چاہتے۔ ای برتر انسانو، بازار سے چلتے ہو!

خدا کے آگے! لیکن یہ خدا تو مر چکا ہی! ای برتر انسانو، یہ خدا تمھارے لیے سب سے زیادہ خطرناک تھا۔

جب سے وہ درگور ہی بس اسی وقت سے تم دوبارہ اٹھ کھڑے ہوئے ہو۔ بس اب ظہورِ عظیم آنے والی ہی۔ بس اب انسانِ برتر مالک بنے گا!

تمھاری سمجھ میں یہ بات آگئی، ای میرے بھائیو؟ تم سہم سے گئے ہو۔ کیا تمھارے دل چکّر کھانے لگے ہیں؟ کیا غارِ عمیق اب تمھاری طرف منہ پھیلا رہا ہی؟ کیا سگِ دوزخ اب تم پر بھونک رہا ہی؟

اچھا! اچھا! ای برتر انسانوں! بس اب انسانی مستقبل کا پہاڑ دردِ زہ میں مبتلا ہی۔ خدا تو مرچکا، اب ہماری یہ خواہش ہی کہ فوق البشر زندہ رہے۔

(۳)

متفکّر ترین لوگ آج یہ سوال کرتے ہیں: "انسان کس طرح زندہ رہ سکتا ہی؟" لیکن زردشت تنہا اور پہلا شخص ہی جو یہ سوال کرتا ہی: "انسان سے کس طرح گزرا جاسکتا ہی؟"

فوق البشر کا دھیان ہر وقت میرے دل سے لگا رہتا ہی۔ وہ میرے لیے مقدم ترین اور اکلوتی چیز ہی، نہ کہ انسان: نہ ہمسایہ نہ غریب ترین شخص نہ سب سے زیادہ مصیبت زدہ اور نہ بہترین شخص۔

ای میرے بھائیو، جو چیز مجھے انسان میں پسند آسکتی ہی وہ یہ ہی کہ وہ گزرگاہ ہی اور فانی۔ اور تم میں بھی بہت سی باتیں ہیں جن سے میری محبّت اور امید وابستہ ہی۔

یہ کہ تم حقارت کرتے تھے، ای برتر انسانو، اس سے مجھے امید پڑتی ہی۔ یعنی بڑے حقارت کرنے والے ہی بڑے عزّت کرنے والے ہیں۔

یہ کہ تم مایوس تھے اس کو بڑی عزّت سے دیکھنا چاہیے۔ کیوں کہ تم نے یہ نہیں سیکھا تھا کہ تم کس طرح اپنے آپ کو تسلیم کردو۔ تم نے زرا زرا سی دانشمندیاں نہیں سیکھی تھیں۔

آج کل تو چھوٹے لوگ آقا بن بیٹھے ہیں: وہ سب کے سب فرمانبرداری، حیاداری، دانشمندی، محنت پاسداری اور چھوٹی موٹی نیکیوں کے لمبے چوڑے وغیرہ وغیرہ کی نصیحت کرتے ہیں۔

جو خصلتِ زنانہ ہی اور جو چیز اطوارِ غلامانہ سے پیدا ہوتی ہی اور بالخصوص

عوام کی گڈ مڈ؛ بس ساری انسانی قسمت کو یہی اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں۔ اُی تف! تف! تف!

یہ ہی چیزیں ہیں جو یہ پوچھتے پوچھتے تھکتی نہیں: انسان اپنے آپ کو کس طرح زندہ رکھ سکتا ہی، بہترین طریقے سے اور زیادہ سے زیادہ مدت تک اور بہترین آرام و آسایش کے ساتھ؟ اسی وجہ سے آج ان کا ڈنکا بج رہا ہی۔

ان آج کل کے آقاؤں سے گزر جاؤ، اُی میرے بھائیو، ان چھوٹے انسانوں سے۔ یہ فوق البشر کے لیے سب سے زیادہ باعثِ خطر ہیں۔

گزر جاؤ، اُی برتر انسانو، چھوٹی موٹی نیکیوں سے، چھوٹی موٹی دانشمندیوں سے، ریگ دانہ پاس داریوں سے، چیونٹیوں کے تودے سے، رذیل ترین دل جمعی سے، "اکثریت کی خوش وقتی" سے!

اور فرماں برداری کرنے سے تو یہ بہتر ہی کہ تم مایوس ہو جاؤ۔ اور واقعی میں تم سے اس لیے محبت کرتا ہوں کہ تم آج زندہ رہنے کا گُر نہیں جانتے، اُی برتر انسانو! بس یہی تمھارے لیے بہترین زندگی ہی!

(۴)

کیا تم میں جرأت ہی، اُی میرے بھائیو؟ کیا تم مضبوط دل والے ہو؟ میرا مطلب اس جرأت سے نہیں ہی جو دکھلاوے کے لیے ہو بلکہ گوشہ نشینوں اور عقاب کی جرأت سے جس پر کسی خدا کی بھی نظر نہیں پڑتی۔

میرے نزدیک سرد روحیں اور خچر اور نابینا اور مخمور مضبوط دل والے نہیں۔ دل والا وہ شخص ہی جو خوف کو جانتا ہو مگر اس کو زیر کر لیتا ہی، جو تباہی کو دیکھتا ہی مگر تکبّر کے ساتھ،

جو تباہی کو دیکھتا ہی مگر عقاب کی آنکھوں سے، جو تباہی کو پنجۂ عقاب سے

پکڑ لیتا ہی: وہ جرأت والا ہی۔

(۵)

تمام دانشمند ترین لوگوں نے اطمینان دلانے کے لیے مجھ سے یہ کہا ہی "انسان بد ہی"۔ آہ، کاش کہ یہ مقولہ آج بھی صحیح ہو! کیوں کہ بدی انسان کی بہترین قوت ہی۔

لیکن میں یہ تعلیم دیتا ہوں: "انسان کو بہتر اور بدتر ہونا چاہیے" بدترین سے بدترین چیز فوق البشر کی بہتری کے لیے ضروری ہی۔

چھوٹے لوگوں کے اس پادری کے لیے یہ اچھا ہو تو ہو کہ اس نے مصیبت برداشت کر کے انسانی گناہ کا بوجھ اٹھایا۔ لیکن مجھے بڑے گناہ سے مسرت ہوتی ہی کہ وہ میرے لیے بڑی تسلی کا باعث ہی۔

لیکن یہ بات لمبے کانوں والوں کے لیے نہیں کہی گئی۔ ہر بات ہر منہ پر نہیں پھبتی۔ یہ لطیف اور بعید از قیاس باتیں ہیں۔ بھیڑوں کے کھروں کو ان کے پکڑنے کے لیے نہیں بڑھنا چاہیے!

(۶)

ای برتر انسانو، کیا تمھارے خیال میں میں اس لیے آیا ہوں کہ جو کچھ تم نے بگاڑا ہی اس کو بناؤں؟

یا اس لیے کہ میں تمھیں زیادہ آرام دہ بچھونے پر لٹانا چاہتا ہوں؟

یا تم ڈگمگاتے ہوؤں اور راہ گم کردہ اور پہاڑ پر غلط راہ چڑھنے والوں کو آسان ترین پگڈنڈیاں دکھانا چاہتا ہوں؟

نہیں! نہیں! تین بار نہیں! آئے دن روز افزوں تعداد میں اور ہمیشہ تمھاری جنس کے بہتر لوگوں کو فنا ہونا چاہیے۔ کیوں کہ تمھاری حالت

آئے دن بدتر اور سخت تر ہونی چاہیے۔ محض اس طرح سے،

محض اس طرح سے انسان اس بلندی کی طرف بڑھتا ہے جہاں اس پر بجلی گرتی ہے اور اس کو پاش پاش کر ڈالتی ہے: بجلی کے لیے کافی بلند!

میرا دل اور میری تمنا ان چیزوں کی طرف جاتی ہے جو اقلیت میں ہیں اور طویل ہیں اور دور ہیں۔ تمھاری چھوٹی موٹی اور کثیر التعداد اور قصیر الجثہ بدبختی کی مجھے کیا پروا!

میرے خیال میں تم نے ابھی کافی مصیبت نہیں جھیلی! کیوں کہ تم اپنی مصیبت میں مبتلا ہوا اور ہنوز انسان کی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوئے۔ اگر تم اس کے خلاف کہو تو تم جھوٹے ہو۔ جس مصیبت میں میں مبتلا ہو چکا ہوں اس میں تم میں سے کوئی مبتلا نہیں ہوا۔

(۷)

یہ میرے لیے کافی نہیں ہے کہ بجلی سے ضرر نہ پہنچے۔ میں اس کو زمین میں اُتارنا نہیں چاہتا۔ اس کو چاہیے کہ میرے لیے کام کرے۔

میری دانشمندی ایک مدت سے بادل کی طرح جمع ہو رہی ہے۔ وہ ساکت تر اور سیاہ تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ ہر دانشمندی جس کو ایک روز بجلی پیدا کرنی ہے ایسا ہی کرتی ہے۔

ان آج کل کے لوگوں کے لیے میں روشنی نہیں بننا چاہتا اور نہ روشنی کے نام سے موسوم ہونا چاہتا ہوں۔ ان کو تو میں چکاچوند کر دینا چاہتا ہوں۔ اے میری دانشمندی کی بجلی! ان کی آنکھیں نکال لے!

(۸)

اپنی طاقت سے زیادہ حوصلہ مت کرو! جو لوگ اپنی طاقت سے زیادہ

حوصلہ کرتے ہیں ان میں ایک بُرا جھوٹ پایا جاتا ہی۔
بالخصوص جب وہ بڑی چیزوں کا حوصلہ کرتے ہیں! کیوں کہ ان کی وجہ سے بڑی چیزوں پر سے اعتماد اُٹھ جاتا ہی، ان باریک جعلی سکّہ سازوں اور نقّالوں کی وجہ سے،
حتیٰ کہ بالآخر وہ خود اپنے آگے چھوٹے بنتے ہیں، بھینگے، اوپر سے پُتی ہوئی کرم خوردہ جگہ، مضبوط الفاظ کی چادر اور دکھلاوے کی نیکیوں اور زرق برق غلط کاریوں سے منڈھے ہوئے۔
ان سے خوب خبردار رہو، ای برتر انسانو! آج ایمانداری سے بڑھکر مجھے کوئی چیز زیادہ قیمتی اور نایاب نہیں لگتی۔
کیا یہ آج کا دن عوام کی ملکیت نہیں ہی؟ لیکن عوام یہ نہیں جانتے کہ کونسی چیز بڑی کونسی چھوٹی اور کون سی سیدھی اور راست باز ہی۔ وہ معصومیت کے ساتھ کج ہیں۔ وہ ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں۔

(۹)

آج عمدہ بے اعتمادی سے کام لو، ای برتر انسانو، ای مضبوط دل والو! ای صاف گو لو! اور اپنے وجوہ پوشیدہ رکھو! یہ آج کا دن عوام کی ملکیت ہی۔
جس چیز پر عوام نے بغیر کسی وجہ کے ایمان لانا سیکھا ہی انھیں کون شخص وجہ دے کر ہٹا سکتا ہی؟
اور بازار میں لوگوں کو سمجھانے کے لیے تیوریوں کی ضرورت ہی۔ مگر وجہ دینے سے عوام کا اعتماد اُٹھ جاتا ہی۔
اور اگر سچائی کو کبھی فتح حاصل ہوئی ہی تو تمھارا یہ پوچھنا اچھّے شک کی دلیل ہی: "کس مضبوط غلطی نے اس کے لیے جنگ کی ہی؟"

عالموں سے خبردار رہو! یہ لوگ تم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیوں کہ وہ بے خبر ہیں۔ ان کی آنکھیں سرد اور خشک ہوتی ہیں۔ ان کے آگے ہر چڑیا بے بال و پر پڑی ہوئی ہوتی ہو۔

ایسے لوگ اس بات پر گھمنڈ کرتے ہیں کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے لیکن جھوٹ سے مجبوری اس بات کی ہرگز دلیل نہیں ہو سکتی کہ انھیں سچ سے محبت ہو۔ خبردار رہو!

بخار سے چھٹکارا ہرگز علم کی دلیل نہیں! سرد شدہ دماغوں سے میرا اعتماد اٹھ گیا ہو۔ جو شخص جھوٹ نہیں بول سکتا وہ یہ نہیں جانتا کہ سچائی کیا ہو۔

(۱۰)

اگر تم اوپر چڑھنا چاہتے ہو تو اپنی ہی ٹانگوں کو استعمال کرو! اپنے آپ کو دوسروں سے مت اٹھواؤ! غیروں کی پیٹھوں اور سروں پر مت چڑھو!

لیکن کیا تو گھوڑے پر سوار ہو کر اوپر چڑھتا ہو؟ کیا تو سوار ہو کر جلدی سے اپنے مقصد پر پہنچ جاتا ہو؟ اچھا یوں ہی سہی، میرے دوست! مگر تیری لنگڑی ٹانگ بھی تیرے ساتھ گھوڑے پر بیٹھتی ہو!

جب تو اپنے مقصد پر پہنچے گا، جب تو اپنے گھوڑے سے نیچے کودے گا، تو ٹھیک اپنی اونچائی پر، اے برتر انسان، تو لڑکھڑا کر گرے گا!

(۱۱)

اے تخلیق کرنے والو، اے برتر انسانو! انسان اپنے ہی بچے سے حاملہ ہوتا ہو۔

لوگوں کے پھسلانے اور بہکانے میں مت آؤ! آخر تمھارا ہمسایہ کون ہو؟ اور "ہمسائے کے لیے" خواہ تم کچھ ہی کرو لیکن تم اس کی طرف سے تخلیق نہیں کر سکتے!

اس "کے لیے" کو بُھلادو، اے تخلیق کرنے والو! یہ خود تمھاری خصلتِ نیک کا اقتضا ہے کہ تم "کے لیے" اور "کی وجہ سے" اور "چوں کہ" کی پروا مت کرو تمھیں چاہیے کہ تم ان جھوٹے اور چھوٹے موٹے الفاظ کی طرف سے اپنے کان بند کر لو۔

"ہمسائے کے لیے" محض چھوٹے لوگوں کی خصلتِ نیک کا جُز ہے۔ ان کا مقولہ ہے "برابر اور برابر" اور "ہاتھ کو ہاتھ دھوتا ہے"۔ وہ تمھارے ذاتی فائدے کا نہ تو حق رکھتے ہیں اور نہ اس کی طاقت۔

حاملہ کی احتیاط اور خبر گیری، اے تخلیق کرنے والو، خود تمھارے ذاتی فائدے کے لیے ہے۔ جس چیز کو ابھی تک کسی نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا یعنی ثمر، تمھاری ساری محبت اس کی حفاظت میں لگی ہوئی ہے اور اس کو بچاتی ہے اور اس کی پرورش کرتی ہے

جس طرف تمھاری ساری محبت کا رجحان ہو، یعنی تمھارے بچّے کی طرف، وہیں تمھاری ساری خصلتِ نیک بھی ہوگی۔ تمھارا "ہمسایہ" تمھارا کام اور تمھارا عزم ہے۔ غلط قیمتیات کے دھوکے میں مت آنا!

(۱۲)

اے تخلیق کرنے والو، اے برتر انسانو! جس کو بچّہ جننا ہوتا ہے وہ بیمار رہتا ہے، جو بچّہ جن چکا ہو وہ ناپاک۔

عورتوں سے پوچھو: انسان اس لیے بچّہ نہیں جنتا کہ اسے اس میں خوشی ہوتی ہے۔ درد کی وجہ سے مرغیاں اور شاعر کڑکڑانے لگتے ہیں۔

اے تخلیق کرنے والو! تم میں بہت سی ناپاکیاں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمھیں مائیں بننا پڑا ہے۔

ایک نیا بچّہ: ارے کس قدر نئی گندگیاں بھی پیدا ہو گئیں! ایک طرف

ہو جاؤ! اور جس نے جنا ہی اسے چاہیے کہ اپنی روح کو دھو کر پاک کرے!

(۱۳)

اپنی طاقت سے زیادہ نیک منش نہ بنو! اور گمانِ غالب کے خلاف اپنے آپ سے کچھ خواہش نہ رکھو!

اپنے باپ داداؤں کی نیکیوں کے قدم بقدم چلو! تم کس طرح بلندی پر چڑھ سکتے ہو اگر تمھارے باپ داداؤں کا عزم تمھارے ساتھ نہ چڑھے؟

لیکن جو شخص پہلوٹی کا بننا چاہتا ہی اسے یہ خیال رکھنا چاہیے کہ وہ کہیں پچھلوٹی کا بھی نہ ہو جائے! اور جس جگہ تمھارے بزرگوں نے گناہ کیے ہیں وہاں تمھیں ولی بن کر نہ بیٹھنا چاہیے!

جس کے باپ داداؤں کی زندگی رنڈیوں اور تیز شرابوں اور جنگلی سوروں کے ساتھ گزری ہی اس کے پارسا بن بیٹھنے سے کیا فائدہ؟

یہ دیوانہ پن ہی! واقعی ایسے شخص کے لیے یہ مجھے بہت زیادہ معلوم ہوتا ہی کہ وہ ایک دو یا تین عورتوں کا شوہر ہو۔

اور خواہ وہ کلیسا بنائے اور دروازے پر لکھ دے: "راستا ولی اللہ کے پاس جانے کا"، تاہم میں تو یہی کہوں گا: "آخر یہ کیوں! یہ ایک نیا دیوانہ پن ہی!

اس نے خود اپنے لیے ایک جیل خانہ اور جائے پناہ بنائی ہی۔ مبارک ہو! مجھے اس پر اعتماد نہیں۔

جو شخص کسی چیز کو تنہائی میں لا کر رکھتا ہی تو وہ اسی میں نشو و نما پاتی ہی، خواہ انسان کا اندرونی حیوان کیوں نہ ہو۔ اسی لیے تنہائی بہتیروں کو راس نہیں آتی۔

کیا اب تک زمین پر ریگستانی اولیاء اللہ سے زیادہ ناپاک کوئی چیز ہوئی ہی؟ ان کے ارد گرد نہ محض شیطان مطلق العنان ہی بلکہ سوّر بھی۔

(۱۴)

مجوب، شرمندہ، اناڑی، مثل اس چیتے کے جس کی جست خالی گئی ہو: اس طرح سے، اے برتر انسانو، میں نے تمھیں دہنے بائیں چھپتے ہوئے دیکھا ہے تمھارا پانسا غلط پڑا۔

لیکن اے پانسا بازو، پروا نہیں! تم نے اس طرح کھیلنا اور مذاق اڑانا نہیں سیکھا ہے جس طرح کھیلنا اور مذاق اڑانا چاہیے۔ کیا ہم ہمیشہ مذاق اور کھیل کی ایک بڑی میز کے گرد نہیں بیٹھتے ہیں؟

اور اگر بڑی چیزیں تم سے بگڑ جائیں تو کیا اس کے یہ معنے ہیں کہ تم خود بگڑے ہوتے ہو؟ اور اگر بگڑے ہوئے ہو بھی تو کیا اس وجہ سے کل نوع انسان بگڑ گئی؟ اور اگر مان لیا جائے کہ انسان بھی بگڑ گیا تو اچھا! بگڑ جانے دو!

(۱۵)

جتنی ہی اعلیٰ جنس کی کوئی چیز ہوتی ہے اتنی زیادہ بگڑی ہوئی ہوتی ہے۔

اے یہاں کے برتر انسانو، کیا تم سب بگڑے ہوئے نہیں ہو؟

ملول مت ہو، اس کی پروا مت کرو! کتنی کچھ چیزیں ابھی دائرۂ امکان کے اندر ہیں! خود اپنے اوپر ہنسنا سیکھو جیسا کہ ہنسنا چاہیے!

اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ تم بگڑے ہوئے ہو یا آدھے بگڑے ہوئے، اے نیم شکستہ لوگو! کیا انسانی مستقبل تمھارے اندر کھلبلی نہیں مچاتا؟

انسان کی بعید ترین، عمیق ترین، ستاروں تک بلند ترین چیز، اس کی بے انتہا طاقت: کیا دیگچیوں میں ان سب کا مل کر اُبال نہیں آتا؟

اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ بعض دیگچیاں پھٹ جاتی ہیں! اپنے اوپر ہنسنا سیکھو جیسا کہ ہنسنا چاہیے! اے برتر انسانو، ارے ابھی کتنی چیزیں دائرۂ امکان

کے اندر ہیں !

اور واقعی ، کتنی چیزیں بن کر مکمّل ہو چکی ہیں ! اس زمین پر چھوٹی اور عمدہ اور مکمّل چیزوں کی کتنی افراط ہے ، یعنی ان چیزوں کی جو خوب بنی ہیں !

اپنے اردگرد چھوٹی عمدہ اور مکمّل چیزیں رکھو ، اے برتر انسانو ! ان کی سنہری پختگی دل کے لیے دوا ہے ۔ مکمّل چیز امید کرنا سکھاتی ہے ۔

(۱۶)

اب تک یہاں زمین پر سب سے بڑا گناہ کونسا تھا ؟ کیا یہ اس شخص کا جملہ نہیں جس نے کہا تھا : "تف ہے ان لوگوں پر جو یہاں ہنستے ہیں !"

کیا خود زمین پر اسے ہنسنے کے وجوہ نہیں ملے ؟ تب تو اس نے اچھی طرح تلاش نہیں کیا ہے ۔ یہاں تو ایک بچّے کو بھی وجوہ مل سکتے ہیں ۔

اس کی محبّت کافی محبّت نہ تھی ۔ ورنہ وہ ہم سے بھی محبت کرتا ، یعنی ہنسنے والوں سے ! مگر وہ ہم سے نفرت اور ہم پر استہزا کرتا تھا ۔ اس نے ہمیں رونے اور دانت کڑکڑانے کا حکم دیا تھا ۔

جہاں انسان کو محبّت نہ ہو کیا اسے وہاں فوراً کوسنا چاہیے ؟ میرے خیال میں یہ بد مذاقی کی دلیل ہے ۔ مگر اس نے یوں ہی کیا ، اس بے لگام نے ۔ وہ عوام میں سے تھا ۔

اور اسے خود کافی محبّت نہ تھی ورنہ وہ اس بات پر اتنا ناراض نہ ہوتا کہ لوگ اس سے محبّت نہیں کرتے ۔ ہر بڑی محبّت محبّت کی خواہاں نہیں بلکہ اس سے زیادہ کی ۔

تمام ایسے بے لگاموں سے بچ کر چلو ! یہ غریب اور بیمار قسم کے لوگ ہیں ، از قسمِ عوام ہیں ۔ وہ اس زندگی کو بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔ ان کی نظر اس زمین کے

لیے بدہی۔

ایسے تمام بے لگاموں سے بچ کر چلو! ان کے قدم بھاری ہیں اور دل بخار آمیز۔ ان کو رقص کرنا نہیں آتا۔ بھلا ایسے لوگوں کے لیے زمین کس طرح سبک ہو سکتی ہی!

(۱۷)

تمام اچھی چیزیں کج ہو کر اپنے مقصد کے قریب تک پہنچتی ہیں۔ بلیوں کی طرح وہ کوز پشت ہوتی ہیں۔ وہ اپنی آنے والی خوش بختی پر اندر ہی اندر خرخر کرتی ہیں۔ تمام عمدہ چیزیں ہنستی ہیں۔

طرزِ رفتار سے ظاہر ہو جاتا ہی کہ آیا چلنے والا ٹھیک اپنے راستے پر جا رہا ہی کہ نہیں۔ پس مجھے چلتے ہوئے دیکھو! کیوں کہ جو شخص اپنے مقصد کے قریب پہنچ جاتا ہی وہ رقص کرتا ہی۔

اور واقعی میں بُت بن کر نہیں رہ گیا ہوں۔ ہنوز میں اکڑا ہوا، کُند، سنگین اور مثل ستون کے کھڑا نہیں ہوں۔ میں تیز دوڑنے کو پسند کرتا ہوں۔

اور خواہ زمین پر دلدل اور گاڑھی مصیبت ہی کیوں نہ ہو: جس کے قدم ہلکے ہوں وہ کیچڑ کے اوپر بھی دوڑتا چلا جاتا ہی اور اس طرح رقص کرتا ہی جس طرح جھاڑو سے جھڑے ہوئے برف کے اوپر۔

اپنے دلوں کو بلند کرو، اے میرے بھائیو، اونچا! اور زیادہ اونچا! اور ٹانگوں کو بھی فراموش نہ کرو! اپنی ٹانگوں کو بھی اٹھاؤ، اے عمدہ رقّاصو! اور اس سے بھی بہتر تو یہ ہی کہ تم سر کے بل کھڑے ہو جاؤ!

(۱۸)

خندہ پیشانی والے کا یہ تاج، یہ گلاب کے ہار والا تاج: میں نے خود اس

تاج کو اپنے سر پر رکھ لیا۔ میں نے خود اپنی ہنسی کو مبارک بنا دیا ہی۔ اس کے لیے میں نے آج کسی اور کو کافی مضبوط نہیں پایا۔

زردشتِ رقّاص، زردشتِ سبک قدم جو بال و پر سے اشارہ کرتا ہی، آمادۂ پرواز، تمام چڑیوں کو اشارہ کرتا ہوا، تیار و آمادہ، مسرورِ بے غم۔

زردشتِ پیشین گو، زردشت پیشین خندہ زن، نہ بے صبر، نہ بے لگام، ایک ایسا شخص جو جست اور کلاویں کرنے کو پسند کرتا ہی، میں نے خود یہ تاج اپنے سر پر رکھ لیا ہی!

(۱۹)

اپنے دلوں کو بلند کرو، اے میرے بھائیو، اونچا! اور زیادہ اونچا! اور ٹانگوں بھی فراموش نہ کرو! اپنی ٹانگوں کو بھی اٹھاؤ، اے عمدہ رقّاصو! اور اس سے بھی بہتر تو یہ ہی کہ تم سر کے بل کھڑے ہو جاؤ!

خوش وقتی میں بھی بھاری بھاری جانوروں کا سامنا کرنا پڑتا ہی۔ ایسے بھی جانور ہیں جو شروع ہی سے بھدّے پانو والے ہوتے ہیں۔ وہ عجیب وغریب طریقے سے حرکت کرتے ہیں، مثل ہاتھی کے جو سر کے بل کھڑے ہونے کی کوشش کرتا ہی۔

خوش بختی میں پاگل ہو جانا بدبختی میں پاگل ہو جانے سے بہتر ہی۔ بھدّے پن سے ناچنا لنگڑا کر چلنے سے بہتر ہی۔ لہٰذا میری دانشمندی سیکھ لو: بدترین چیز کے بھی دو اچھے مقابل پہلو ہوتے ہیں۔

اور بدترین چیز کے بھی عمدہ رقّاص پانو ہوتے ہیں۔ پس اے برتر انسانو، اپنے ٹھیک پانو پر کھڑا ہونا اپنے آپ کو سکھلا دو!

پس غمگینی کے بلبلو اور عوام کی محزونیت کو بھول جاؤ! ارے، آج عوام کا مسخرہ مجھے کس قدر غمگین معلوم ہوتا ہی! مگر یہ آج کا دن تو عوام ہی کا ہی۔

(۲۰)

آندھی کی نقل اتارو، جب وہ اپنے پہاڑی غاروں میں سے نکل پڑتی ہو : وہ اپنی ہی سیٹی پر ناچنا چاہتی ہو۔ اس کے نقشِ پا کے نیچے سمندر تھرّاتے اور اچھلتے کودتے ہیں۔

جو گدھوں کو بال و پر عطا کرتی ہو اور شیرنیوں کا دودھ دوہتی ہو وہ عمدہ اور بے لگام روح قابلِ ستائش ہو۔ وہ تمام آج اور کل عوام کے پاس مثل طوفان کے آتی ہو۔

وہ خاردار اور کھردرے سروالوں کی دشمن ہو اور نیز تمام مرجھاتے ہوئے پتّوں اور گھاس پھوس کی۔ قابلِ ستایش ہو یہ وحشی اور عمدہ اور آزاد طوفانی روح جو دلدلوں اور غمگینیوں پر یوں رقص کرتی ہو جیسے سبزہ زار پر!

وہ مدقوق کتّوں یعنی عوام سے نفرت کرتی ہو اور نیز ہر بگڑی ہوئی تُرش رو نسل سے۔ قابلِ ستایش ہو یہ تمام آزاد روحوں کی روح، خندہ زن طوفان، جو تمام تاریک بینوں اور ناسور زدوں کی آنکھوں میں دھول ڈالتی ہو!

اے برتر انسانوں، تم میں سب سے بری بات یہ ہو کہ تم میں سے کسی نے رقص کرنا نہیں سیکھا جیسا کہ رقص کرنا چاہیے، یعنی رقص کناں اپنے سے گزر جانا! اس سے کیا غرض کہ تمھاری سرشت بگڑی ہوئی ہو!

ابھی کتنی کچھ چیزیں دائرۂ امکان کے اندر ہیں! پس ہنستے ہوئے اپنے سے گزر جانا سیکھو تو سہی! اپنے دلوں کو بلند کرو، اے عمدہ رقّاصو، اونچا، اونچا! اور زیادہ اونچا! اور تمھیں میری قسم کہ اچھّی طرح ہنسنا بھی نہ بھولو!

یہ ہنسنے والے کا تاج، یہ گلاب کے ہار والا تاج: اسے، اے میرے بھائیو، میں تمھاری طرف پھینکتا ہوں! ہنسنے کو میں نے پاک قرار دیا ہو۔ اے برتر انسانو، تمھیں میری قسم، ہنسنا سیکھو!

سرودِ دِل گیری

یہ تقریر کرتے وقت زردشت اپنے غار کے منہ کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ لیکن آخری الفاظ کہہ چکنے کے بعد وہ اپنے مہمانوں کو چھوڑ کر چلتا ہوا اور تھوڑی دیر کے لیے کھلے میدان میں بھاگ کھڑا ہوا۔

اس نے باآواز بلند کہا: "میرے اردگرد کیا صاف ستھری خوشبو آرہی ہی! میرے آس پاس کیسی مبارک خاموشی ہی! لیکن میرے جانور کہاں ہیں؟ ای میرے عقاب اور میرے سانپ قریب آؤ، قریب آؤ!

ای میرے جانورو، مجھ سے کہو تو سہی: کیا ان سب کے سب برترانسانوں میں شاید اچھی بُو نہیں آتی؟ میرے اردگرد کیا ہی پاک صاف خوشبوئیں آرہی ہیں! بس اب مجھے یہ معلوم اور محسوس ہوا کہ میں تم سے، ای میرے جانورو، کس قدر محبّت کرتا ہوں۔"

اور زردشت نے دوبارہ کہا: "میں تم سے محبّت کرتا ہوں، ای میرے جانورو"! لیکن عقاب اور سانپ اس کے پاس گھس آتے جب اس نے یہ باتیں کیں اور اسے نظر اٹھا کر دیکھنے لگے۔ اس طرح سے وہ تینوں باہم چپ چاپ کھڑے تھے اور باہم عمدہ ہوا کو سونگھ اور سُڑک رہے تھے۔ کیوں کہ یہاں باہر بہتر ہوا تھی بہ نسبت اس کے جو برترانسانوں کے پاس تھی۔

(۲)

ابھی زردشت اپنے غار سے باہر نکلا ہی تھا کہ بوڑھے مداری نے شرارت سے اِدھر اُدھر دیکھا اور کہا: "وہ باہر چلا گیا ہی!"

اور ای برترانسانو، میں تمھیں اس تعریفی اور خوشامد آمیز نام سے گدگداتا ہوں ہوں جس طرح وہ خود کیا کرتا تھا۔ میرے بُرے دھوکے باز اور جادوگر نفس نے مجھ

پر حملہ شروع کر دیا ہے، یعنی میرے غمگین شیطان نے،

جو اس زردشت کا جانی دشمن ہے۔ تم اس کی اس حرکت سے درگزر کرو! اب
وہ تمھیں جادو کا کھیل دکھانا چاہتا ہے۔ اس وقت اس کی طبیعت حاضر ہے میں اس
روحِ حزیں سے خواہ مخواہ زور آزمائی کر رہا ہوں۔

تم سب سے، خواہ کوئی عزت آمیز الفاظ تم اپنے لیے کیوں نہ استعمال کرو،
خواہ تم اپنا نام "آزاد روحیں" رکھو یا "سچے لوگ" یا "تائب الروح" یا "جن کی
بیڑیاں اتر گئی ہیں" یا "بڑے تمنا والے"،

تم سب سے جو میری طرح بڑی نفرت میں مبتلا ہیں، جن کا پرانا خدا مر چکا ہے
اور ابھی تک کوئی نیا خدا گہوارے اور پوتڑے میں نہیں اٹھایا گیا، تم سب سے میری
روحِ بد اور شیطان راضی ہے۔

میں تمھیں پہچانتا ہوں، اے برتر انسانو! میں اسے بھی پہچانتا ہوں، میں اس
بدذات کو بھی پہچانتا ہوں جس سے مجھے خلافِ مرضی محبت ہے، یعنی زردشت کو۔

وہ مجھے اکثر اولیاء اللہ کے خوب صورت سوانگ کی طرح معلوم ہوتا ہے،
مثل ایک نئے عجیب و غریب بہروپ کے جس میں میری روحِ بد یعنی دل گیر
شیطان اپنے آپ کو بجا ہو۔ مجھے اکثر ایسا خیال ہوتا ہے کہ میں اپنی روحِ بد کی
خاطر زردشت سے محبت کرتا ہوں۔

لیکن وہ مجھ پر حملہ آور ہو اور مجھے زیر کر چکا ہے، یعنی یہ روحِ دل گیری، یہ
شفقِ شام کا بھوت۔ اور واقعی، اے برتر انسانو، آنکھیں کھول کر دیکھو کہ اسے
برہنہ آنے میں مزہ آتا ہے۔ آیا وہ نر ہے یا مادہ یہ مجھے ابھی معلوم نہیں۔ لیکن وہ
آتا ہے اور مجھے زیر کرتا ہے، افسوس! اپنی چشمِ بصیرت کھولو!

دن ڈھل چلا، اب ہر چیز کے لیے شام آ رہی ہے۔ نیز بہترین چیزوں

کے لیے۔ سنو اور دیکھو، اے برتر انسانو، کہ دل گیریِ شام کا بھوت کون سا شیطان ہے، مرد یا عورت!"

یہ کہہ کر بوڑھے مداری نے شرارت سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اپنے رباب کو ہاتھ میں لے لیا۔

(۳)

شفّاف فضائیں،
جب کہ شبنم کا دلاسا
زمین پر ٹپکنے لگتا ہے،
نادیدہ و ناشنیدہ،
تب دلاسا دینے والی شبنم مثل تمام دلاسا دینے والوں کے
نازک جوتے پہنتی ہے۔
کیا تجھے اس وقت یاد آتا ہے، کیا تجھے یاد آتا ہے، اے گرم دل،
کہ ایک بار تو بھی کس قدر پیاسا ہو رہا تھا،
آسمانی آنسوؤں اور قطرات شبنم کا
جھلسا ہوا اور تھکا ہوا پیاسا ہو رہا تھا،
جس وقت گھاس کے زرد راستوں پر
آفتابِ شام کی بدنگاہیں
تاریک درختوں میں ہو کر تیرے اردگرد چکّر لگاتی تھیں،
چکاچوند کرنے والی سورج کی شعاعی نگاہیں، شماتت آمیز؟
وہ اس طرح مذاق اڑاتی تھی: سچائی کا طلب گار؟ تو؟
نہیں! محض ایک شاعر!

ایک جانور، ایک چال باز، درندہ، چپکے سے گھس آنے والا،
جو جھوٹ بولنے پر مجبور ہی،
جو دیدہ و دانستہ اور ارادتاً جھوٹ بولنے پر مجبور ہی۔
شکار کے لیے بے چین،
رنگ برنگ سوانگ بھرے ہوئے،
خود ہمہ تن سوانگ،
خود ہمہ تن شکار۔
یہ، یہ ہی سچائی کا طلب گار؟
نہیں! محض مجنون! محض شاعر!
محض نوع بنوع گفتگو کرنے والا،
نقابِ جنون کے اندر سے نوع بنوع شور مچانے والا،
جھوٹ کے لفظی پلوں پر چڑھنے اترنے والا،
رنگ برنگ قوس قزحوں پر،
درمیان جھوٹے آسمانوں
اور جھوٹی زمینوں کے،
اِدھر اُدھر پھرنے والا، اِدھر اُدھر اُڑنے والا،
محض مجنون! محض شاعر!
یہ، سچائی کا طلب گار؟
نہ خاموش، ٹھٹھرا ہوا، چکنا، سرد،
بُت بنا ہوا،
سُتونِ خدا بنا ہوا،

نہ مندروں کے سامنے اِستادہ،
مانندِ دربانِ خدا۔
نہیں! بلکہ اس قسم کے سچائی کے بُتوں کا دشمن،
مندروں کی نسبت جنگلوں میں زیادہ بے تکلف،
بلّیوں کی سی جرأت سے بھرا ہوا،
ہر کھڑکی میں سے ہو کر کودنے والا
سُرعت کے ساتھ، ہر اتفاقی موقع میں،
ہر قدیم جنگل کو سونگھتا ہوا،
حرص آمیز تمنا کے ساتھ سونگھتا ہوا،
تاکہ تو قدیم جنگلوں میں
رنگ برنگ درندوں کے درمیان
گناہ آمیز تندرستی کے ساتھ اور طرح طرح سے اور خوب صورتی کے ساتھ
آئے جائے،
مسرت آمیز ہونٹوں کے ساتھ،
مبارک طعنہ زن، مبارک دوزخی، مبارک تشنۂ خون،
چیرتا پھاڑتا ہوا، چپکے سے گھستا ہوا، دروغ گوئی سے چلتا پھرتا۔
یا مثلِ عقاب، جو دیر تک،
دیر تک عمیق غاروں میں گھور کر دیکھتا ہی،
خود اپنے عمیق غاروں میں۔
ارے وہ کس طرح نیچے کی طرف،
پستی کی طرف، اندر کی طرف،

گہری گہری کھائیوں میں پیچ وتاب کھاتے ہیں!

پھر،
یک بیک سیدھے تیر کی طرح،
تھرّاتی ہوئی اڑان کے ساتھ،
بھیڑ کے بچوں پر جا پڑتے ہیں،
سر کے بل نیچے کی طرف، بھوک سے بیتاب،
بھیڑ کے بچوں کی اشتہا دلوں میں لیے ہوئے،
تمام میمنوں کی روحوں کے دشمن،
سخت دشمن ان تمام چیزوں کے، جو دکھائی دیتی ہیں
بھیڑ کی طرح، میمنوں کی سی آنکھوں والی، حلقے دار اُون والی،
بھوری، بھیڑ اور میمنے کی سی خوش سلوک والی!
اسی طرح
عقاب کی مانند، تیندوے کی مانند
شاعر کی تمنّائیں ہوتی ہیں،
تیری تمنّائیں ہوتی ہیں ہزار ہا بہروپ کے نیچے،
اے مجنون! اے شاعر!
جو کہ تو انسان کو اس طرح دیکھتا تھا
جیسے خدا بھی دیکھتا ہے اور بھیڑیا بھی۔
انسان کے اندر خدا کو چیرنے پھاڑنے والا
جس طرح انسان کے اندر بھیڑ کو،
اور چیرتا پھاڑتا ہوا ہنسنے والا۔

یہ، یہ ہو تیری انتہائی مسرت!
ایک تیندوے اور عقاب کی مسرت!
ایک شاعر اور مجنون کی مسرت!"
شفاف فضا میں،
جب کہ قرصِ ماہتاب
تیز سرخیوں کے درمیان سے سبزی لیے ہوئے
اور حسد کے ساتھ گھسنا پلتا چلا جاتا ہو۔
دن کا دشمن،
قدم بقدم چپکے چپکے
گلاب کے پھول والے جھولے کے پاس سے
گزرتا ہوا، یہاں تک کہ وہ ڈوب جاتے ہیں،
چہرہ فق کیے ہوئے رات کی طرف ڈوب جاتے ہیں
اسی طرح میں خود بھی ایک بار ڈوب چکا ہوں
اپنی سچائی کے جنون کی وجہ سے،
اپنی روزانہ تمناؤں کی وجہ سے،
دن سے اکتا کر، روشنی سے تنگ آکر،
میں ڈوب گیا تھا نیچے کی طرف، شام کی طرف، سائے کی طرف،
محض ایک سچائی کی وجہ سے جھلسا ہوا اور پیاسا۔
کیا تجھے اب تک یاد ہو، کیا تجھے یاد ہو، ای گرم دل،
کہ تو اس وقت کس قدر پیاسا ہو رہا تھا؟
کہ میں جل گیا تھا

تمام سچائیوں سے،
نِرا مجنون!
نِرا شاعر!

عُلوم و فُنون

یہ تھا گیت مداری کا۔ اور تمام حاضرین مجلس چڑیوں کی طرح بے خبر اس کی چالاک اور دل گیر نفس پرستی کے شکار ہو گئے۔ بس وہ روحانی صاحبِ ضمیر اس کے داؤ میں نہ آیا۔ اس نے مداری کے ہاتھ سے یک بیک رباب لے لیا اور باآواز بلند کہنے لگا: "ہوا! صاف ہوا اندر آنے دو! زردشت کو اندر آنے دو! تو نے اس غار کو بخار آلود اور زہر آلود بنا دیا ہے، اے بدذات بوڑھے مداری!

اے جھوٹے اور مکار، تو دھوکا دے کر نامعلوم خواہشات اور بیابانوں میں لے جا رہا ہے۔ اور حیف ہے اگر تجھ جیسے لوگ سچائی کی لاف زنی کریں!

حیف ہے ان تمام آزاد منشوں پر جو ایسے جادوگر سے بے خبر رہتے ہیں! ان کی آزادی کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ تو انھیں سمجھا بجھا کر جیل خانوں میں پھسلا کر واپس لے آتا ہے۔

اے بوڑھے دل گیر شیطان، تیری فریاد میں پھسلاہٹ کی سیٹی سنائی دیتی ہے۔ تیری مثال ان لوگوں کی سی ہے جو اپنی پارسائی کی تعریف کر کے لوگوں کو خواہشاتِ بد کی طرف لے جاتے ہیں۔"

یہ تھی تقریر صاحبِ ضمیر کی۔ مگر بوڑھے مداری نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی اور اپنی کامیابی کا مزہ اڑانے لگا اور اس کی وجہ سے اس ایذا کو تیر کر گیا جو صاحبِ ضمیر کی طرف سے اسے پہنچی تھی۔ اس نے مؤدبانہ آواز سے کہا: "چپ ہو! اچھے گیت اچھی صدائے بازگشت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ اچھے گیتوں کے بعد انسان کو

دیر تک چپ رہنا چاہیے۔

یہ سب لوگ یوں ہی کیا کرتے ہیں، یعنی یہ برتر انسان۔ مگر شاید میرا گیت تیری سمجھ میں ٹھیک نہیں آیا؟ تجھ میں روحِ جادوگری مفقود ہو۔"

صاحبِ ضمیر نے جواب دیا: "یہ تو میری تعریف ہوئی کہ تو مجھے اپنے آپ میں شامل نہیں کرتا۔ بہت خوب! لیکن ای دوسرے لوگو، میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں؟ تم تو سب کے سب حرص آمیز آنکھوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہو۔

ای آزاد منشو، تمھاری آزادی کو کیا ہو گیا! مجھے گویا یہ معلوم ہوتا ہو کہ تمھاری مثال ان لوگوں کی سی ہو جنھوں نے بہت دیر تک بُری، ناچنے والی عورتوں کو دیکھا ہو۔ خود تمھاری روحیں رقص کر رہی ہیں!

ای برتر انسانو، تم میں اس چیز کا زیادہ حصّہ ہونا چاہیے جس کا نام مداری نے اپنی جادوگری اور دھوکے بازی کی روحِ بد رکھا ہو۔ ہمیں یقینی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہونا چاہیے۔

اور واقعی زردشت کے اپنے غار میں واپس آنے سے پہلے ہم نے باہم اتنی باتیں کی ہیں اور سوچا ہو کہ یہ امکان باقی نہیں رہا کہ میں نہ جانوں کہ ہم باہم مختلف ہیں۔

یہاں اوپر بھی ہم لوگ ایک دوسرے سے مختلف چیزوں کی تلاش میں آئے ہیں، تم اور میں۔ میں تو زیادہ تر امن و امان کی تلاش میں ہوں، اس لیے میں زردشت کے پاس آیا ہوں۔ وہی مضبوط ترین منارہ اور عزم ہو،

آج جب کہ ہر چیز ڈگمگا رہی ہو جب کہ زمین متزلزل ہو۔ مگر جو صورت تم بنا رہے ہو اس سے مجھے گویا یہ معلوم ہوتا ہو کہ تم زیادہ تر بے امنی کی تلاش میں ہو،

زیادہ تر خوف زیادہ خطرے زیادہ تر زلزلے کی تلاش میں۔ ای برتر انسانو،

میری گستاخی معاف کرو اگر میں کہوں کہ میرے خیال میں تمھیں اس بات کی حرص ہو،
تمھیں اس بات کی حرص ہو کہ تم بدترین اور مخدوش ترین زندگی بسر
کرو جس سے مجھے سب سے زیادہ ڈر معلوم ہوتا ہو، یعنی وحشی جانوروں کی
زندگی اور جنگل اور غار اور ڈھالو پہاڑ اور بھول بھلیوں والے پہاڑی گھرے
راستے۔
اور خطرے سے نجات دینے والے رہبروں کو تم سب سے زیادہ پسند
نہیں کرتے بلکہ ان لوگوں کو جو تمھیں ہر ایک راستے سے الگ لے جاتے ہیں،
یعنی گمراہ کن۔ لیکن یہ حرص تم میں واقعی ہو بھی تاہم یہ بات مجھے ناممکن معلوم ہوتی ہو
خوف، یہ انسان کا موروثی اور بنیادی احساس ہو۔ خوف کے ذریعہ سے
ہر چیز حل ہو جاتی ہو، موروثی گناہ اور موروثی نیکی۔ خوف ہی کی وجہ سے میری
نیکی نے جس کا نام علوم و فنون ہو نشو و نما پائی ہو۔
جنگلی جانوروں سے خوف: یہ سب سے زیادہ مدت تک انسان میں پالا
پوسا گیا ہو۔ اس میں وہ جانور بھی شامل ہو جو انسان اپنے اندر لیے پھرتا ہو اور جس
سے وہ خائف رہتا ہو۔ زردشت نے اس کا نام "اندرونی جانور" رکھ چھوڑا ہو۔
ایسا طویل اور پرانا خوف جو روحانی اور دماغی حیثیت سے لطیف ہو گیا
ہو، آج میرے خیال میں اس کا نام علوم و فنون ہو"۔
یہ تھی تقریر صاحبِ ضمیر کی۔ لیکن زردشت نے جو ابھی اپنے غار میں واپس
آیا تھا اور آخری تقریر سنی اور سمجھی تھی صاحبِ ضمیر کی طرف مٹھی بھر گلاب کے
پھول پھینک مارے اور اس کی "سچائیوں" پر ہنسا اور بآوازِ بلند کہنے لگا: "کیا!
میں نے ابھی کیا سنا؟ واقعی میرا خیال ہوتا ہو کہ یا تو تو پاگل ہو یا خود میں۔ اور تیری
"سچائی" کو میں ابھی چاروں شانے چت کر دوں گا۔

خوف ہمارے لیے ایک مستثنیٰ چیز ہی۔ مگر جرأت اور لا اُبالی پن اور غیر معلوم اور غیر تجربہ شدہ چیز کی خواہش : بالخصوص جرأت میرے خیال میں انسان کی ساری سرگزشت ہی۔

اس نے وحشی سے وحشی اور بہادر سے بہادر جانوروں کی تمام صفاتِ حمیدہ حسد سے لوٹ لیں۔ بس انھیں باتوں سے وہ انسان بن گیا۔

یہ جرأت بالآخر روحانی اور دماغی حیثیت سے لطیف ہوکر، یہ انسانی جرأت عقاب کی سی بال و پر اور سانپ کی سی دانشمندی والی : آج میرے خیال میں اس کا نام ......"

سارا مجمع یکزبان ہوکر بآوازِ بلند کہنے لگا: "زردشت ہی!" اور بڑے زور سے ہنسنے لگا۔ اور گویا ان میں سے ایک کالا بادل اٹھا۔ مداری بھی ہنسا اور دانشمندی کے ساتھ کہنے لگا:" بہت خوب! میرا بھوت چلتا ہوا۔

اور کیا میں تمھیں اس سے خود خبردار نہیں کیا تھا جب میں نے تم سے کہا تھا کہ وہ دھوکے باز ہی، وہ روحِ دروغ و دغا بازی؟

بالخصوص جب وہ برہنہ ہوکر آئے۔ مگر اس کی دغا بازیوں کا میں کیا کروں! کیا اسے اور دنیا کو میں نے پیدا کیا ہی؟

بہت خوب! آؤ ہم پھر مَن جائیں اور راضی ہو جائیں! اور اگرچہ زردشت تیز تیز دیکھ رہا ہی۔ تاہم اس کو دیکھو تو سہی! وہ مجھ سے ناخوش ہی،

رات آنے سے پہلے وہ پھر مجھ سے محبّت اور میری تعریف کرے گا۔ بغیر ان حماقتوں کے اس کے لیے اور زندہ رہنا ناممکن ہی۔

وہ اپنے دشمنوں سے محبّت کرتا ہی۔ جتنے آدمیوں کو میں نے دیکھا ہی ان سب سے بہتر وہ اس فن کو جانتا ہی۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہی کہ وہ اپنے دوستوں

سے کینہ نکالتا ہی۔"

یہ تھی تقریر مداری کی، اور برتر انسانوں نے اس پر آفرین کی: یہاں تک کہ زردشت نے چاروں طرف پھر کر شرارت اور محبّت کے ساتھ اپنے دوستوں سے مصافحہ کیا، مانند اس شخص کے جس کو سب سے کسی نہ کسی بات کی معافی مانگنی اور تدارک کرنا ہو۔ لیکن جب وہ اس طرح سے اپنے غار کے منہ پر پہنچا تو یک بیک اس کو پھر باہر کی صاف ہوا اور اپنے جانوروں کی تمنّا محسوس ہوئی اور وہ چاہتا تھا کہ باہر نکل بھاگے۔

ما بینِ دختران ِ ریگستان

اب سیّاح نے جو اپنے آپ کو سایۂ زردشت کہتا تھا کہا: "جا مت! ہمارے پاس ٹھیر! ورنہ اندیشہ ہی کہ ہم پر پھر وہی پُرانی دِلگیر غمگینی طاری ہو جاتے۔

ابھی اس بوڑھے مداری نے اپنی بدترین چیزوں سے ہماری ضیافت کی تھی۔ اور دیکھ تو سہی کہ نیک پارسا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ پھر ہمہ تن غمگینی کے سمندر میں جہاز نشیں ہی۔

چاہیں تو یہ بادشاہ پھر ہمارے سامنے شکلِ نیک بنا کر بیٹھیں۔ اسے تو انھوں نے آج ہم سب سے بہتر سیکھا ہی! لیکن اگر ان کو کوئی دیکھنے والا نہ ہو تو میں شرط لگاتا ہوں کہ وہ بھی بُرا کھیل شروع کر دیں گے،

بُرا کھیل اُمنڈتے ہوئے بادلوں کا، مرطوب غمگینی کا، گھرے ہوئے آسمان کا، چھپے ہوئے سورجوں کا، تیز و تند بادِ خزاں کا،

بُرا کھیل ہمارے چلّانے اور واویلا کرنے کا۔ ہمارے ساتھ ٹھیر، اے زردشت! یہاں بہت کچھ پوشیدہ بیکسی ہی جو زبانِ حال سے کچھ کہنا چاہتی ہی، بہت سی شام، بہت سے بادل، بہت سی مرطوب ہوا!

تونے مقوی غذائے انسانی اور مضبوط مقولوں سے ہماری نشو و نما کی ہی:
اب اس کی اجازت نہ دیجیو کہ بعد طعام کم زور زنانی روحین ہم پر پھر حملہ کر بیٹھیں!
تنہا تو ہی وہ شخص ہی جو اپنے ارد گرد کی ہوا کو مضبوط اور صاف بنا دیتا ہی!
مجھے کبھی بھی زمین پر ایسی اچھی ہوا ملی ہی جیسے تیرے پاس اس تیرے غار میں؟
بہت سارے ملک تو میں نے دیکھے ہیں۔ میری ناک نے قسم قسم کی ہواؤں کا
امتحان کرنا اور ان کا پرکھنا سیکھا ہی، لیکن میرے نتھنوں نے بڑی سے بڑی مسرت
تیرے ہی یہاں چکھی ہی۔
اگر اور کہیں چکھی ہی تو، اگر چکھی ہی تو، معاف کر کہ مجھے ایک پرانی یاد آتی ہی!
معاف کر کہ مجھے ایک سرودِ بعدِ طعام یاد آتا ہی جو میں نے دخترانِ ریگستان کے
ساتھ رہکر بنایا تھا،
جن کے یہاں فوراً عمدہ اور روشن مشرقی ہوا مل جاتی تھی۔ وہاں میں اپنے
آپ کو ابر آلود مرطوب اور ملول پرانے یورپ سے دور ترین جگہ میں پاتا تھا۔
اس زمانے میں میں اِسی قسم کی مشرقی لڑکیوں سے محبت کرتا تھا اور اسی
قسم کی دوسری آسمانی حکومتوں سے جن پر نہ ابر آویزاں تھے اور نہ کوئی خیالات۔
تمھیں یہ یقین نہیں آسکتا کہ جب وہ رقص نہ کرتی تھیں تو کس قدر مؤدبانہ
بیٹھتی تھیں، سنجیدہ مگر خالی از خیالات، جیسے چھوٹے موٹے راز، جیسے سر بمہر چیستانیں،
جیسے کھانے کے بعد کھانے کے اخروٹ،
رنگ برنگ اور اجنبی تو ضرور مگر بغیر ابر کے: ایسی چیستانیں جو حل کی
جا سکتی ہیں: انھیں لڑکیوں کی خاطر میں نے اس زمانے میں ایک کھانے کے
بعد کا گیت بنایا تھا۔"
یہ تھی تقریر اس شخص کی جو سیاح اور سایہ تھا۔ اور قبل اس کے کہ کوئی شخص

اسے جواب دے اس نے بوڑھے مداری کا رباب اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پالتی مار کر بیٹھ گیا اور اپنے آس پاس اطمینان اور ہوشمندی سے دیکھنے لگا۔ مگر وہ اپنے نتھنوں سے ہوا کو آہستہ آہستہ اور سوال کناں اپنے اندر کھینچ رہا تھا، مثل اس شخص کے جو نئے ملکوں میں مانوس اور نئی ہوا کا مزہ لے رہا ہو۔ اس کے بعد وہ چلّا چلّا کر گانے لگا۔

۲

ریگستان بڑھ رہا ہی، حیف ہی اس پر جو ریگستانوں کا چھپانا چاہتا ہو!

ہاں! ضرور بالضرور!

واقعی ضرور بالضرور!

ایک قابل قدر ابتدا!

واقعی افریقہ کا سا!

شایانِ شان ایک شیر کے

یا پند ونصائح کا شور کرنے والے بندروں کے۔

مگر تمھارے لیے ہیچ،

اے سب سے پیاری محبوبو،

جن کے قدموں میں مجھے

پہلی مرتبہ،

ایک باشندہ یورپ کو کھجوروں کے نیچے،

بیٹھنے کی عزّت ملی ہی۔ بہت خوب!

واقعی عجیب وغریب!

اب میں یہاں بیٹھا ہوا ہوں،

ریگستان کے قریب، تاہم،
ریگستان سے پھر بھی دور،
نیستی کی حالت میں بھی تباہ حال:
یعنی مجھے نگل لیا ہو
اس چھوٹے موٹے زرخیز خطّہ بیابانی نے۔
اس نے جمائیاں لے کر کھولا ہی تھا
اپنا پیارا منہ،
تمام منہوں سے زیادہ خوشبودار،
کہ میں اس کے اندر جا پڑا،
نیچے کی طرف، اندر ادھر اُدھر، تمھارے درمیان میں،
اے سب سے پیاری محبوبو! بہت خوب!
سلامتی، سلامتی اس ویل مچھلی کو،
جب وہ اس طرح اپنے مہمان کی
خاطر مدارات کرے! تم سمجھتے ہو
میرا عالمانہ استعارہ؟
سلامتی اس کے پیٹ کو،
بشرطیکہ وہ اس طرح سے
ایک ایسا پیارا بیابانی خطۂ زرخیز کا سا پیٹ ہو
جیسے کہ یہ۔ مگر میں اس کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔
وجہ یہ ہے کہ میں باشندۂ یورپ ہوں،
جو زیادہ شکی مزاج ہے بہ نسبت تمام

سن رسیدہ بیاہی عورتوں کے۔
خدا اس کی اصلاح کرے !
آمین !

اب میں یہاں بیٹھا ہوا ہوں ،
اس چھوٹے موٹے بیابانی خطۂ زرخیز میں ،
مثل ایک دانۂ خرما کے ،
بادامی ، سرتاپا شیریں ، سونے کا قسم کھانے والا ، آرزومند
کسی لڑکی کے گول منہ کا ،
بلکہ اس سے بھی زیادہ ، لڑکپن کے سے ،
برف کی طرح سرد ، برف کی طرح سفید ، تیز
اگلے دانتوں کا ، جن کے لیے
مشتاق ہیں وہ دل تمام گرم کھجوروں کا ۔بہت خوب !
مذکورہ جنوبی میوہ جات سے
مشابہ ، بہت زیادہ مشابہ
میں یہاں پڑا ہوا ہوں ، چھوٹے چھوٹے
پتنگے
اردگرد سونگھ رہے ہیں ، اردگرد کھیل رہے ہیں ،
نیز اس سے بھی چھوٹے
زیادہ بیوقوف اور زیادہ گناہ گار
خواہشیں اور خیالات ،
گھرا ہوا ہوں تم سے ،

ای لب بستہ، ای خبردار
نوجوان بلبیو،
دُو دُو اور زلیخا،
چیستانوں سے گھرا ہوا، حتیٰ کہ میں ایک لفظ میں
بہت سے احساسات کو بھر دیتا ہوں۔
(خدا معاف کرے
یہ لفظی گناہ!)
میں یہاں بیٹھا ہوں، بہترین ہوا کھا رہا ہوں،
واقعی جنت کی ہوا،
شفّاف اور ہلکی ہوا، سنہری دھاری والی،
اس سے بہتر ہوا کبھی
چاند سے نیچے نہیں گری،
خواہ یہ محض اتفاق ہی کیوں نہ ہو،
یا یہ محض ایک شرارت کا نتیجہ ہے؟
جس طرح سے کہ قدیم شعرا کا بیان ہے۔
مگر میں شکّی مزاج اس پر
شک کرتا ہوں، لیکن آخر میں تو آیا ہوں
یورپ سے،
جو زیادہ شکّی مزاج ہے بہ نسبت تمام
سن رسیدہ بیاہی عورتوں کے۔
خدا اس کی اصلاح کرے!

آمین!
یہ سب سے زیادہ خوب صورت ہوا کھاتے ہوئے،
نتھنوں سے جو پیمانے کی طرح پھول گئے ہوں،
بغیر مستقبل کے، بغیر یادگار کے،
اس طرح میں یہاں بیٹھا ہوں، اے
سب سے پیاری محبوبو،
اور کھجور کے درخت کا نظارہ کر رہا ہوں،
کہ وہ کس طرح مانند ایک رقاصہ کے،
جھکتی ہے اور لپٹ جاتی ہے اور اپنے کولھے مٹکاتی ہے۔
اگر کوئی اس کو دیکھے تو وہ خود اس کی نقل کرنے لگتا ہے!
کیا مثل ایک رقاصہ کے جو، جیسا کہ میرا خیال ہے،
بہت زیادہ دیر تک، خطرناک دیر تک
ہمیشہ ہمیشہ ایک ہی پانو پر کھڑی رہتی ہے؟
اس وجہ سے وہ بھول گئی ہے، جیسا کہ میرا خیال ہے،
دوسرے پانو کو؟
کم از کم بے فائدہ
ڈھونڈھتا تھا میں غائب شدہ
توأم زیور
یعنی دوسرے پانو کو،
پاک نزدیکی میں
اس کے دل آویز ترین، نازک ترین،

پنکھے کی طرح، جھولنے والے اور جھل مل کرنے والے لہنگے کے۔
ہاں، اگر تم، اے حسین محبوبو، میرا
بالکل یقین کرو:
اس نے اسے واقعی کھو دیا ہے!
وہ غائب ہو گیا ہے!
ہمیشہ کے لیے غائب!
یعنی دوسرا پانو!
آہ، افسوس ہے اس دوسرے پیارے پانو پر!
معلوم نہیں کہ وہ کہاں پھر رہا ہوگا اور کہاں افسوس میں اکیلا مبتلا ہوگا؟
وہ تنہا پانو؟
شاید وہ ڈر کر بھاگ گیا ہے ایک
خونخوار، بادامی ایال والے
ڈراؤنے شیر سے؟ یا بالکل
کتر لیا گیا ہے، چبا لیا گیا ہے،
قابل رحم ہے، افسوس! افسوس! چبا لیا گیا! بہت خوب!
ارے رومت،
اے ملائم دلو!
رومت، اے
کھجور کے دلو! دودھ کے سینو!
اے عُودِ شیریں کے دل کے
تھیلو!

اب اور مت رو،
اے زرد رُو دُو دُو !
مرد بن جا، اے زلیخا! ہمّت ! ہمّت !
یا شاید
کیا کوئی مقوی چیز، مقوّیِ قلب
یہاں مناسب ہے ؟
کوئی متبرّک مقولہ ؟
کوئی پاک دلاسا ؟
ارے ! اوپر آ، اے وقار !
خصائل حمیدہ کے وقار ! یورپ والوں کے وقار !
پھونک، پھر پھونک،
اے خصائل حمیدہ کی پُھکنی !
ارے !
پھر ایک بار غُل مچا،
اخلاقی غل مچا !
مثل ایک اخلاقی شیر کے
دختران ریگستان کے آگے غُل مچا !
کیوں کہ اخلاق حمیدہ کا شورُ غُل،
اے سب سے پیاری لڑکیو،
زیادہ ہے بہ نسبت تمام
یورپ والوں کے جوش کے، یورپ والوں کی تیز گرسنگی کے !

اور اب میں یہاں آکر کھڑا ہو گیا ہوں ،
بحیثیت ایک باشندہ یورپ کے ،
میں اور کسی بات کے قابل نہیں ہوں ، خدا میری مدد کرے !
آمین !

ریگستان بڑھ رہا ہے، حیف ہے اس پر جو ریگستانوں کو چھپانا چاہتا ہے!

بیداری

اس شخص کے گیت کے بعد جو سیاح اور سایہ تھا غار میں یک بیک شور و قہقہہ مچ گیا ، اور چوں کہ مہمانوں کا سارا مجمع سب ایک ساتھ باتیں کرنے لگا ، اور گدھا بھی اس ہمت افزائی کی وجہ سے خاموش نہ رہ سکا ، زردشت پر اپنے مہمانوں کے خلاف کسی قدر دل برداشتگی اور حقارت طاری ہوگئی۔ اگرچہ وہ بھی ان کی مسرت کی طرح مسرور تھا۔ کیوں کہ اس سے ان کے مرض کے روبصحت ہونے کا پتا چلتا تھا۔ لہٰذا وہ باہر کھلے میدان میں نکل بھاگا اور اپنے جانوروں سے باتیں کرنے لگا۔

" ان کی مصیبت کہاں چلتی ہوئی ؟ " اس نے کہا اور ایک سانس بھر کر اپنی چھوٹی موٹی دل تنگی دور کر دی ، " میرے یہاں ، جیسا کہ میرا خیال ہے ، وہ اپنی واویلا بھول گئے ! "

اگرچہ ، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے ، کہ غل مچانا نہیں بھولے"۔ اور زردشت اپنے کان بند کیے ہوئے تھا ، کیوں کہ اب گدھے کی اِی ، آ ، اُن برتر انسانوں کے خوشی کے نعروں سے عجب انداز سے مخلوط ہو رہی تھی۔

اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا : " وہ خوش و خرم ہیں ، اور کون جانے

کیوں ؟ شاید اپنے میزبان کے بل بوتے پر۔ اور اگرچہ انھوں نے مجھ سے ہنسنا سیکھا ہی تاہم وہ میری ہنسی نہیں ہی جو انھوں نے سیکھی ہی۔

لیکن اس میں مضائقہ کیا ہی ! یہ سن رسیدہ لوگ ہیں۔ وہ اپنی طرز سے لطف اٹھا رہے ہیں، وہ اپنی طرز سے ہنس رہے ہیں۔ میرے کانوں نے اس سے بدتر چیزیں برداشت کی ہیں اور چڑچڑے نہیں ہوئے۔

یہ روز روز فتح ہی: وہ غائب ہو چلی ہی، وہ رفوچکر ہو رہی ہی، یعنی بھاری پن کی روح، میری پرانی خاندانی دشمن ! یہ دن جس کی ابتدا ایسی سخت اور خراب ہوئی کس قدر اچھی طرح ختم ہونا چاہتا ہی !

اور ختم تو وہ ہوگا ہی ۔ شام سر پر کھڑی ہی۔ وہ سمندر کے اوپر گھوڑے پر سوار چلی آ رہی ہی، وہ نفیس سوار !

وہ خوش و خرم گھر واپس آنے والی اپنے زرق برق زینوں پر کس طرح جھولتی چلی آ رہی ہی !

آسمان اس کو صاف نگاہوں سے دیکھ رہا ہی، دنیا گہرائی میں ہی۔ اے تمام اعجوبۂ روزگار جو کہ میرے پاس آئے ہو، میرے یہاں رہنا بے سود نہ ہوگا۔"

یہ تھی تقریر زردشت کی ۔ اور پھر غار کے اندر سے برتر انسانوں کا شور وغل اور قہقہہ سنائی دیا۔ تب اس نے از سر نو کہنا شروع کیا۔

"وہ منہ ڈال رہے ہیں، میرا چارا کارگر ثابت ہوا۔ ان کا دشمن یعنی بھاری پن کی روح بھی ان سے بھاگ رہی ہی۔ وہ خود اپنے اوپر ہنسنا سیکھ رہے ہیں۔ کیا میں ٹھیک سن رہا ہوں ؟

میرا انسانی نغمہ کام کر رہا ہی، یعنی میرا بھاری بھرکم مقولہ۔ اور واقعی میں نے ریاحی ترکاریوں سے ان کی پرورش نہیں کی ! بلکہ سپاہیانہ خوراک سے،

فاتح کی خوراک سے :نئی آرزوؤں کو میں نے جگا دیا ہو۔

ان کے ہاتھ پانو میں نئی امیدیں آگئی ہیں، ان کا دل انگڑائیاں لے رہا ہو۔ نئے نئے الفاظ ان کے ہاتھ آ رہے ہیں۔ عنقریب ان کی روح بہادری کی سانس بھرے گی۔

یہ سچ ہو کہ یہ خوراک بچّوں کے لیے مناسب نہیں اور نہ مشتاق بوڑھی اور جوان عورتوں کے لیے۔ ان کی انتڑیوں کو بطرز دیگر سمجھایا بجھایا جاتا ہو، میں ان کا طبیب اور معلم نہیں ہو سکتا۔

ان برتر انسانوں سے نفرت کا مادّہ زائل ہو رہا ہو۔ بہت خوب! یہی میری کامیابی ہو۔ میری حکومت میں وہ امن وامان سے رہیں گے، ہر حماقت آمیز حیا چلتی ہو گی۔ وہ اپنے راز انڈیل دیں گے۔

وہ اپنا دل کھول کر رکھ دیں گے۔ ان کی نیک گھڑیاں واپس آ رہی ہیں۔ وہ خوشی منائیں گے اور جگالی کریں گے، وہ شکر گزار ہوں گے۔

اِس کو میں شگونِ نیک خیال کرتا ہوں۔ وہ شکر گزار ہوں گے۔ تھوڑی ہی مدت کے بعد وہ سوچ سوچ کر جشن ایجاد کریں گے اور اپنی مسرتوں پر سنگ یادگار استادہ کریں گے۔

وہ رو بصحت ہیں!" زرتشت نے شادماں ہو کر یہ اپنے دل سے کہا اور باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن اس کے جانور گھس پل کر اس کے پاس پہنچے اور اس کی خوش وقتی اور خاموشی کو عزّت کی نظر سے دیکھنے لگے۔

(۲)

مگر یک بیک زرتشت کا کان سہم گیا، یعنی غار جواب تک شور اور قہقہے سے گونج رہا تھا یک بیک مردے کی طرح خاموش ہو گیا۔ مگر اس کی ناک کو خوشبودار بخارات اور اگر کی بتّیوں کا دھنواں سنگھائی دیا گویا کہ صنوبر جل رہے ہیں۔

"کیا ہو رہا ہے ؟ وہ کیا کر رہے ہیں ؟" اس نے اپنے آپ سے پوچھا اور غار کے منہ کے پاس کھسک گیا تاکہ وہ اپنے مہمانوں کو دیکھ سکے اور انھیں خبر نہ ہو لیکن تعجب پر تعجب ! وہ اپنی آنکھوں سے کیا دیکھ رہا ہے !

"وہ سب کے سب مذہبی بن گئے ہیں ، وہ نمازیں پڑھ رہے ہیں ، وہ پاگل ہو گئے ہیں !" وہ یہ کہنے لگا اور انتہا سے زیادہ متعجب ہوا ۔ اور واقعی ! یہ برتر انسان ، دونوں بادشاہ ، پنشن یافتہ پوپ ، بدذات مداری ، گدائے خودساختہ سیاح اور سایہ ، بوڑھا پیشین گو ، روحانی صاحبِ ضمیر ، اور بدصورت ترین انسان : وہ سب بچوں اور بوڑھی مذہبی عورتوں کی طرح گھٹنوں کے بل پڑے ہیں اور گدھے کی پرستش کر رہے ہیں ۔ اور بدصورت ترین انسان نے ابھی کھنکھارنا اور ناک صاف کرنا شروع کیا ہے گویا کہ کوئی ناگفتنی بات اس سے نکلنے والی ہے ۔ لیکن جب اس نے واقعی کہنا شروع کیا تو یہ معلوم ہوا کہ وہ ان کے معبود اور دھونی دیے ہوئے گدھے کی حمد و ثنا میں ایک عجیب و غریب مذہبی نماز ہے ۔ اور نماز یہ تھی :

آمین ! اور حمد اور نیاز اور دانشمندی اور شکرگزاری اور تعریف اور قوت ہمارے خدا کے لیے ، ازل سے ابد تک !

اور گدھے نے اس پر آواز لگائی : ای ، آ ۔

وہ ہمارا بوجھ اٹھاتا ہے ۔ اس نے عبودیت اختیار کی ہے ، وہ دل سے متواضع ہے اور نہیں کبھی نہیں کہتا ۔ اور جو کوئی اپنے خدا سے محبت رکھتا ہے وہ اس کی تادیب کرتا ہے ۔

اور گدھے نے اس پر آواز لگائی : ای ، آ ۔

وہ بات نہیں کرتا ، اور اگر کرتا ہے تو اس دنیا سے ہمیشہ ہاں کہتا ہے جسے اس نے پیدا کیا ہے : اس طرح سے وہ اپنی دنیا کی تعریف کرتا ہے ۔ یہ اس کی چالاکی ہے

جو زبان نہیں کھولتی: اس لیے وہ اکثر حق بجانب رہتا ہی۔
اور گدھے نے اس پر آواز لگائی: اِی، آ، !

وہ دنیا میں نظروں سے پوشیدہ پھرتا ہی۔ جس جسم میں وہ اپنی صفاتِ حمیدہ لپیٹ کر رکھتا ہی اس کا رنگ بھورا ہی۔ اگر اس میں کوئی دماغی صفت ہی بھی تو وہ اس کو ظاہر نہیں کرتا۔ لیکن اس کے لمبے کانوں پر ہر شخص اعتقاد رکھتا ہی۔
اور گدھے نے اس پر آواز لگائی: ای، آ۔

یہ کیا ہی پُر از راز دانشمندی ہی کہ اس کے کان لمبے لمبے ہیں اور وہ ہمیشہ ہاں کہتا ہی اور نہیں کبھی نہیں کہتا! کیا اس نے دنیا کو اپنی شبیہ کے مطابق پیدا نہیں کیا، یعنی اتنا بیوقوف جتنا ہو سکتا ہی؟
اور گدھے نے اس پر آواز لگائی: ای، آ۔

اور سیدھے اور ٹیڑھے راستوں پر چلتا ہی۔ تو اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ ہم انسانوں کو کونسی بات سیدھی اور کونسی ٹیڑھی معلوم ہوتی ہی۔ تیری حکومت نیک و بد کے اس پار ہی۔ تجھے معصومیت کا علم نہ ہونا تیری معصومیت کی دلیل ہی۔
اور گدھے نے اس پر آواز لگائی: ای، آ۔

دیکھ تو سہی کہ تو کسی کو دھکا دیکر اپنی جناب سے نہیں نکالتا، نہ فقیروں کو اور نہ بادشاہوں کو۔ بچّوں کو تو اپنے پاس آنے دیتا ہی، اور جب شریر لڑکے تجھے بہکاتے ہیں تو تو بھولے پن سے اِی، آ، کہتا ہی۔
اور گدھے نے اس پر آواز لگائی: ای، آ۔

تجھے گدھیوں اور تازے انجیروں سے محبّت ہی، تو کسی کھانے کو ناپسند نہیں کرتا کانٹا بھی تیرے مرغوبِ خاطر ہوتا ہی اگر تجھے بھوک لگی ہو۔ یہ ہی خدائی دانشمندی ہی۔
اور گدھے نے اس پر آواز لگائی: اِی، آ۔

جشنِ خر

نماز یہاں تک پہنچی تھی کہ زردشت سے زیادہ ضبط نہ ہوسکا اور گدھے سے
زیادہ زور سے چلّا کر کہا اِی ، آ ، اور اپنے مجنوں شدہ مہمانوں کے درمیان کود
پڑا اور نمازیوں کو زمین پر سے کھینچ کر کہنے لگا : "ارے تم کیا کر رہے ہو، ای بنی آدم؟
حیف ہی تم پر اگر زردشت کے علاوہ تمھیں کوئی دیکھتا ہو۔
ہر شخص یہ ہی فیصلہ کرے گا کہ تم اس اعتقاد کی وجہ سے خدا کا کفرانِ نعمت
کرتے ہو یا تمام بوڑھی عورتوں سے بھی زیادہ احمق ہو !
اور ای بوڑھے پوپ ، اس بات کی چول خود تیرے ہاتھ کس طرح بیٹھی کہ تو
یہاں ایک گدھے کو یوں خدا بنا کر پوجتا ہو ؟"
پوپ نے جواب دیا : " ای زردشت ، مجھے معاف کر ، خدائی معاملات
میں میں تجھ سے زیادہ صائب الرائے ہوں ، اور میرا یہ فعل حق بجانب ہی۔
اس طرح سے ، اس شکل میں خدا کی عبادت کرنا بہتر ہی بہ نسبت اس کے
کہ کسی شکل میں نہ کی جائے ! اس مقولے پر غور کر ، ای میرے بزرگ دوست :
تجھے فوراً معلوم ہو جائے گا کہ اس مقولے میں دانشمندی پوشیدہ ہی۔
جس شخص کا یہ کہنا ہی کہ " خدا ایک روح ہی " اس نے بداعتقادی کی
طرف ایسا قدم بڑھایا ہی اور ایسی چھلانگ ماری ہی جو اب تک کسی نے نہ کی ہو۔
زمین پر اس طرح کی باتوں کا کفّارہ آسانی سے نہیں ہوسکتا !
اس بات پر میرا بوڑھا دل اچھلنے کودنے لگتا ہی کہ اب تک زمین پر کوئی چیز
قابلِ پرستش موجود ہی ۔ ای زردشت ، ایک پوپ اور مذہبی دل کی یہ بات
معاف کر !"

پھر زردشت نے سیاح و سایہ سے مخاطب ہو کر کہا: "اور تو، تو اپنے آپ کو آزاد منش کہتا ہی اور سمجھتا ہی؟ اور یہاں ایسی بت پرستی اور پادری پرستی کرتا ہی؟
واقعی یہاں تیرا طرزِ عمل بدتر ہی بہ نسبت اس طرزِ عمل کے جو تو اپنی بدذات گندمی رنگ والی عورتوں سے رکھتا ہی، اے بدذات بدعتی اعتقاد والے!"
سیاح و سایہ نے جواب دیا: "تو حق بجانب ہی کہ یہ بات کافی بُری ہی، لیکن اس میں میری کیا خطا! پرانا خدا پھر زندہ ہو گیا ہی، اے زردشت، خواہ تو کچھ ہی کیوں نہ بکے۔

سارا الزام بدصورت ترین انسان کے سر ہی، اسی نے اسے پھر بیدار کر دیا ہی۔ اور اگرچہ اس کا یہ کہنا ہی کہ اس نے اسے ایک بار مار ڈالا تھا تاہم خداؤں کے لیے موت ایک وہم ہی۔"
پھر زردشت نے کہا: "اور تو نے، اے بدذات بوڑھے مداری، تو نے کیا کیا! اگر تو اس طرح کے خدائی گدھے پنوں پر اعتقاد رکھے گا تو آج کل کے آزاد خیال زمانے میں تجھے کون مانے گا؟
جو کچھ تو نے کیا وہ حماقت تھی۔ اے سمجھدار، تجھ سے ایسی حماقت کس طرح سرزد ہوئی!"
سمجھ دار مداری نے کہا: "اے زردشت، تو حق بجانب ہی، یہ واقعی حماقت تھی۔ وہ میرے اوپر بھی کافی گراں گزری۔"
پھر زردشت نے روحانی صاحبِ ضمیر سے کہا: "اور تو بھی غور و خوض کر اور اپنی ناک پر انگلی رکھ! کیا یہ بات تیرے ضمیر کے خلاف نہیں ہی؟ کیا تیری روح ایسی نماز اور ایسے نمازیوں کے بخارات سے اعلیٰ و ارفع نہیں ہی؟"
صاحبِ ضمیر نے اپنی ناک پر انگلی رکھ کر کہا: "اس میں ایک بات ہی،

اس کھیل تماشے میں کوئی چیز ہی جو میرے ضمیر کے لیے تسکین بخش ہی۔
شاید وہ یہ بات ہو کہ مجھے خدا پر اعتقاد رکھنے کی اجازت نہیں۔ مگر یہ یقینی
ہی کہ مجھے خدا اس شکل وصورت میں سب سے زیادہ قابلِ اعتقاد معلوم ہوتا ہی۔
پارساترین لوگوں کی شہادت کے بموجب خدا ابدی ہی۔ جس کے پاس اتنا
زیادہ وقت ہو وہ عجلت نہیں کرتا۔ حتیٰ الامکان آہستہ اور احمق: اس طرح سے
ایک ایسا شخص بہت ترقی کر سکتا ہی۔
اور جس میں بہت زیادہ ذہنیت ہو اس کے سر پر بے وقوفی اور حماقت
کا جنون سوار ہو جانا چاہیے۔ خود اپنی حالت دیکھ لے، ای زردشت!
خود تو، واقعی! تو بھی بہتات اور دانشمندی کی وجہ سے گدھا بن سکتا ہی۔
کیا ایک صاحبِ کمال اور دانشمند سب سے زیادہ ٹیڑھے راستوں پر
بخوشی نہیں جاتا؟ گواہی سے یہ بات ثابت ہی، ای زردشت، تیری گواہی سے!
"اور بالآخر خود تو": یہ زردشت نے بدصورت ترین شخص کی طرف مخاطب
ہو کر کہا جو ابھی تک گدھے کی طرف ہاتھ اٹھائے زمین پر پڑا ہوا تھا (کیوں کہ
وہ اسے شراب پلا رہا تھا)" بول، ای ناگفتنی، تو نے یہ کیا کیا!
میرے خیال میں تُو کچھ کا کچھ ہو گیا ہی، تیری آنکھیں آگ بگولہ ہو رہی ہیں،
تیری بدصورتی عبائے وقار پہنے ہوئے ہی: تو نے کیا کیا؟
کیا یہ درست ہی، جیسے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ تو نے اسے دوبارہ بیدار
کر دیا ہی؟ آخر کیوں؟ کیا وہ بلا وجہ مار ڈالا گیا اور ختم کر دیا گیا تھا؟
میرے خیال میں تو بھی دوبارہ زندہ کر دیا گیا ہی۔ تو نے کیا کیا؟ تو کیوں
واپس آگیا؟ تو نے اپنا اعتقاد کیوں بدل دیا؟ بول، ای ناگفتنی!"
بدصورت ترین آدمی نے جواب دیا: "ای زردشت، تو بڑا بدمعاش ہی!

خواہ وہ زندہ تھا یا دوبارہ زندہ ہوگیا ہو یا بالکل مرچکا ہو، اسے ہم دونوں میں سے کون بہتر جانتا ہو؟ میں یہ تجھ سے پوچھتا ہوں۔

مگر ایک بات میں جانتا ہوں اور وہ میں نے تجھ ہی سے سیکھی ہی، اے زردشت: جو شخص کہ مکمل ترین طریقے سے قتل کرنا چاہتا ہو وہ خندہ زن ہوتا ہو۔

ایک بار تو نے کہا تھا: "انسان غصّے سے نہیں بلکہ خندہ پیشانی سے قتل کرتا ہو"

اے زردشت، اے پوشیدہ، اے بغیر غصّے کے قتل کرنے والے، اے مخدوش پارسا، تو بڑا بدمعاش ہو!"

(۲)

اب یہ واقعہ پیش آیا کہ زردشت سارے بدمعاشی کے جوابات سنتے سنتے متعجب ہو کر اپنے غار کے منہ کی طرف اچھل پڑا اور اپنے تمام مہمانوں کی طرف رخ کر کے بآوازِ بلند کہنے لگا:

"اے تمام مسخرو، اے بھانڈو! تم اپنا بھیس میرے آگے کیوں بدلتے ہو اور اپنے آپ کو کیوں چھپاتے ہو!

تم میں سے ہر ایک کا دل خوشی اور شرارت سے کس طرح اچھل رہا ہو اس بات پر کہ تم پھر بچّوں کی طرح ہو گئے، یعنی مذہبی،

کہ تم نے بالآخر پھر بچّوں کا سا کام کیا یعنی نماز پڑھی، ہاتھ باندھے اور "اللہ میاں،، کہا!

مگر اب میرے لیے اس حُجرۂ اطفال یعنی میرے اپنے غار کو خالی کر دو جہاں آج بچپن کا دَور دَورہ ہو۔ یہاں باہر آکر اپنی بچپن کی گرم شرارت اور شورِ دل کو ٹھنڈا کر دو!

واقعی: اگر تم چھوٹے بچّوں کی طرح نہ ہو جاؤ گے تو تم آسمانی حکومت

میں داخل نہ ہوگے۔" (اور زردشت نے ہاتھوں سے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔)
"مگر ہم آسمانی حکومت میں تو داخل ہونا ہی نہیں چاہتے: ہم مرد بن گئے ہیں،
لہٰذا ہم زمینی حکومت کے خواہاں ہیں۔"

(۳)

اور زردشت نے دوبارہ تقریر شروع کی۔ اس نے کہا: "اے میرے نئے
دوستو، اے اعجوبۂ روزگار، اے برتر انسانو، اب تم مجھے کیسے اچھے لگتے ہو،
جب سے کہ تم پھر ہنس مکھ ہو گئے ہو! تم سب کے سب واقعی کھل گئے ہو۔
میرا خیال ہے کہ تم جیسے پھولوں کے لیے نئے جشنوں کی ضرورت ہے،
ایک چھوٹی موٹی بہادرانہ حماقت کی، کسی نہ کسی نمازِ خدا اور جشنِ خر کی، کسی
نہ کسی بوڑھے مذاقی زردشت کے مسخرے کی، کسی نہ کسی آندھی کی جو چل کر تمھاری
روحوں کو روشن کر دے۔
اس رات اور اس جشنِ خر کو نہ بھولنا، اے برتر انسانو! اس کی ایجاد تم
نے میرے یہاں کی ہے، اس کو میں فالِ نیک سمجھتا ہوں۔ ایسی ایجاد وہی لوگ
کرتے ہیں جو روبصحت ہوں!
اور اگر تم پھر ایسے جشنِ خر کو مناؤ تو اپنی خاطر منانا! اور میری یادگار
میں!"
یہ تھی تقریر زردشت کی۔

متوالا گیت

اور اس اثنا میں وہ یکے بعد دیگرے کھلے میدان اور متفکر رات میں باہر نکل
آئے۔ مگر خود زردشت بدصورت ترین شخص کا ہاتھ پکڑے اس کی رہبری کرتا تھا

تاکہ وہ اسے دنیائے شب اور بڑا گول چاند اور اپنے غار کے پاس کی رُپہلی آبشاریں دکھائے۔ یہاں وہ سب بالآخر باہم خاموش کھڑے ہو گئے۔ بوڑھے بوڑھے آدمی، مگر مطمئن اور بہادر دل والے، اور اس بات پر متعجب تھے کہ ان کو دنیا میں ایسی خوشی حاصل ہے۔ لیکن رات کی رازداری ان کے دلوں کے قریب تر آتی جاتی تھی۔ اور زردشت نے از سرِ نو اپنے دل میں خیال کیا: "وہ مجھے کیسے بھلے معلوم ہوتے ہیں، یعنی یہ برتر انسان!" مگر اس نے اسے زبان سے نہیں کہا کیوں کہ وہ ان کی خوش وقتی اور خاموشی کو نظرِ احترام سے دیکھتا تھا۔

لیکن اب وہ بات پیش آئی جو اس تعجب انگیز طویل دن میں تعجب انگیز ترین تھی۔ بدصورت ترین شخص نے ایک بار اور آخر بار کھنکھارنا اور ناک صاف کرنا شروع کیا۔ مگر جوں ہی وہ اس کو الفاظ میں منتقل کر سکا تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک گول اور صاف سوال اس کے منہ سے نکل پڑا، ایک عمدہ عمیق اور صاف سوال جس سے ان تمام لوگوں کے دل اندر ہی اندر جنبش کرنے لگے جو اس کی باتیں سن رہے تھے۔

بدصورت ترین شخص یوں گویا ہوا: "ای میرے سب کے سب دوستو، تمھارا کیا خیال ہے؟ آج کے دن کی خاطر مجھے سب سے اوّل یہ مسرت حاصل ہوئی ہے کہ میں اب تک زندہ رہا ہوں۔

اور میری شہادت میرے لیے کافی نہیں ہے۔ زمین پر زندہ رہنا بے سود نہیں ہے۔ زردشت کے ساتھ کے ایک دن، ایک جشن نے مجھے زمین کے ساتھ محبّت کرنا سکھا دیا ہے۔

میں موت سے کہنا چاہتا ہوں: "کیا یہ ہے زندگی؟ خوب! تو پھر ایک بار اور سہی!"

ای میرے دوستو، تمھارا کیا خیال ہے؟ کیا تم بھی میری طرح موت سے

نہیں پوچھنا چاہتے ہو: "کیا یہ ہو زندگی ؟ زردشت کی خاطر، اچھا! تو ایک بار اور سہی!"

یہ تھی تقریر بدصورت ترین شخص کی۔ لیکن اب آدھی رات میں بہت زیادہ دیر نہ تھی۔ اور تمھارا کیا خیال ہو کہ اس وقت کیا واقعہ ہوا؟ جوں ہی برترانسانوں نے اس کا سوال سنا فوراً ان کو اپنے تغیر اور روبصحت ہونے کا احساس ہوا اور اس کا بھی کہ انھیں کس سے یہ چیزیں حاصل ہوئیں: تب وہ زردشت کی طرف جھپٹے، اس کا شکریہ ادا کیا، اس کا احترام کیا، اس سے بغل گیر ہوئے، اس کے ہاتھ چومے، اپنے اپنے دستور کے موافق، اس طرح سے کہ بعض ہنستے اور بعض روتے تھے۔ مگر بوڑھا پیشین گو توخوشی کے مارے ناچنے لگا۔ اور اگرچہ بعض راویوں کے کہنے کے مطابق وہ اس وقت میٹھی شراب سے پُر تھا تاہم وہ اس سے زیادہ میٹھی زندگانی سے پُر تھا اور ساری تکان کو اُتار چکا تھا۔ بعض تو یہاں تک بیان کرتے ہیں کہ اس وقت گدھا بھی رقص کر رہا تھا۔ اس سے پہلے بدصورت ترین شخص کا اسے شراب پینے کے لیے دینا بے کار ثابت نہ ہوا۔ یہ باتیں یا تو اسی طرح پیش آئی ہیں اور یا دوسری طرح۔ اور اگر اس رات کو گدھا واقعاً نہ بھی ناچا ہو تاہم اس وقت اس سے بھی بڑی اور تعجب خیز باتیں پیش آئیں بہ نسبت کسی گدھے کے ناچنے کے۔ القصہ زردشت کے مقولے کے مطابق: "اس کی کیا پروا!"

(۲)

مگر جب بدصورت ترین شخص کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تو زردشت وہاں متوالے کی طرح کھڑا تھا: اس کی آنکھیں بے نور تھیں، اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی، اس کے پانو ڈگمگا رہے تھے۔ اور یہ کون جان سکتا ہو کہ اس کی روح پر کن خیالات کا ہجوم تھا؟ مگر ظاہرا یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی روح پیچھے ہٹ

گئی اور آگے آگے بھاگی اور بہت دور پہنچ گئی اور جس طرح کہ کتاب میں لکھا ہوا ہے، "بلند جوئے پر، درمیان دو سمندروں کے،

درمیان ماضی اور مستقبل کے، بھاری بادلوں کی طرح گزرتا ہوا"۔ لیکن رفتہ رفتہ، جب کہ برتر انسان اس کو پکڑے ہوئے تھے، اس کے حواس کسی قدر درست ہو گئے اور اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے محترمین اور مخلصین کو روکا جو اس کے پاس گھسے چلے آتے تھے۔ مگر اس نے زبان سے کچھ کہا نہیں۔ لیکن اس نے یک بیک اپنا سر پھیرا، کیوں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی طرف کان لگائے سن رہا ہے۔ تب وہ اپنے منہ پر انگلی رکھ کر کہنے لگا: "آجاؤ!"

اور فوراً چاروں طرف سناٹے اور خاموشی کا عالم ہو گیا۔ لیکن نیچے کی طرف سے ایک گجر کی آواز آہستہ آہستہ آتی ہوئی سنائی دی۔ برتر انسانوں کی طرح زردشت نے بھی اس کی طرف کان لگائے۔ پھر اس نے دوبارہ اپنے منہ پر انگلی رکھ کر کہا: "آجاؤ! آجاؤ! آدھی رات ہونے والی ہے!" اور اس کی آواز بدلی ہوئی تھی۔ لیکن اب تک وہ اپنی جگہ سے ہلا نہ تھا: تب اور بھی زیادہ سناٹے اور خاموشی کا عالم ہو گیا اور سب کے سب ہمہ تن گوش ہو گئے، حتیٰ کہ گدھا بھی اور زردشت کے اعزازی جانور عقاب اور سانپ بھی، علیٰ ہذا القیاس زردشت کا غار اور بڑا اور سرد چاند اور خود رات۔ اب زردشت نے تیسری بار منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"آجاؤ! آجاؤ! آجاؤ! چلو اب ہم چلیں! گھڑی آن پہنچی ہے: چلو ہم رات کے اندر سیر کرنے چلیں!"

(۳)

اے برتر انسانو، آدھی رات آرہی ہے: اب میں تمھارے کان میں کچھ کہنا

چاہتا ہوں جس طرح کہ اس پُرانے گجر نے میرے کان میں کہا ہے،
ایسے پوشیدہ طور پر، ایسے خطرناک طریقے سے اور اس طرح خلوص
قلبی سے جیسے کہ اس آدھی رات والے گجر نے مجھ سے باتیں کیں جس کا
تجربہ ہر انسان سے زیادہ ہے،
جس نے تمھارے آبا و اجداد کے دردِ دل کے دھڑکنے کی آوازیں گنی
ہیں۔ آہ! آہ! وہ کس طرح آہیں بھرتی ہے! وہ کس طرح خواب میں ہنستی ہے!
یعنی پرانی گہری گہری آدھی رات!
چپ! چپ! اس وقت بہت سی چیزیں سنائی دیتی ہیں جو دن
میں بآوازِ بلند نہیں کہی جا سکتیں۔ مگر اس وقت جب کہ ہوا سرد ہے اور جب کہ
تمھارے دلوں کا سارا شور دب چکا ہے،
اب وہ باتیں کرتا ہے، اب وہ اپنی باتیں سنتا ہے، اب وہ رات والی
بیدار تر روحوں میں چپکے سے گھس جاتا ہے۔ آہ! آہ! وہ کس طرح آہیں بھرتی
ہے! وہ کس طرح خواب میں ہنستی ہے!
کیا تجھے سنائی نہیں دیتا کہ وہ کس طرح چپکے چپکے اور خوفناک محبت
کے ساتھ تجھ سے باتیں کرتی ہے، یعنی پرانی گہری گہری آدھی رات؟
ع۔ ارے انسان، ذرا ہو جا خبردار!

(۴)

حیف ہے مجھ پر! وقت کہاں چلا گیا؟ کیا میں گہرے کنوئیں میں نہیں
ڈوب گیا؟ عالم سو رہا ہے۔
آہ! آہ! کتّا رو رہا ہے، چاند چمک رہا ہے۔ میں مر جانا پسند کرتا ہوں،
مر جانا، بہ نسبت اس کے کہ میں تم سے کہوں کہ میرا قلبِ نیم شبی ابھی

کیا سوچ رہا ہی۔

اب میں مرچکا ہوں۔ ہر چیز کا خاتمہ ہوگیا۔ اے مکڑی، تو میرے آس پاس کیا جالا تان رہی ہی؟ کیا تو خون کی خواہاں ہی؟ آہ! شبنم گر رہی ہی، گھڑی آرہی ہی،

وہ گھڑی جس میں ٹھٹھرتا اور کانپتا ہوں اور جو بار بار پوچھتی ہی: "اس کے لیے کس کا دل کافی مضبوط ہی؟

کون زمین کا مالک بنے گا؟ کون کہے گا کہ اے بڑے اور چھوٹے دریاؤ، تمھیں یوں بہنا چاہیے!"

گھڑی قریب آرہی ہی۔ اے انسان، اے بلند تر انسان، خبردار ہوجا! یہ باتیں لطیف کانوں کے لیے ہیں، تیرے کانوں کے لیے۔ ع۔ یہ آدھی رات کی سُن کیا ہی گفتار؟

(۵)

میں اُدھر بہا چلا جارہا ہوں، میری روح رقص کر رہی ہی۔ کارِ روز! کارِ روز! کون زمین کا مالک بنے گا؟

چاند سرد ہی، ہوا خاموش ہی۔ آخاہ! کیا تم کافی اونچے اڑے ہو؟ تم رقص کر رہے تھے۔ مگر ٹانگ تو بازو ہو نہیں سکتی۔

اے عمدہ رقاصو، اب ہر خوشی کا خاتمہ ہی: شراب خمیر بن گئی ہی، ہر پیمانہ چکنا چور ہو گیا ہی، قبریں پڑی بڑبڑا رہی ہیں۔

تم کافی اونچے نہیں اُڑے۔ اب قبریں پڑی بڑبڑا رہی ہیں: "مُردوں کو آزاد تو کرو! رات اتنی دیر تک کیوں رہی؟ کیا چاند ہمیں متوالا نہیں بناتا؟"

ای برتر انسانو، قبروں کو آزاد تو کرو، لاشوں کو بیدار کرو! ارے، اب
تک کیڑا کیا کتر رہا ہی؟ گھڑی قریب آ رہی ہی، قریب آ رہی ہی،
گجر بڑ بڑا رہا ہی، دل ہنوز دھڑک رہا ہی، لکڑی کا کیڑا، دل کا کیڑا ہنوز
کھود رہا ہی۔ آہ! آہ! ع۔ جسے کہتے ہیں دنیا ہی وہ گھڑی!

(۶)

ای میٹھے باجے! ای میٹھے باجے! مجھے تیری آواز سے محبت ہی، تیری متوالی
مینڈک کی سی آواز سے! کتنے فاصلے سے کتنی دور سے تیری آواز میرے
پاس آ رہی ہی! بہت دور سے، محبت کے تالابوں سے!
ای پرانے گجر، ای میٹھے باجے! ہر ایک درد نے تیرے دل میں شگاف
ڈال دیا ہی، باپ کا درد، باپ داداؤں کا درد، اسلاف پیشین کا درد۔ تیری
گفتگو پختہ ہو گئی ہی،
سنہری خزانوں اور سہ پہر کی طرح پختہ، میرے گوشہ نشین دل کی طرح۔ اب
تو گفتگو کرتا ہی: خود دنیا پختہ ہو گئی ہی، انگور زرد ہو چلے ہیں۔
اب وہ مرنے کا خواہاں ہی، خوش وقتی کی وجہ سے مرنا چاہتا ہی۔ ای برتر
انسانو، کیا تمھیں یہ سنگھائی نہیں دیتا؟ اس کے اندر سے دبی دبی ایک خوشبو
چھنک رہی ہی،
ایک خوشبو اور مہک ہمیشگی کی، ایک گلاب کی سی مبارک اور سنہری
بادامی شراب کی خوشبو پرانی خوش وقتی کی،
آدھی رات والی مرتے وقت کی متوالی مسرت جو یہ گاتی ہی: ؎
جسے کہتے ہیں دنیا ہی وہ گھڑی ؛ نہیں کچھ اس کے آگے دن کا ہی قعر!

(۷)

چھوڑ مجھے ! چھوڑ مجھے ! میں تیرے لیے حد سے زیادہ پاک ہوں۔ مجھے ہاتھ نہ لگا! کیا میری دنیا ابھی مکمل نہیں ہو چکی تھی ؟

میری جلد تیرے ہاتھوں کے لیے حد سے زیادہ پاک ہی۔ چھوڑ مجھے، ای بیوقوف پاگل اور احمق دن ! کیا آدھی رات اِس سے زیادہ روشن نہیں ہی ؟

پاک ترین لوگ زمین کے مالک بنیں گے ، غیر معروف ترین، قوی ترین، ارواحِ نیم شبی جو ہر دن سے زیادہ روشن تر اور عمیق تر ہیں۔

ای دن ، تو مجھے ٹٹول رہا ہی ؟ تو میری خوش وقتی کو مَس کر رہا ہی ؟ میں تیرے لیے امیر ہوں اور تنہا ، ایک مدفون خزانہ ، ایک سونے سے بھری ہوئی کوٹھڑی ؟

ای دنیا ، تو میری خواہشمند ہی ؟ کیا میں تیرے گمان میں دنیادار ہوں؟ کیا میں تیرے گمان میں دیندار ہوں ؟ کیا میں تیرے گمان میں اللہ والا ہوں؟ مگر ای دن اور ای دنیا ، تم میرے خیال میں بہت کُبڈّے ہو۔

اپنے ہاتھوں کو چابک تر بناؤ ! غائر تر خوش وقتی پر ہاتھ مارو ، غائر تر بدبختی پر ! کسی نہ کسی خدا پر ہاتھ مارو ! میرے اوپر ہاتھ نہ مارو !

میری بدبختی ، یعنی میری خوش وقتی گہری ہی ، ای عجیب وغریب دن ! تاہم میں کوئی خدا نہیں ہوں اور نہ خدا کی کوئی دوزخ ہے۔ بہت گہرا ہی دیکھو درد اس کا۔

(۸)

خدا کا درد اس سے زیادہ گہرا ہی ، ای عجیب وغریب دنیا ! خدا کے درد پر ہاتھ مار نہ کہ مجھ پر ! میں ہوں کیا ؟ ایک متوالا میٹھا باجا ،

ایک نیم شبی باجا ، ایک گجر والا مینڈک جس کی بولی کوئی نہیں سمجھتا لیکن

جو بہروں کے آگے باتیں کرنے پر مجبور ہی، ای برتر انسانو! کیوں کہ تم میری بات نہیں سمجھتے!

چلتی ہو! چلتی ہو! ای جوانی! ای دوپہر! ای سہ پہر! اب شام آپہنچی ہی اور رات اور آدھی رات، کتا رو رہا ہی یعنی آندھی۔

کیا آندھی کتا نہیں ہی؟ وہ ٹھنکتی ہی، اور بھونکتی ہی، وہ چلّاتی ہی۔ آہ! آہ! وہ کس طرح آہیں بھر رہی ہی! وہ کس طرح ہنس رہی ہی، وہ کس طرح خرّاٹے لے رہی اور ہانپ رہی ہی، یعنی آدھی رات!

اب وہ کیسی ہوش کی باتیں کر رہی ہی، یہ متوالی شاعرہ! وہ اپنی مدہوشی کو شاید ضرورت سے زیادہ پی گئی ہی؟ وہ حد سے زیادہ بیدار ہو گئی ہی؟ وہ جگالی کر رہی ہی؟

وہ اپنے درد کی جگالی کرتی ہی، خواب میں، یعنی وہ پرانی گہری آدھی رات، اور اس سے بھی زیادہ اپنی خوشی کی۔ کیوں کہ اگرچہ درد گہرا ہی کیوں نہ ہو تاہم خوشی ع۔ خوشی ہی اس کے دردِ دل سے زیادہ۔

(۹)

ای انگور کی بیل! تو میری کیا تعریف کر رہی ہی؟ میں نے تو تجھے کاٹا ہی! میں بے رحم ہوں، تیرا خون بہہ رہا ہی۔ میری متوالی بے رحمی پر تیری تعریف کے کیا معنے؟

"جو چیز مکمّل ہو گئی ہو، یعنی ہر پختہ چیز، وہ مرجانا چاہتی ہی!" یہ تیرا مقولہ ہی۔ مبارک ہو، مبارک ہو انگور کاٹنے والے کی چھری! مگر ہر خام چیز زندہ رہنا چاہتی ہی: افسوس!

درد کہتا ہی: "جاتا رہ! دور ہو، ای درد!" لیکن ہر چیز جو مبتلائے درد

کہ وہ زندہ رہنا چاہتی ہی تاکہ وہ پختہ ہو جائے اور شادماں اور آرزو مند،
آرزو مند زیادہ دور کی چیز کی، زیادہ اونچی چیز کی، زیادہ روشن چیز کی۔
ہر درد مند چیز یہ کہتی ہی: "میں میراث لینا چاہتی ہوں، میں اولاد چاہتی ہوں، اپنے آپ کو میں نہیں چاہتی۔"

لیکن خوشی نہ میراث چاہتی ہی نہ اولاد۔ خوشی خود اپنے آپ کو چاہتی ہی، ہمیشگی چاہتی ہی، واپسی چاہتی ہی، وہ چیز چاہتی ہی جو ہمیشہ یکساں رہے۔

درد کہتا ہی: "ای دل، ٹکڑے ٹکڑے ہو جا، خون ہو جا، ای ٹانگ، چل پھر، ای بازو، پرواز کر! آگے! اوپر! ای درد!" اچھا! بہت خوب! ای میرے پرانے دل: درد کہتا ہی: "چلتا ہو!"

ای برتر انسانو، تمھارا کیا خیال ہی (10)؟ کیا میں پیشین گو ہوں؟ ایک خواب دیکھنے والا؟ متوالا؟ خواب کی تعبیر بتانے والا؟ ایک آدھی رات کا گھڑیال؟ ایک قطرہ شبنم؟ ایک ہمیشگی کی بو اور مہک؟ کیا تمھیں یہ سنائی نہیں دیتا؟ کیا تمھیں یہ سنگھائی نہیں دیتا؟ ابھی میری دنیا مکمل ہو چکی تھی، آدھی رات بھی دوپہر ہی۔

درد بھی ایک خوشی ہی، بددعا بھی ایک دعا ہی، رات بھی ایک سورج ہی۔ یہاں سے چلتے ہو، ورنہ تمھیں یہ معلوم ہو جائے گا: عقلمند بھی پاگل ہی۔

کیا تم نے کبھی کسی خوشی پر ہاں کہا ہی؟ اوہ، ای میرے دوستو، تب تو تم نے ہر درد پر بھی ہاں کہا ہی۔ تمام چیزیں آپس میں وابستہ ہیں، پروئی ہوئی ہیں، ایک دوسرے میں محو ہیں۔

اگر تم نے ایک بار کو دوبارہ چاہا ہی اور کبھی یہ کہا ہی: "تو مجھے پسند ہی، ای خوش وقتی! ہُش! ایک لمحہ!" تو تم نے ہر چیز کو واپس لے لینا چاہا ہی!

ہر چیز از سر نو، ہر چیز ہمیشہ، ہر چیز وابستۂ زنجیر، پروئی ہوئی، محو: ارے،
یوں تم دنیا سے محبت کرتے تھے،
اے ہمیشگی والو، اس سے ہمیشہ اور مدام محبت کرو، اور درد سے بھی یہ
کہو: دور ہو مگر پھر آنا! کیوں کہ ع بقا ہی پر مسرت کی تمنا!

(۱۱)

ہر خوشی تمام چیزوں کی ہمیشگی چاہتی ہے، شہد چاہتی ہے، خمیر چاہتی ہے،
متوالی آدھی رات چاہتی ہے، قبریں چاہتی ہے، قبروں کی آنسوؤں والی تسلی
چاہتی ہے، سنہری شفق چاہتی ہے۔
خوشی کیا نہیں چاہتی! وہ تمام دردوں سے زیادہ پیاسی، بے ریا،
بھوکی، خوفناک اور مخفی، وہ اپنی ہی خواہشمند ہے، وہ اپنے آپ کو کاٹ کھاتی
ہے، عزم حلقہ اس کے اندر آمادۂ جنگ ہے۔
وہ محبت کی خواہاں ہے، وہ نفرت کی خواہاں ہے، بے حد امیر ہے، پیش
کرتی ہے، پھینکتی ہے، بھیک مانگتی ہے کہ کوئی اسے لے لے، لینے والے کی
شکر گزار ہوتی ہے، وہ پسند کرتی ہے کہ اس سے نفرت کی جائے۔
خوشی اتنی امیر ہے کہ وہ درد کی مشتاق ہے، دوزخ کی، نفرت کی،
رسوائی کی، لولے لنگڑوں کی، دنیا کی۔ کیوں کہ دنیا، ہاں تم تو اسے جانتے ہو!
اے برتر انسانو، وہ تمھاری آرزومند ہے یعنی خوشی، بے لگام خوش وقت
خوشی تمھارے درد کی آرزومند ہے، اے بگڑے ہوؤ! ہر دائمی خوشی بگڑی ہوئی
چیز کی آرزومند ہے۔
کیوں کہ ہر خوشی خود اپنی خواہشمند ہے۔ اس لیے وہ دردِ دل کی بھی
خواہشمند ہے! اے خوش وقتی، اے درد! ارے ٹکڑے ٹکڑے ہو جا، اے دل!

ای برتر انسانو، اسے سیکھ رکھو کہ خوشی بقا کی خواہشمند ہی۔
خوشی ہر چیز کی بقا کی خواہشمند ہی۔ع۔ بقا بھی وہ نہ ہو جو ختم اصلا !

(۱۲)

اب تم نے میری تکلیف سیکھ لی ؟ تم نے بوجھ لیا کہ وہ کیا چاہتی ہی؟ اچھا! بہت خوب ! ای برتر انسانو، تو پھر میرا کنڈلیا گیت گاؤ !

اب تم وہ گیت گاؤ جس کا نام ہی "ایک بار اور" اور جس کا مطلب ہی "ابدالآباد تک !" گاؤ، ای برتر انسانو، زردشت کا گنڈلیا گیت !

اریے انساں، ذرا ہو جا خبردار !
یہ آدھی رات کی سُن کیا ہی گفتار ؟
"میں محوِ خواب، محوِ خواب ہوں میں،
"میں گہری نیند سے ہوتا ہوں بیدار :
"جسے کہتے ہیں دنیا ہی وہ گہری،
"نہیں کچھ اس کے آگے دن کا ہی قعر۔
"بہت گہرا ہی دیکھو درد اُس کا،
"خوشی لیکن ہی دردِ دل سے زیادہ۔
"یہ کہنا درد کا ہی : دور ہو جا !
"بقا ہی پر مسرت کی تمنا،
"بقا بھی وہ نہ ہو جو ختم اصلا !"

نشانی

اس صبح کو جو اس رات کے بعد آئی زردشت اپنے بچھونے سے اُچھل

پڑا، دھوتی باندھی اور اپنے غار سے باہر نکل آیا، دَمکتا ہوا اور مضبوط، جیسے صبح کا سورج جو تاریک پہاڑوں میں سے نکلا ہو۔

جیسے کہ وہ ایک بار پہلے کہ چکا تھا اس نے پھر کہا: "ای نیّرِ اعظم، ای خوش وقتی کی گہری آنکھ، تیری خوش وقتی کا کیا حشر ہوتا اگر وہ چیزیں نہ ہوتیں جن کو تو روشنی پہنچاتا ہی!

اور اگر وہ اپنی کوٹھڑیوں میں بند رہتیں درانحالیکہ تو بیدار ہوتا اور نکلتا اور بخشش کرتا اور تقسیم کرتا: تو تیری غیرت مند حیا اس پر کس قدر ناراض ہوتی!

اچّھا! وہ ہنوز سو رہے ہیں، یعنی برتر انسان، درانحالیکہ میں بیدار ہوں۔

یہ میرے ٹھیک ساتھی نہیں ہیں! میں یہاں پہاڑوں پر ان کے انتظار میں نہیں بیٹھا ہوں۔

میں اپنے کام پر جانا چاہتا ہوں، اپنے دن کی طرف۔ لیکن وہ نہیں سمجھتے کہ میری صبح کی نشانیاں کیا ہیں۔ میرے پانو کی آہٹ ان کے لیے صدائے بیداری نہیں ہی۔

وہ ابھی تک میرے غار میں سو رہے ہیں۔ اُن کا خواب ابھی تک میرے متوالے گیتوں کے گھونٹ لے رہا ہی۔ اور وہ کان جو میری بات سنے، یعنی فرماں بردار کان اُن کے اعضا کا جز نہیں۔"

یہ باتیں زردشت نے اپنے دل سے کیں جب کہ سورج نکل آیا تھا۔ پھر اس نے بلندی کی طرف ایک سوالیہ نظر ڈالی، کیوں کہ اسے اپنے عقاب کی تیز آواز سنائی دی تھی، اور اس نے اوپر کی طرف پکار کر کہا: "خوب! یہ مجھے پسند ہی اور میرے شایانِ شان ہی۔ میرے جانور بیدار ہیں کیوں کہ میں بیدار ہوں۔

میرا عقاب بیدار ہے اور میری طرح سورج کا احترام کرتا ہے۔ وہ نئی روشنی کی طرف پنجہ مار رہا ہے۔ تم میرے ٹھیک جانور ہو، میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ لیکن میرے پاس کمی ہے تو ٹھیک انسانوں کی!،،

یہ تھی تقریر زردشت کی۔ لیکن اب یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ کیا دیکھتا ہے کہ گویا ایک بیک بے شمار چڑیاں اس کے اردگرد جمع ہیں اور پھڑپھڑا رہی ہیں۔ لتنے بہت سے پروں کی آواز اور اس کے سر کے آس پاس ان کا مجمع اس حد تک تھا کہ اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور واقعی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس پر ایک بادل گرا، ایک تیروں کا بادل جو نئے دشمن پر گرتا ہے۔ مگر یہاں تو وہ ایک بادل محبت کا تھا اور جس پر وہ گرا وہ ایک نیا دوست تھا۔

"مجھے کیا ہو گیا ہے" زردشت نے متعجب ہو کر اپنے دل میں سوچا اور آہستہ آہستہ اس پتھر پر بیٹھ گیا جو اس کے غار کے منہ کے پاس پڑا تھا لیکن جب وہ اپنا ہاتھ اپنے اردگرد اور اپنے اوپر اور اپنے نیچے پھیر رہا تھا تا کہ پیار کرنے والی چڑیوں کو روکے تو کیا دیکھتا ہے کہ اس سے زیادہ عجیب و غریب بات درپیش ہے: وہ یہ کہ اس کا ہاتھ بے جانے بوجھے ایک گھنے اور گرم بالوں کے گچھے میں جا پڑا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے سامنے سے ایک چنگھاڑ کی آواز آئی، ایک نرم اور لمبی شیر کی سی ڈکار۔

"نشانی آرہی ہے،، زردشت نے کہا اور اس کا دل متغیر ہو گیا۔ اور واقعی جب اس کے سامنے روشنی ہوئی تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کے قدموں پر ایک زرد رنگ قوی الجثہ جانور پڑا ہوا ہے جو اپنا سر اس کے گھٹنوں پر رکھے ہوئے ہے اور پیار کے مارے اس سے جدا نہیں ہونا چاہتا اور اس کتے کی طرح ہے جسے اس کا پرانا مالک پھر مل گیا ہو۔ لیکن کبوتر بھی اپنی محبت میں شیر سے کچھ

کم جوشیلے نہ تھے اور جب کبھی کوئی کبوتر شیر کی ناک کے اوپر پر پھڑپھڑاتا تو وہ اپنا سر ملاتا اور متعجب ہوتا اور اس پر ہنستا تھا۔

ان سب باتوں پر زردشت نے محض ایک فقرہ کہا: "میری اولادیں نزدیک ہیں، میری اولادیں" اور یہ کہہ کر بالکل خاموش ہوگیا۔ لیکن اس کا دل پگھل گیا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کر اس کے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔ اور اس کو اور کسی بات کا خیال نہ تھا اور وہ بے حس وحرکت بیٹھا ہوا تھا اور اپنے آپ کو جانوروں سے بچاتا نہ تھا۔ تب کبوتر وقتاً فوقتاً پرواز کرتے اور اس کے کاندھے پر بیٹھ جاتے تھے اور اس کے سفید بالوں کو پیار کرتے تھے اور پیار اور مسرت سے تنگ نہ آتے تھے۔ اور قوی شیر برابر ان آنسوؤں کو چاٹتا جاتا تھا جو زردشت کے ہاتھوں پر گر رہے تھے اور ساتھ ساتھ چپکے چپکے ڈکارتا اور غرّاتا جاتا تھا۔ یہ تھا سلوک اِن جانوروں کا۔

یہ واقعہ بہت دیر تک یا تھوڑی دیر تک جاری رہا، کیوں کہ سچ پوچھو تو ان جیسی چیزوں کے لیے زمین پر وقت کا تعین نہیں ہوتا۔ اس اثنا میں برتر انسان جو زردشت کی جھونپڑی میں تھے بیدار ہو گئے تھے اور انھوں نے باہم اپنے آپ کو ایک قطار میں کرلیا تھا تاکہ وہ زردشت کے پاس جاکر اسے صباح بخیر کہیں، کیوں کہ بیدار ہونے پر انھوں نے یہ دیکھا تھا کہ وہ ان کے ساتھ نہیں ہے۔ لیکن جوں ہی وہ غار کے منہ تک پہنچے اور ان کے پانو کی آہٹ ان سے اور آگے بڑھی تو شیر سخت چوکنا ہوا اور یک بیک زردشت کی طرف سے پھر کر خوفناک طریقے سے ڈکارتا ہوا غار کی طرف جھپٹا۔ لیکن جب برتر انسانوں نے اس کو ڈکارتے سنا تو سب کے سب یکزبان ہو کر چلّائے اور الٹے بھاگے اور چشم زدن میں غائب ہو گئے۔

مگر زردشت متحیر اور متغیر ہو گیا اور اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے آس پاس دیکھنے لگا اور متعجب ہو کر کھڑا کا کھڑا رہ گیا اور اپنے دل سے سوال و جواب کرنے لگا اور سوچنے لگا اور اکیلا رہ گیا۔ بالآخر اس نے رُک رُک کر کہا: "مجھے سنائی نہیں دیتا تھا؟ ابھی مجھ پر کیا گزر رہی تھی؟"

اور فوراً اس کو یاد آگئی اور ایک چشم زدن میں وہ ساری باتیں سمجھ گیا جو کل اور آج کے درمیان پیش آئی تھیں اور اس نے اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا: "یہ ہی وہ پتھر! اس پر میں کل صبح بیٹھا تھا، اور اس جگہ پیشین گو میرے پاس آیا تھا، اور اس جگہ میں نے پہلی مرتبہ چیخ کی آواز سنی تھی جسے میں نے ابھی دوبارہ سنا ہی، یعنی بڑی واویلا۔

ای برتر انسانو، یہ تمھاری تکلیف تھی جس کی پیشین گوئی میرے سامنے کل صبح اس بوڑھی پیشین گو لے کی تھی،

وہ مجھے پھسلا کر تمھاری تکلیف کی طرف لے جانا چاہتا تھا اور میرا امتحان کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ ای زردشت، میں اس لیے آیا ہوں کہ تجھے آخری گناہ کی طرف بہکا کر لے جاؤں۔

"میرے آخری گناہ کی طرف؟" زردشت نے پکار کر کہا اور خود اپنی بات پر طیش کھا کر ہنسنے لگا: "بحیثیت آخری گناہ کے میرے پاس رہا ہی کیا ہی؟"

اور زردشت ایک بار اور اپنے خیالات میں غرق ہو گیا اور پھر اس بڑے پتھر پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔ مگر وہ فوراً اچھل پڑا،

"ہمدردی! ہمدردی برتر انسانوں کے ساتھ! خوب! اس کا بھی ایک وقت تھا!" اس نے چلا کر کہا اور اس کا چہرہ پیتل کی طرح پڑ گیا۔

میرا آزار اور میری ہمدردی: ان میں رکھا کیا ہی!

کیا میرا مقصد خوش وقتی حاصل کرنا ہی ؟ میرا مقصد تو اپنا کام کرنا ہی!
اچھا! شیر آچکا ہی، میری اولاد عنقریب آنے والی ہی۔ زردشت پختہ
ہو چکا ہی، میری گھڑی آچکی ہی۔
یہ میری صبح ہی، میرا دن طلوع ہو رہا ہی: اب بلند ہو، بلند ہو، ای ظہرِ عظیم!"
یہ کہہ کر زردشت اپنے غار سے باہر نکل آیا، دمکتا ہوا اور مضبوط، مانند
صبح کے آفتاب کے جو تاریک پہاڑوں سے نکلتا ہی۔

خاتمہ